ناول: محورِ محبت مصنفہ: فاطمہ رانا

ناول: محورِ محبت   مصنفہ: فاطمہ رانا

اہم اعلان!
اس تحریر کے تمام جملے حقوق محفوظ ہیں۔ تحریر کسی کی ذاتی زندگی محض اتفاقی ہو گی۔ لکھاری کاپی کرنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا مجاز رکھتا ہے۔
منجانب: فاطمہ رانا

Writer Insta Id @pyarifatimah

اگر آپ بھی رائٹر ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ آپکا ناول یا کالم ہماری ویب سائٹ پہ شائع ہو تو برائے کرم ہم سے ہمارے انسٹاگرام اکاؤنٹ پہ رابطہ کیجیے۔
Ig@aestheticnovels.online

انتساب:

خود میں صدیوں جیسی محبت کے مجرم کو اک لمحے میں قیدی بناتی شہزادی کے نام۔۔
محبت دھڑکنوں پر رقص کرتی وجد طاری کر دے اس محورِ دل کے نام۔۔۔

ناول: محورِ محبت مصنفہ: فاطمہ رانا

پیشِ لفظ:

امید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہونگے۔ محورِ محبت میرا پہلا ناول ہے۔ جسکی کہانی قضا، ہجر، کرب، لمس، خوشبو، اشکوں اور جذبوں پر بُنی گئی ہے۔ مختلف کرداروں کے گرد گھومتی یہ کہانی۔۔۔ماضی، حال، مستقبل کو ایک ساتھ لے کر چلتی ہوئی پڑھنے والوں کو صفحہ پر صفحہ پلٹنے پر ناچار کرتے ہوئے اپنے خوب انوکھے اور نرالے روپ دکھائے گی۔ معرفتِ ذاتی، خودی اعتمادی یا جو بھی آپ کہیے۔ جس سے وابستہ دلچسپ احوال، "پیش لفظ" میں تحریر کیا ہے۔

کسی نے کہا تھا کہ کہانیاں لکھنا دنیا کا اہم کام ہے، اسلئے کہ ان میں وہ باتیں تو ہوتی ہی ہیں جو بیان کی جاسکتی ہیں، اسکے علاوہ وہ باتیں بھی ہوتی ہیں جو بیان نہیں کی جا سکتیں۔

تخیلاتی کرداروں کو لفظوں کا پیراہن پہنا کر زندہ وجاوید کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ میری پہلی کاوش ہے۔۔۔ اسلئے ان کہی اور بیان نہ کی جانے والی باتوں کو بھی میں نے کھول کر وضاحت سے بیان کیا ہے۔

تاکہ میں ہر امید پر پوری اترتی ہوئی آخر پر کامیاب ہو سکوں۔۔ لیکن یہ آپ پر منحصر کرتا ہے کہ۔۔۔ آپ اس کہانی کو کس زاویے سے دیکھتے اور کتنا پسند کرتے ہیں۔

میری صرف آپ سے یہ التماس ہے کہ آپ اس کہانی کو پڑھنے کے بعد فیڈبیک لازمی دیجئے گا تاکہ مجھے انداز ہو سکے کہ آپکو میری کہانی کیسی لگی ہے۔

بہت شکریہ!!

اندھا دھند دوڑتے ہوئے وہ کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرنے کی مقدور بھر کوشش میں لگ گئی۔۔۔ دروازے کی اس جانب ایک حسین و جمیل لیکن تنہائی کی ماری بے یارو مددگار، ناچار، بے بس بے سہارا عورت تھی۔۔ جو آنکھوں میں بے پناہ خوف وہیبت لیے اپنی عزت و جان کے تحفظ کیلئے دروازہ بند کرنے میں اپنی پوری طاقت لگا رہی تھی۔ جبکہ دوسری جانب ایک وحشی وطاغوتی طاقت تھی جو اسے دروازہ بند کرنے سے روک رہی تھی۔

یکایک وہ زور سے چیخی اور اپنی ساری طاقت لگاتے ہوئے دروازہ بند کرنے میں بلآخر کامیاب ہو گئی۔

ہرن کے ہاتھ سے نکلنے پر وہ بھوکا بھیڑیا غیظ وغضب سے دروازہ پیٹنے لگا۔

جبکہ اندر اس بیچاری کا نازک وجود زور آور کھٹکھٹاہٹ کے ساتھ لرز سا رہا تھا۔

دروازہ ٹوٹنے کا اندیشہ پسیجتے ہوئے دل میں سموئے وہ اپنے خم دار بالوں کو ہاتھوں کی مٹھیوں میں سختی سے جکڑے قدرے گھبراہٹ سے ادھر ادھر دیکھنے لگی جبھی اسکی نگاہ کھڑکی کے قریب پڑے ٹیبل پر ریت اور سجی سے بنے خوبصورت گلدان پر پڑی۔

لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہ ٹیبل کے پاس پہنچی اپنی عزت کی حفاظت کیلئے سرعت سے اسنے گلدان کو ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ یکدم وہ درندہ کھڑکی پر جھپٹا اور تحفظ کیلئے اٹھایا گیا کمزور عورت کا ہتھیار زمین بوس ہو کے اسکے پاؤں پہ جا گرا۔۔۔ جبھی اسکے دودھیا اور نرم ونازک۔۔۔پاؤں کو۔۔۔خون رنگتا ہوا زمین پر پھیل گیا۔۔۔ اسکے ہونٹ نیلے، چہرے پر پیلاہٹ اور کلیجہ اچھل کر منہ ہی آگیا۔۔۔ حیرانگی وتکلیف سے اسکا ذہن معاوف ہو گیا۔

دم بخود وہ پتھر کی مورت بنے کھڑی تھی جبھی اس جانور نے زوردار قہقہ لگا کر اسکا سکتہ توڑا۔ وہ الٹے قدم پیچھے کو ہٹی اور رک گئی۔۔۔ شش و پنج میں مبتلا وہ ارد گرد دیکھنے لگی۔۔۔ پھر کچھ ہمت کر کے کھڑکی کیطرف بڑھی اور پھرتی سے پردے برابر کر اپنی جگہ واپس آکر کھڑی ہو گئی۔

اسکی اس حرکت پر وہ وحشی حیوان مزید طیش میں آگیا اور قدرے خونخواری سے کھڑکی و دروازہ پیٹنے لگا۔

اندر کمرے میں وہ کانوں پر ہاتھ دے کر زار و قطار روتے ہوئے دل ہی دل میں اللہ سے موت مانگنے لگی۔

—•✦•—

نیہان کی آواز میں نمی گھل آئی وہ لفظوں کی ادائیگی نہیں کر پا رہی تھی۔ کیونکہ گاڑی کی رفتار مزید تیز ہوتی جا رہی تھی۔

حنظلہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔۔۔ اور اسکی ایسی حالت نیہان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

—•✦•—

زندگی بہت مختصر ہے اور میرا تخیل بہت وسیع میرے ذہن میں موجود کردار مجھ سے منت کرتے ہیں کہ میں انہیں تحریر میں لا کر زندگی بخش دوں۔

—•✦•—

ناول: محورِ محبت   مصنفہ: فاطمہ رانا

باب نمبر ۱

وُہ خاموشی سے کچن میں کھڑی چائے کپ میں ڈالنے کے بعد ٹرے میں اپنے اِقبال چاچو کے لئے ناشتہ لگا رہی تھی جب پستہ کلر کے جارجٹ سوٹ میں فریش سی کوثر بیگم اندر داخل ہُوئیں اور ایک طائرانہ نگاہ صاف ستھرے کچن پر ڈال کر اس سے مخاطب ہُوئیں۔

تمھارے چاچو کو کام پر جلدی جانا ہے تو کیا آج کی تاریخ میں اُنہیں ناشتہ مِل جائے گا یا پھر بھوکا دوڑانے کا اِرادہ ہے اُنہیں گھر سے۔۔۔؟؟ مجھے چاہے تم بھوکا مار دینا سارا دِن فی الحال۔۔۔

وہ بول رہی تھیں کہ ارمینہ نے نا سمجھی میں انہیں ٹوکا جبکہ کوثر بیگم کی بارعب آواز میں شدید غصہ تھا۔

"ج۔۔۔جی۔۔۔ چچی جان، چاچو کے لیے ناشتہ تیار ہے۔ میں نے آپ کیلئے بھی بنا دیا ہے۔۔ اور ساتھ ہی ساتھ چکن بھی صاف کر دیا ہے۔ باقی گھر کی صفائی میں نے صبح جلدی اُٹھ کر ہی کر دی تھی اور دوپہر کا کھانا بنا کر فریج میں رکھ دیا ہے۔ آج میری جاب کا پہلا دن ہے تو واپسی کا کچھ پتا نہیں۔۔۔ چاچو جان تو شام کو ہی گھر آئیں گے آپ فکر نہیں کریں اُن سے پہلے گھر آکر میں رات کا کھانا بھی بنا دوں گی۔"

بس بس کام گنوا کر زیادہ احسان جتلانے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ تمہارے ہی کرنے کے کام ہیں۔۔ اور ظاہر ہے تُمھیں ہی کرنے ہیں۔۔۔ تو کر کے جاؤ یا آکر کرو۔ یہ تمہاری سر درد ہے، یہ درد مجھے مت لگاؤ۔۔ بلکہ مجھے تو معاف ہی رکھو اِن تمام کاموں سے تو بہتر ہے۔

تنفر و برہمی اُنکے چہرے سے واضح تھی جبکہ لہجہ شدید سخت تھا۔

چچی جان میں نے ایسا کب کہا میں تو بس بتا ہی رہی تھی کہ میرا آفس کا آج پہلا دن ہے تو۔۔۔

وہ بول رہی تھی جب اُنہوں نے غصّے سے ٹوکا۔

بس بہت ہو گیا۔۔۔ جو کر رہی ہو چونچ بند رکھ کے خاموشی سے کرو۔ اور جلدی باہر دفعہ ہو کچن سے ورنہ تیرے چاچو نے فضول میں مجھ پر چڑھائی شروع کر دینی ہے اور یہ تک نہیں سوچنا کہ میرے کتنے احسانات ہیں اُسکی کرم جلی لاڈلی بھتیجی پر۔

احسانات کا لفظ استعمال کر کے کیسے مُمکن تھا کہ وہ اُسے نہ گنواتیں۔

ارمینہ کو بھی یہی ڈر کھائے جا رہا تھا کہ کوثر بیگم اب حسبِ عادت روز کیطرح شروع نہ ہو جائیں اِسی بدولت اُسکی آنکھیں پھیل کر بڑی اور سُرخ ہو گئی تھیں کیونکہ کڑوی باتیں مُمکن ہے کہ ہر کوئی سُن لے لیکن ہر کوئی اُن باتوں کو سہن کر پائے یہ ممکن نہیں۔۔

"آنا آنا جوڑ کر تُجھے پڑھایا لکھیا، پالا پوسا، تُجھے بڑا کیا۔ اتنے احسانات کئے ہم نے تیری منحوس ذات پر۔ تیری ہر جائز ضرورت، منہ سے نکلی تیری ہر خواہش پوری کی۔۔ آج اس دِن کے لیے؟؟۔۔۔ کہ۔۔۔۔ اس غریب خانے اور گنتی کے یہ دو چار برتنوں کو صاف کر کے تُوں میرے سامنے کھڑی مجھے ہی آنکھیں دکھائے۔۔۔۔؟؟"

کوثر بیگم کے لہجے میں نہ صرف تنفر و بیزاری تھی بلکہ تضحیک اور حقارت بھی تھی۔

نہیں چچی۔۔۔۔۔۔

بے ساختہ نفی میں سر کو جنبش دیتے ہوئے وہ بمشکل حلق سے آواز نکال کر بول پائی تھی۔

ناول: محورِ محبت   مصنفہ: فاطمہ رانا

"بس۔۔۔!!"

ہاتھ کے اشارے سے انہوں نے سامنے کھڑی سہمی سی لڑکی کو بات مکمل کرنے سے روکا تھا۔
لاکھ بار سمجھایا تھا۔ انہیں کہ چھوڑ آئیں تجھے تیرے ننیہال لیکن نہیں، تیری ماں کا میکہ آباد رہے ہم نے اپنی خوشیاں برباد کر لیں۔ تیرے سبز قدموں کی نحوست نے کبھی کوئی خوشیاں اس گھر میں آنے ہی نہیں دیں۔

میری الاود سے محرومی، مجھے زندگی بھر اولاد کا شرف حاصل نہیں ہوا۔۔۔ صرف تیری وجہ سے اور میں پھر بھی چپ چاپ تیرے اس منحوس وجود کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ ایک چھت تلے برداشت کرتی رہی ہوں۔ لیکن پھر بھی میں تیرے لیے ایک بری اور بڑی ظالم چچی ہوں نہ۔

ایک کے بعد ایک نفرت بھرے الفاظ کوثر بیگم کے منہ سے نکلتے چلے جا رہے تھے اور وہ گھائل ہوتی جا رہی تھی۔

"بھئی کھانا لے بھی آؤ ارمینہ بیٹے۔۔۔ مجھے کام سے دیر ہو رہی ہے۔" کچن کیطرف رُخ کر کے اقبال صاحب نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

ارمینہ کے حلق میں تو آنسوؤں کا گولا پھنس چکا تھا۔ جسکی وجہ سے اسکے لیے آواز نکالنا نہایت مشکل تھا۔
شوہر کی آواز جب کوثر بیگم کی سماعت سے ٹکرائی تو انکے ہاتھ و دل لرزش کا شکار ہو گئے کیونکہ اقبال صاحب اپنے بھائی کی آخری نشانی کی تذلیل یونہی کسی اپنے کے منہ سے بھی سننا گوارہ نہیں سمجھتے تھے۔
"ہا۔۔ہاں بس لے آئی۔" کوثر بیگم نے کھانے کی ٹرے اسکے سامنے سے اُٹھائی اور دبی آواز میں کہتے ہوئے ارمینہ کو ایک نظر حقارت سے دیکھ کر قدم کچن سے باہر کی سمت بڑھائے۔
ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔ ایسے القابات وہ بچپن سے سنتی آ رہی تھی۔
منحوس وجود، منحوس سایہ، سبز قدموں کی نحوست بچپن سے جوانی تک وہ خود کو انکے دائروں کے حصار میں چکراتی دیکھتی آئی تھی۔
اسکی ذات پر نحوست کا ایسا لیبل لگ چکا تھا۔ جسے وہ چاہ کر بھی اپنی ہزار کوششوں کے باوجود شاید کبھی ہٹا نہیں سکتی تھی۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ بچپن سے ایسے لفظوں، طعنوں، نفرت انگیز رؤیوں، حقارت آمیز نگاہوں کو نظر انداز کرنا وہ ابھی تک نہ سیکھ پائی تھی۔
حیرانگی کی بات یہ بھی تھی کہ اسکی آج تک کوئی دوست نہیں بنی اور اگر بن بھی جاتی تو بدقسمتی سے وہ دوست اسکے ساتھ مخلص نہیں ہوتی۔
رشتے دار، محلے دار، لوگ، ہمسائے حالانکہ نچلی ذات کی لڑکیاں بھی سبھی اس سے بات کرنے سے اجتناب کرتی تھیں۔
اور اگر بات کرتا بھی کوئی تو طرح طرح کی باتیں سننے کو ملتیں۔ قسمت سے ہاری بیچاری اس معصوم کو عجیب اور مختلف برے برے القابات سے بلایا کرتا تھا ہر کوئی۔
ہر روز اسے ایسی نگاہوں اور زبان سے نکلتے خنجروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اور وہ ڈھیٹ یا لاپرواہ بننے کی بجائے ہر زخم سے اُٹھتی ٹیسوں پر بے آواز سسکتی تڑپتی رہتی، لیکن اللہ سے کبھی کوئی گلا، شکوہ، شکایت تک نہیں کرتی تھی۔

اسے یقین تھا اپنے رب پر جو اسکے صابر رہنے کے بدلے اسے ایک دن بہترین اجر سے ضرور نوازے گا۔

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت

یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ

تھوڑی ہی دیر میں خود کو نارمل کر کے جب وہ کچن سے باہر نکلی تو اقبال صاحب کی نظر اس پر جا ٹھہری۔ ارمینہ کو دیکھتے ہی انکے لبوں پر ہمیشہ کیطرح ایک خوبصورت مسکراہٹ بکھر گئی۔ یکلخت وہی مسکراہٹ اب مفقود ہو گئی۔۔۔ ساتھ چہرے کے تاثرات بدلے تو رنگت بھی کچھ معدوم پڑ گئی۔
دوسرے لفظوں میں ارمینہ کی نگاہوں کی وارفتگی نے انکے اوسان خطا کر دیئے تھے۔
کیا ہوا بیٹی سب ٹھیک تو ہے۔۔۔؟؟ اور یہ چاند سا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔ میرے بہادر بچے کا۔۔۔؟؟
اقبال صاحب نے سوالیہ انداز میں جانچتی نظریں اس پر جمائے انتہائی تحمل مزاجی سے پوچھا تو وہ اضطرابی اور جزبز شکار ہو گئی۔
آج آفس کا پہلا دن ہے اسکا۔۔۔ تو۔۔ اسلئے ذرا گھبرائی ہوئی ہے۔۔ ورنہ اپنے ہی گھر میں۔۔۔ وہ بھی آپکے ہوتے کیا ہی ہونا ہے اسکو۔۔۔۔؟؟؟
دانت بھینچ کر لفظوں کی ادائیگی کوثر بیگم نے بڑی مہارت اور ذرا تصنع انداز میں کی۔۔ جس میں طنز واضح تھا۔
بس یہی بات ہے کیا بیٹا۔۔۔؟؟
ارمینہ کی سرخ سوجھی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں اور اسکی خاموشی اقبال صاحب کے خدشات میں مزید اضافے کا باعث بن رہی تھی۔ جب اسنے خود پر انکی سوالیہ نگاہوں کی تپش محسوس کی تو فوراً اپنی زندگی کی کڑوی حقیقت اور تلخ سوچوں کا محور توڑتے ہوئے زور و شور سے سر کو اثبات میں ہلایا۔۔ پھر نظریں کوثر بیگم کی سمت دوڑائیں۔

ظاہر ہے یہی بات ہے۔ آپ بھی نہ کمال کرتے ہیں۔ شاہ انڈسٹری کے مالک خاور شاہ کی سیکرٹری کی حیثیت سے ملازمت کرنی ہے اسے۔۔ تو یہ کوئی چھوٹی موٹی معمولی بات تھوڑی ہے۔۔ جو وہ پریشان بھی نہ ہو۔۔۔۔؟؟

کوثر نے جلے کٹے لہجے میں بظاہر پُر سکونی سے بنا ہچکچائے لفظ بہ لفظ بڑے اطمینان سے کہتے ہوئے اقبال صاحب کے خدشات دور کرنے کی ہر مُمکن کوشش کی۔
پھر ارمینہ نے بھی مسکرا کر ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے معاملے کو رفع دفع کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

چلو یہ تو اچھا ہی ہے ایک طرح سے۔۔۔!!
تمھارا آفس۔۔ بیٹا مجھے راستے میں ہی پڑے گا تو جاتے ہوئے چھوڑ دوں گا تمھیں بھی۔۔ اور آتے ہوئے تُمھیں ساتھ بھی لے آؤں گا اپنے۔۔۔ پکڑو گاڑی کی چابیاں اور کھولو دروازہ۔ میں ابھی آتا ہوں۔۔۔ تمھاری چچی سے ذرا بات کر کے۔

اقبال صاحب نے ارمینہ کو شانوں سے تھام کر شفقت بھرے لہجے میں بات مکمل کی اور پھر گاڑی کی چابیاں تھماتے ہوئے تحکم بھرے انداز میں دروازہ کھولنے کا کہا اور ساتھ اپنے آنے کی تاکید بھی کی۔

ارمینہ نے انکا کہا مانتے ہوئے قدم خارجی دروازے کی جانب بڑھائے اور کچھ ہی دیر میں وہ دونوں کو تنہا چھوڑ کر دروازے تک پہنچ آئی تھی۔
میں خوب اچھے سے جانتا ہوں بیگم کہ آپ نے آج ایک بار پھر سے میری بچی کی آنکھوں کو نم کیا ہے۔اقبال صاحب نے ایک سرد آہ بھر کر نہایت دھیمے اور دبے لہجے میں تنقید کی۔

وہ آپکی بیٹی نہیں ہے اور نہ ہی میری کچھ لگتی ہے۔۔۔۔۔۔

کوثر بیگم نے ایک ابرو اٹھا کے طنزیہ نگاہوں سے انہیں گھورا اور لفظ بہ لفظ چبا چبا کر کہا۔

اقبال صاحب کی رنگت دہک کر انگارہ ہونے لگی اور پھتریلے تاثرات چہرے پر پھیل گے۔۔ سرخ ہوتی نگاہوں سے اقبال صاحب نے انہیں گھوری سے نوازا تھا۔لیکن وہ تب بھی باز نہیں آئی تھیں۔

ماں۔۔۔۔۔۔ماں کے بعد باپ کو بھی نگل گئی وہ۔۔۔اور۔۔۔۔آپکے بھائی صاحب تو چل بسے اپنی بیوی کے غم میں۔۔۔اور ہمارے سروں پر مسلط کر گئے اس نحوست کو۔

خبردار۔۔۔!!جو ایک لفظ اور نکالا آپ نے اپنی زبان سے۔۔۔ارمینہ میری بچی، میری تابعدار بیٹی ہے، میرا واحد سہارا ہے، میرے بھائی بھابھی کی آخری نشانی ،میرا قیمتی سرمایہ ہے وہ۔اور آپکو اگر یاد ہو تو مرتے ہوئے بھائی صاحب نے اپنے خون کو میرے سپرد کیا تھا۔میرے ذمے اسکی اچھی پرورش اور تربیت کرنا ہے۔
گزارش کرتا ہوں۔۔۔میں آپ سے کہ مہربانی کر کہ میری قبر کو تنگ نہ کریں، بھاری نہ کریں میرے لیے۔۔۔۔اگر بچی مجھ سے کچھ کہتی نہیں۔۔تو کیا آپ نہیں جانتی کہ روزِ محشر میں اپنے بھائی کا جواب دہ ہوں گا۔۔لہذٰا ذرا سوچ سمجھ کر بولا کریں اور مجھے اس قابل چھوڑ دیں کہ دنیا میں۔۔۔میں اپنی بھتیجی سے منہ نہ چھپاتا پھروں۔

کوثر بیگم بول رہی تھیں جب وہ انتہائی غصّے سے گویا ہوئے اور نہایت حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ ایک ایک لفظ پر زور دے رہے تھے۔وہ سخت مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے خارجی دروازے کیطرف بڑھ گئے تھے۔

جبکہ کوثر بیگم کی نگاہیں ہنوز اقبال صاحب پر ٹھہری دور تک انکا پیچھا کرتی رہیں۔

بہت زبردست ارینجمنٹ تھی۔ زرد سفید روشنیوں کے ساتھ گلاب کے پھولوں اور ڈارک بلیو غباروں کی سجاوٹ بے تحاشہ خوبصوتی میں اضافہ کر رہی تھی، دلکش خوشبوئیں چاروں اطراف پھیلی ماحول کو دلفریب اور خوبصورت تاثر عطا کر رہی تھیں، جبکہ ایک سائیڈ پر کھانے کی ٹیبلز ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ فواروں سے نکلتا پانی جورات کی روشنی میں ہیروں کی مانند چمک رہا تھا۔ جوق در جوق مہمانوں کا آنا لگا ہوا تھا۔

یہ دونوں ایک ساتھ کتنے پیارے لگتے ہیں۔ ہنہ۔۔۔۔۔۔۔۔

کون۔۔۔؟؟

روبینہ کی نظروں کے تعاقب میں حیدر علی ایڑھیوں کے بل گھوما تھا۔ اور بس پھر ایک خوبصورت مسکراہٹ اسکے لبوں پر بکھر گئی۔

عالیہ نے کالی ساڑھی زیب تن کی تھی جسکی آستین کے شانوں پر گول سراخوں سے اسکے سفید بازو نظر آرہے تھے جبکہ پیچھے کی جانب گلہ ذرا گہرا تھا۔ زوریز۔۔۔ نے بلیک اور وائٹ کلر کا تھری پیس پہنا تھا۔ بالوں کو اپنے مخصوص انداز میں کھڑا اوا کڑا بنائے قدرے آور سراپا، مضبوط ہاتھ، بازو پر بندھی گولڈن گھڑی اور خوشبوؤں سے لبریز وُہ اپنے برینڈڈ اسٹائلش جوتے عالیہ کی فینسی اونچی ہیلز کے قدم بہ قدم ساتھ اٹھاتے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک دوسرے کے ہمراہ ریڈ کارپٹ پر سامنے سے چلتے۔۔۔ حیدر علی اور اسکی بیوی۔۔ روبینہ کی جانب آرہے تھے، جنھوں نے اپنے اکلوتے دو سالہ بیٹے۔۔۔ حنظلہ۔۔۔ کے جنم دن کیلئے خاص انہیں شرکت کی دعوت دی تھی۔

کیا ہے اگر یہ دونوں خاور انکل سے اپنا رشتہ نہ چھپائیں، انہیں چاہیے کہ آپس میں انکا جو بھی رشتہ ہے وہ سب کو بتائیں، دو سال سے ایک دوسرے کے نکاح میں ہیں میرے اور تمہارے علاوہ اور کوئی یہ بات نہیں جانتا اگر میڈیا یا پریس کو پتہ۔۔۔

روبینہ ان پر اپنی نظریں مرکوز کیے قدرے دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی کہ حیدر علی کے بروقت بازو دبانے پر وہ بات کرتے کرتے نہ صرف ٹھہری بلکہ پوری اسکی جانب پلٹی بھی۔

"ہیپی برتھ ڈے حنظلہ بچے۔۔!!"

انکے نزدیک آکر سلام دعا کے بعد زوریز نے حنظلہ کو اٹھا کر پیشانی پر پیار کیا اور مختصر سا جملہ خوش اخلاقی سے ادا کیا۔

Happy Birthday Hanzallah May Your Life Be Filled with Sweet Moments, Many Happy Return of the Day Baby…!!

اس کے بر عکس عالیہ نے معصوم بچے کا گال تھپتھپا کر ایک انداز سے سالگرہ کی مبارکباد دی تھی۔

سالگرہ کی تقریب کافی شاندار تھی وہاں موجود ہر کوئی لطف اندوز ہو رہا تھا۔

روبینہ زوریز کی خالہ زاد بہن تھی اور علی حیدر اسکا بچپن کا پکا دوست تھا۔ دونوں میاں بیوی کے زوریر اور اسکے خاندان سے گہرے تعلقات تھے۔ عالیہ (ایلیاء) امریکہ کی رہائشی، ایک مغرور عیسائی لڑکی تھی۔ جو دو سال پہلے زوریر کے نکاح میں آکر ایلیاء سے عالیہ ہو کر مسلمان بن چکی تھی۔

اسے اپنے نام (ایلی) سے بے تحاشہ محبت تھی وہ کسی بھی صورت اپنا نام تبدیل کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہی تھی، مگر زوریز کی محبت اور ضد نے اسے مجبور کر دیا تھا جسکی بدولت اسنے ایلیاء سے ملتا جلتا اپنا نام عالیہ رکھ لیا۔ مگر ابھی بھی سب اسے ایلی کہہ کر مخاطب کرتے تھے یہاں تک کہ زوریز خود بھی۔

ایلی تمہیں بچے اچھے نہیں لگتے کیا۔۔۔؟؟

وہ مسلسل حنظلہ کی سمت مسکرا کر دیکھ رہی تھی کہ روبینہ کے سوال پر اسکا طلسم ٹوٹا۔

"بچے اچھے تو بہت لگتے ہیں۔۔۔ مگر ہم فی الحال اولاد کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ اولاد ہسبنڈ وائف کے پیار کی نشانی ہوتی ہے، لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ بچوں کی معصومیت ڈائریکٹلی، ان ڈائریکٹلی پیرینٹس کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، انکے وجود سے دو پیار کرنے والوں کی ایک دوسرے سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔۔۔ پھر انسان سارا اولاد پر ہی خرچ ہو کر رہ جاتا ہے، اسکا دھیان بچّوں کی جانب لگا رہتا ہے۔۔۔ انکے سونے، جاگنے، کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے یہاں تک کہ انکی فکر اور انکے مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ پریشان ہوتا ہے۔۔۔ دن رات انکے کیلئے محنت مشقت کرتا ہے۔۔ پیسے کماتا ہے۔۔۔ زندگی میں اولاد کی موجودگی، انکا احساس۔۔ ہسبنڈ وائف میں محبت کے جذبے اور احساس کو مدھم کر دیتا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے کافی ہیں۔۔ مگر جہاں کہیں کمی محسوس ہوئی تو ہمارے بچے ہی ہمارے رشتے کا سہارا بنے گے۔"

روبینہ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ کیونکہ اسکے مختصر سے سوال کا عالیہ نے شائستگی سے تحمل کے ساتھ تفصیلی جواب دیتے اسے حیران کر دیا تھا۔

روبی میں آتی ہوں۔

پھر وہ یہ جملہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

زوریز میرے خیال سے تمھیں خاور انکل کو اپنے اور ایلی کے بارے میں سب سچ سچ بتا دینا چاہیے ورنہ وہ تمھاری شادی کروا دیں گے اور تم منع بھی نہیں کر پاؤ گے اور تب تمھارے لیے ایلی بھابھی کو سنبھالنا مشکل نہیں ناممکن ہو جائے گا۔

حیدر نرم لہجے میں اسے نصیحت اور آنے والے وقت سے آگاہ کر رہا تھا۔

ہاں حیدر تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو، بتا دینا چاہیے مجُھے ابا جان کو اپنے اور ایلی کے بارے میں۔ آج بھی وہ لڑکی دیکھنے کے لئے گے ہیں۔۔۔ اور میں جانتا ہوں انہیں اپنے اصولوں مطابق دستور و قاعدہ کوئی لڑکی پسند آگئی تو ہاں کرنے میں دیر نہیں کریں گے، وہ لمحے بھر میں فوراً حامی بھر دیں گے۔ بیٹیاں ماں باپ کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں اور میں ہر گز یہ نہیں چاہوں گا کہ کسی کا قیمتی سرمایہ داؤ پر لگے۔

زوریز متاسفانہ انداز میں حیدر کی باتوں سے اتفاق کر رہا تھا۔

جبھی انکی مخالف سمت دیوار کے پیچھے ان دونوں کی نظروں سے محفوظ عالیہ کے وجود کا سایہ نمایاں تھا۔

دونوں اپنی باتوں میں مشغول اسکی موجودگی سے بیگانے اپنی دھن میں بات چیت کر رہے تھے، اتفاقاً وہ انکے درمیان ہونے والی تمام باتیں سن چکی تھی جسے سن کے اسے صحیح معنوں میں دھچکا لگا تھا اور وہ اپنی جگہ پتھر کی ہو گئی۔

اسکی روبینہ سے کچھ دیر پہلے کی گئی گفتگو اور روبینہ کا کچھ لمحات پہلے پوچھا گیا ایک مختصر سا سوال (ایلی تمُھیں بچے اچھے نہیں لگتے کیا؟؟) بار بار اسکے سماعت سے ٹکرا رہا تھا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں ان باتوں کی گہرائی میں چھپے مقصد کو بھانپ چکی تھی۔ مطلب صاف تھا کہ اولاد کے بنا زندگی بے مول اور خالی ہے، اولاد ہی سے عورت کے قدم سسرال میں مضبوط ہوتے ہیں اور یہی روبینہ اسے سمجھانا چاہتی تھی۔۔ شاید وہ بھی ان تمام باتوں سے بخوبی واقف تھی۔

عالیہ خیالی کیفیت سے باہر نکل کر حقیقت میں آئی اور خود کو پر سکون ظاہر کرتے ہوئے جیسے اسنے کچھ سنا ہی نہیں حیدر اور زوریز کے سامنے آگئی۔ انہوں نے عالیہ کو دیکھتے ہی فوراً بات کا رُخ تبدیل کر لیا اور کاروباری ڈسکشن شروع کر دی جس سے صاف واضح تھا کہ وہ عالیہ کو بات کی بھنک تک نہیں پڑنے دینا چاہتے تھے۔ تھوڑی دیر میں کیک کٹنگ کے بعد دعوت کا اختتام ہو گیا تھا۔

سب کی طرح زوریز اور عالیہ نے بھی اپنے گھر کی طرف راہ پکڑی۔ زوریز عالیہ کو اس مقصد سے پاکستان لے کے آیا تھا کہ خاور صاحب سے ملوا کر اپنے رشتے کے لئے قائل کرے گا لیکن ابھی تک ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، آگے بھی پتہ نہیں ممکن تھا کہ نہیں تھا کیونکہ قسمت کے کھیل سے کون واقف ہوتا ہے۔

ایسے ہی رات کا اختتام ہوا اور آدھا دن گزر گیا۔ زوریز نے عالیہ کو پاکستان میں ہائی سوسائٹی میں اپارٹمنٹ رہائش کیلئے لے کر دیا تھا۔ اور اس دن وہ ابھی گاڑی لے کر اپلی کی جانب نکلا ہی تھا جب خاور صاحب کی کال آ گئی۔

کہاں ہو...؟؟

جواب سے پہلے ہی وہ جواب دے کر بولے۔

فوراً حویلی پہنچو۔۔۔۔۔۔۔!!!

زوریز نے گاڑی حویلی کی جانب موڑ دی، گھنٹے کا سفر آدھے گھنٹے میں طے کر کے وہ خاور شاہ کے سامنے کھڑا تھا۔

کیوں کیا ایسا اس بچی کے ساتھ۔۔۔؟؟

ایک گرج دار آواز پورے کمرے میں گونجی تھی۔

کوئی ڈر خوف اس پر طاری نہیں ہوا کیونکہ ڈرتا وہ ہے جسکے دل میں چور ہو۔

ایسا کیا کر دیا میں نے بتائیں مجھے۔۔؟؟

اس نے خاور صاحب کے مقابل کھڑے ہو کر سر اٹھائے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بارعب لہجے میں سوال کیا تھا جس سے خاور صاحب کے غصّے کی شدت مزید بڑھ گئی۔

میں انکے گھر رشتہ دیکھنے گیا تھا جوڑ نہیں آیا تھا جو تم نے اس لڑکی کو رات کے آخری پہر نا صرف انکے اپنے ہی گھر سے اٹھوایا بلکہ صبح ہونے تک بیہوشی کی حالت میں ہاتھ منہ باندھے اپنی گاڑی میں بند بھی رکھا۔

خاور صاحب کی آواز دھیمی جبکہ لہجہ سرد تھا۔

خاور صاحب نے غصّہ کرنے کی مکمل وجہ اسکے سامنے رکھ دی تھی جسے سن کے زوریز پر ایک سکتا طاری ہو گیا اور زمین جیسے اسکے پاؤں تلے کھسک گی۔ اسکا ذہن ماؤف ہو چکا تھا، جو ہوا فلحال اسکی سمجھ سے باہر تھا کیونکہ یہ سب اس نے نہیں کیا تھا۔ عالیہ اور اسکے علاوہ تیسرا کوئی اسکی گاڑی استعمال کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ یہاں تک اسے یاد تھا کہ گاڑی کا آخری بار استعمال عالیہ نے اپنے کسی ضروری کام کا کہہ کر کیا تھا۔۔

"ایلی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

تبھی بے اختیار اسکی زبان سے عالیہ کا نام پھسلا جو اُسے خیالی کیفیت سے نکالنے کے لیے کافی تھا۔ زوریز نے دل میں خاور صاحب کو عالیہ سے جڑے اپنے رشتے کے بارے میں سچ بتانے کا عہد کیا اور سمجھانے کی غرض سے باپ کو (ابا) پکارا لیکن خاور صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا کہا۔۔

"وضاحت کی اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی زوریز، تُم معذرت کر بھی لو تو اس بچی پر گرا دکھوں کا پہاڑ نہیں اٹھا سکو گے۔۔"

خاور صاحب اس کی طرف پیٹھ پھیر کر غصّیلے انداز میں کہہ گے۔

"بیٹا۔۔!!!!۔"

کچھ لمحے اطراف میں خاموشی پھیل رہی جسے خاور صاحب کے نپے اور میٹھے حرف نے یکدم توڑا تھا۔ پھر زوریز کے شانے پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر محبت و ملائمت سے اپنی بات رکھنی چاہی۔

بیٹیاں سبھی کی سانجھی ہوا کرتیں ہیں اور عزتیں سب کی برابر، ہمیشہ ہم نے تمہیں یہی سکھایا ہے کہ بیٹیوں کے پاس عزتوں کے علاوہ اور کچھ گنوانے کو نہیں ہوتا جبکہ مرد عزتوں کے رکھوالے بنا کرتے ہیں۔ لیکن تم نے کسی کی عزت کو مٹّی میں ملا دیا ہے۔ اسے بے گھر کر دیا اور اب تم ہی اسکو اپنی عزت بنا کر اسے معاشرے میں باعزت مقام دو گے اور اپنے دل میں پناہ دو گے۔۔

زوریز بولنے کے قابل نہیں رہا تھا اور خاور صاحب کو انکار کرنا انکی تربیت پر حرف لانا تھا مگر پھر بھی وہ انکار کرنا چاہتا تھا، اپنے یا عالیہ کے لئے نہیں بلکہ اس لڑکی (ارمینہ) کیلئے جسے اسنے ابھی تک دیکھا تک نہیں تھا مگر زوریز کو نجانے کیوں ہمدردی ہو رہی تھی اسکی ذات سے۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسکی دوسری بیوی بن کر اپنے حقوق سے محروم رہے۔

ابا جان آپکا حکم سر آنکھوں پر مگر۔۔۔

کچھ اگر مگر نہیں زوریز اور یہ میرا حکم نہیں ہے بیٹا بلکہ درخواست ہے ایک بوڑھے باپ کی۔

خاور صاحب نے اسکی بات کو کاٹ کر التجائیہ لہجے میں اپنی بات کہی تھی۔

زوریز کو حیرانگی اپنے باپ کی اس لڑکی کے لیے ہمدردی اور بے جا اداسی پر تھی۔ اسکی حیرانگی کو اگلے لمحے خاور صاحب ختم کرنے والے تھے ارمینہ اور اسکے بیک گراؤنڈ کے بارے میں بتا کر۔

وہ سلجھی ہوئی ایک سمجھدار بچی ہے۔

ارمینہ کی پیدائش پر اسکی ماں وفات پا گئی تھی۔ دو مہینوں بعد باپ بھی اس کے غم میں چل بسا اور پھر غریب چاچا جس نے جیسے تیسے اسکی پرورش کی۔ بستر مرگ پر پہلے ہی سے تھا کہ کل رات کے ظلم و ستم، ناانصافی و سختی اور جفاکار واقعے نے قدرے بیدردی سے اسکی بھی جان نکل لی۔

چاچی اور باقی محلے والوں نے اسکو اسکے چچا کی موت کا ذمے دار ٹھہرا کر بد قسمت، منحوس، کرم جلی، بد کردار کہہ کر محلے اور گھر سے بے گھر کر دیا۔
خاور صاحب کے بتانے پر زوریز نے باپ کے فیصلے پر چپ چاپ سر جھکا دیا۔

باب نمبر 2

حویلی کا ڈرائنگ روم جو ایک حال سے بھی بڑا تھا، چھت پر لٹکتے بڑے بڑے فانوس جنکی روشنی جھلمل کر رہی تھی، دیواروں پر لگیں پینٹنگز، کھڑکیوں پر لگے پردے جن سے روشنی چھن کر کے اندر آ رہی تھی، اور گولائی میں پڑے صوفے اپنی قیمت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ اس روم کی ہر چیز نظر کو خیرہ کر رہی تھی۔ خاور صاحب اپنی مخصوص نشست پر سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ دائیں صوفے پر مولوی صاحب نکاح کا رجسٹر لیے، کندھوں پر مخصوص رومال ڈالے نظریں قدموں پر جمائے بیٹھے تھے۔ بائیں طرف حیدر علی جو سر جھکا کر تا کہ چہرے سے پریشانی کے تاثر عیاں نہ ہو سکے خاموش بیٹھا تھا۔ زوریز کالے سوٹ میں ملبوس تھا جس پر اُسنے گولڈن اور سفید رنگ کے امتزاج کی واسکٹ زیب تن کی ہوئی تھی۔ بالوں کو ترتیب سے سنوارے دائیں ہاتھ میں سلور گھڑی پہنے جبکہ سفید مضبوط پاؤں جو چپل میں نمایاں تھے۔ وُہ بغیر کوئی تاثر چہرے پر رونما کیے چُپ بیٹھا تھا۔

رجسٹر پر دستخط کرتے ہوئے ایک پل کو ارمینہ کے ہاتھ کانپے تھے پر خاور صاحب کے ہاتھ کا احساس سر پر محسوس کیا تو پل بھر میں اُسنے خود کو زوریز شاہ کے نام کر دیا تھا۔

زوریز کون تھا، کیسا تھا، یہاں تک کہ اُسکا نام بھی ارمینہ کے لیے اجنبی تھا۔

(وہ شاہ انڈسٹری کے مالک خاور صاحب کے ساتھ کام تو ضرور کرتی تھی لیکن ابھی تک انکے صاحبزادے، انکے اکلوتے چشم و چراغ سے پوری طرح انجان تھی)۔

خاور صاحب ارمینہ کے اغواہ کو پہلے ہی زوریز کی بیوقوفی اور محظ ایک چھوٹی سی غلط فہمی کا روپ دے کر اسکے دل و دماغ سے اپنے بیٹے کے لئے نفرت کے جزبات کو پوری طرح ختم کر چکے تھے۔ لیکن ارمینہ کے لئے اپنے بڑھتے خدشات کو مات دینا آسان نہیں تھا۔۔ کیونکہ اگر اسے زوریز کی ذات سے نفرت نہیں تھی تو محبت بھی نہیں تھی۔

مگر۔۔۔۔۔۔؟؟

چند پل میں جڑ جانے والے رشتے کو اب اسے آخری سانسوں تک نبھانا تھا۔ زوریز نے سائن کرتے ہوئے لمحے کو نیچے لکھے نام کو دیکھا جو اسکے ساتھ جڑ چکا تھا۔ جو بھی تھا اب ان دونوں کو زندگی ایک ساتھ گزارنی تھی۔ دستخط مکمل ہوتے ہی ڈرائنگ روم میں مبارک باد کا شور گونجا۔

خاور صاحب کی خوشی اور چہرے کی مسکراہٹ دیدنی تھی۔ آخر آج وہ اولاد کے فرض سے بھی آزاد ہو چکے تھے، شاید اب وہ زندگی کے آخری مراحل کو سکون سے جی پاتے۔ ارمینہ انکے گھر کی عزت تو بن گئی تھی۔۔ لیکن وہ کسی گھر کی بیٹی بھی تھی اور بیٹیاں اپنے والدین کی دعائیں لے کر انکے سائے تلے نئی زندگی میں قدم رکھیں تو ہی جچتی ہیں لیکن اس پر قسمت اتنی مہربان کہاں تھی، اُسے اپنی چچی کی کی گئی زیادتیاں اور اپنے خیر خواہ چاچو کی موت کا انتہائی دُکھ ہو رہا تھا۔ تبھی بچپن کی چند مخصوص یادیں کچھ کھٹی میٹھی تو کچھ اذیت ناک جنہیں برداشت کرنا قدرے مشکل تھا۔۔ ناچ کرتی گزریں۔

وہ بیچاری اپنی بدقسمتی پر رونے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اس لیے اُسکے آنسوں رَواں تھے، وجود ایسے جیسے بے جان تھا۔۔ اور وہ اپنی جگہ ساکت تھی۔

عالیہ کے لیے یہ اندھیری رات تھی، ایسا لگتا تھا جیسے سیاہ بادل گھٹاؤں کی طرح زندگی میں پھیل چکے ہیں کیونکہ اسے زوریز کی دوسری شادی کی خبر ہو چکی تھی۔ پہلی بیوی ہونے کے ناطے وہ زوریز پر صرف اور صرف اپنا حق سمجھتی تھی اور کسی بھی صورت کسی دوسری عورت کا ہونا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

جو کے اسکا حق تھا اور سراسر درست بھی تھا۔۔ لیکن یہ سب کیا بھی تو اسکا تھا۔ وہ ایسے جیسے پوری طرح پاگل ہو گئی ہو اور اپنے حواسوں سے باہر ہو۔ کچھ ہی لمحات میں اُسنے اپنی اور کمرے کی اس قدر بری حالت کر ڈالی تھی کہ دیکھنے والے پر توقف، حیرانگی اور دِلبر داشتگی کی کیفیت طاری ہو جاتی۔

زوریز شاہ نے دروازہ کھولتے قدم کمرے میں رکھا اور ایک نگاہ اطراف پہ ڈورائی۔ کمرے میں مکمل خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ اسکی آنکھیں شاید کسی کی تلاش میں تھیں، اسی غرض سے آگے بڑھتے قدموں کے ساتھ اسنے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا، معاً اُسکی نگاہیں ایک جگہ ٹھہریں اور آگے بڑھتے قدم ایک دم تھم گئے۔ سامنے کھڑکی کے پاس کھڑی لہر جیسی بناوٹ رکھتی سرخ جوڑے میں ملبوس لڑکی نے اسے رکنے پر مجبور کیا تھا۔ جو اسکی موجودگی سے بیگانی سوچوں میں گُم خالی آنکھوں سے کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔

فون کی گھنٹی نے اب کمرے میں چھائی خاموشی اور ارمینہ کا طلسم توڑا تھا۔ گھنٹی کی آواز سماعت سے ٹکراتے ہی وُہ فوراً اسکی سمت پلٹی تھی۔ لیکن اسے زوریز کے لمبے چوڑے وجود پر صرف سرسری نظر ہی نصیب ہوئی تھی۔ کیونکہ عالیہ کا نام سکرین پر جگمگاتا دیکھ کر پہلی ہی بیل پر فون اٹھاتا ہوا وہ اسکی طرف پیٹھ پھیر کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جس پر ارمینہ بھی نظریں جُھکا گئی تھی۔

"ہیلو۔۔۔!!"

ارمینہ کی موجودگی کا خیال رکھتے ہوئے۔۔۔ زوریز نے بھاری آواز میں تلخی سے کہا۔

"زو۔۔۔ زوریز تم ایسا کیسے کر سکتے ہو میرے ساتھ۔۔۔؟؟ میں امریکہ واپس نہیں جاؤں گی۔ تمھیں، تمھاری اس نام نہاد بیوی کے پاس تنہا چھوڑ کر تو ہر گز نہیں جاؤنگی۔ اگر گئی بھی تو تمھارے ساتھ جاؤں گی۔۔۔ کیونکہ میں تمھارے ساتھ آئی تھی، تمہیں ساتھ لے کر ہی جاؤں گی۔"

فون کی دوسری جانب گونجتی عالیہ کی درد بھری آواز سن کر اسنے ایک سرد آہ بھری اور دل ہی دل میں ربّ کا شکر کیا۔۔۔ کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔۔۔۔ ابھی تک اسنے خود کو کچھ کیا نہیں۔ عالیہ نے لفظوں کو بمشکل ادا کر کے اپنی بات مکمل کی تھی، اسکا لہجہ اس بار التجائیہ تھا۔ عالیہ کی سسکیاں وہ اس جانب خاموشی سے سن رہا تھا۔

"ان سب باتوں کا اب کیا فائدہ۔۔۔؟؟ تمہیں جانا ہے مطلب ہر حال میں جانا ہو گا۔"

وہ جواباً دوٹوک اور مضبوط لہجہ اختیار کرتے ہوئے دھیمی آواز میں سختی بولا۔

"لیکن زوزیر یہ سب میں نے تمھار۔۔۔"

"ٹیک کیئر۔۔۔"

اسکی بات کاٹتے ہوئے۔۔۔ اُسنے غصیلے انداز میں عالیہ کو خیال رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے بلا تاخیر فون بند کر دیا۔

"زوریز لسن ٹو می زو۔۔۔"

عالیہ نے فون کان سے ہٹا کر سکرین کو دیکھا تو اُسکے غصّے اور آنسوؤں کی شدت مزید بڑھ گی۔

"زوریز۔۔۔"

اُسکے نام کو لمبا کھینچتے ہوئے عالیہ نے بُری طرح چیختے ہوئے فون کو قدرے بے رحمی سے زمین پر زور سے دے مارا جو پل میں بُری طرح ٹوٹ کر پُرزا پُرزا ہوتا زمین پر پھیل گیا۔ وُہ ایک دم آپے سے باہر بلند آواز میں تڑپتے ہوئے چیخنے لگی، اُسکی آنکھیں لال ہو رہی تھیں جبکہ آنسوؤں کا سیلاب اپنی شدت اختیار کر رہا تھا۔

اِدھر زوریز کی آنکھوں میں بھی نمی چمکی تھی جو شاید آنسو بن کر بہہ بھی جاتی۔۔۔ مگر اسنے بروقت خود کو سنبھال لیا تھا۔ جیسے ہی وہ پلٹا ارمینہ اسکی طرف پہلے سے ہی دیکھ رہی تھی۔ عجیب بات تھی اسے ارمینہ کی موجودگی غصّہ نہیں دلا رہی تھی۔ حیرانگی کی بات یہ بھی تھی کہ ارمینہ کو دیکھ کر وہ لمحے میں سب کچھ یہاں تک کہ عالیہ کو بھی کچھ دیر کے لئے بُھول چکا تھا۔

خوبصورتی کے علاوہ بھی ارمینہ کی ذات میں کوئی تو بات تھی جو زوریز کو اپنی طرف مائل کر رہی تھی۔ کچھ تو تھا جو زوریز کی نگاہیں اُس پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ اُسکے یک ٹک دیکھنے پر ارمینہ کو یکدم شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔ جسے زوریز بھی محسوس کر تا سراسیمہ ہوا تھا۔ تبھی وہ قمیض کی آستین اوپر کرتے ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھتا ہوا رنجیدگی سے بولا۔

"سلجھی ہوئی، خوش اخلاق، سمجھ دار گھر داری اچھے سے کرنے کے ساتھ ساتھ جو اچھی خاصی کاروباری صلاحیت بھی رکھتی ہو ایسی بہو لانے کے ابا جان ہمیشہ سے خواہشمند تھے۔ وہ جو گھر کے ساتھ ساتھ انکے بد سلیقہ و لاپرواہ بیٹے کو بھی اچھی طرح سے سنبھال سکتی ہو۔ پھر انہیں اس لڑکی کے گھر اور گھر والوں سے کچھ

فرق نہیں پڑتا کہ وُہ کیسے ہیں، کیا ہیں، کس گھرانے، کس خاندان سے تعلق جڑا ہے اُنکا۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سوائے ذات کے۔۔۔ حیثیت سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا نہیں۔"

آئینے کے سامنے کھڑے دائیں ہاتھ سے گھڑی اتارتے ہوئے اُسنے اپنے پیچھے کھڑے وجود کو دیکھا۔۔ اور دانستہ طور پر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ پھر آرام سے آکر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"سر۔۔ میرا مطلب انکل نے بتایا مجھے۔۔۔ آپکی غلطی نہیں تھی۔ بلکہ ہمارے رشتے کی بنیاد ہی غلط فہمی پر ہوئی۔ میری حیثیت نہ سہی مگر میرا آپ سے جو رشتہ ہے اب، وُہ ہمسری کا ہے۔ زبردستی ہی سہی مگر میں اب آپکے وجود سے جڑ چکی ہوں۔"

ارمینہ نے سر جھکا کر انتہائی تحمل مزاجی سے اپنے رشتے کا یقین دلانا چاہا جو زوریز کو متاثر کر گیا تھا۔ تبھی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اُسکے مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔

میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ رشتہ میرے لیے صرف بوجھ اور زبردستی کا تعلق ہے۔ بلکہ تم اب میری عزت ہو۔ تمہیں تمہارا ہر جائز حق ملے گا۔۔ مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔۔۔

عالیہ کا خیال ذہن میں آتے ہی بات کو ادھورا چھوڑتے اُسنے سائیڈ ٹیبل پر پڑا جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ کچھ لمحے اُنکے درمیان خاموشی حائل رہی۔ پانی پینے کے بعد گلاس کا کنارہ لبوں سے ہٹاتے ایک نظر دوبارہ اسنے ارمینہ کے وجود پر ڈالی جس کے چہرے کے تاثرات بات مکمل سُننے کی بے تابی ظاہر کر رہے تھے۔

"اگر جگہ خالی ہو تو زیادہ دیر تک وہ جگہ خالی نہیں رہتی۔ اور اگر خالی نہ ہو تو۔۔۔ بہتر ہے کہ خالی کرنے کے بجائے جگہ بنائی کی کوشش کی جائے۔۔ پھر چاہے وہ کسی کے دل میں ہو یا گھر میں۔۔ اکثر زندگی میں جگہ خالی کرنے سے انسان اندر سے خالی اور کھوکھلا ہو جاتا ہے۔۔ کیونکہ وہ سب پا کر بھی خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ بجائے جگہ خالی کرنے کے۔۔ تم کوشش کرنا۔۔۔ جگہ بنائے کی۔۔۔ میرے گھر، میرے دل، میری زندگی میں۔ اور ایک بات اور کہ ہمیشہ میرے سائے کی ہمراہی میں مجھ سے دو قدم پیچھے رہ کر چلنا۔ میرے تعاقب میں نہ سہی کیونکہ یہ بات تم بھی جانتی ہی ہو نگی کہ وہ عورت جو مرد کو نیچا دکھانے کے لیے آگے بڑھتی ہے دل سے اتر جاتی ہے۔"

زوریز کا بات کرنے کا طریقہ مؤدبانہ جبکہ انداز دوٹوک تھا۔

"جی سمجھ گئی میں۔۔!!"

دوسری سمت دیکھتے ارمینہ نے جواباً شائستگی سے کہا تھا کہ زوریز شاہ نے اُسکی آنکھوں میں تیرتی نمی بخوبی دیکھ لی تھی۔

زوریز نے اسے سمجھایا نہیں گھوما پھرا کے بتایا تھا۔۔۔ کہ اسکے دل میں پہلے سے ہی کسی اور نے محبت کا محل کھڑا کر رکھا ہے۔ جسے وہ خالی کرنے کی بجائے اُسی میں اپنے لیے جگہ بنائے کی کوشش کرے تو اسکے بہتر ہے۔

ارمینہ کو ان باتوں کی بالکل بھی توقع نہیں تھی جو وہ کر گزرا تھا۔ سمجھنا تھوڑا مشکل تھا شاید وہ سمجھ جاتی لیکن ابھی تو اسے کُچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔

~°°Two Months Later°°~

ارمینہ واقعی ہی اپنے نام کی ایک تھی۔۔۔ محبتیں بانٹنے والی، سمیٹنے والی، نرم دل، کم گو اور سلجھی ہوئی، اُسکے خوبصورت معصومیت سے بھرپور چہرے کو دیکھتے ہی پیار اُمڈ آتا تھا تو ایسے میں کیسے ممکن تھا کہ زوریز ارمینہ سے دور بھاگنے کی ناکام کوششیں کرتا یا پھر ارمینہ سے اسے محبت نہ ہوتی۔ واقعی میں وہ اپنی ذات میں لاجواب تھی جو اِن دو مہینوں اور کچھ دنوں میں بہت کچھ بدل چکی تھی۔ اس نے زوریز کے دل جس پر صرف عالیہ کا راج تھا، جس میں کسی کی بھی محبت کی گنجائش تک باقی نہیں تھی، اُسنے اس کے دل میں آخر اپنے لئے جگہ بنا ہی لی تھی، محبت جگا ہی لی تھی۔ کہہ سکتے ہیں کہ اُسنے زوریز کو پورے کا پورا اپنا بنا لیا تھا۔ جبکہ اُس پر کسی اور کا حق بھی ہے یہ جانتے ہوئے بھی زوریز سارے کا سارا اُسکا بن چکا تھا۔ اور جسکا تھا اُسے زوریز پچھلے دو مہینوں سے ارمینہ کی محبت کے حصار میں بھولے بیٹھا تھا۔

نکاح لفظ ہی ایسا ہے جو دو روحوں کو محبت کی ڈور سے باندھتا ہے تبھی تو اللہ تعالیٰ نے اِس پاک اور بابرکت رشتے کے زریعے میاں بیوی کے بندھن کو مضبوط بناتے ہوئے انکے درمیان پیار کے جزبات کو فوقیت دی۔

جاناں میرے پاس میرے سوا کچھ بھی نہیں
بیٹھا ہُوں تُجھ پے اپنا مقدر ہار کے

♡♡♡♡

باب نمبر 3

ان دنوں خاور صاحبِ بھی انہیں چھوڑ کر اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ جانے والوں کو کون روک سکتا ہے۔ کیونکہ جو دنیا میں آتا ہے ایک نہ ایک دن اسے دنیا سے جانا بھی ضرور ہوتا ہے۔ یعنی اسے موت کا ذائقہ تو چکھنا پڑھتا ہے۔ ارمینہ چھوٹی سی عمر میں ہی اپنوں سے جدائی کے غم اور تکلیف کو چھپانا اچھے سے جانتی تھی۔ تبھی تو وہ زوریز کو مضبوط رہنے کی تاکید اور تسلی دے رہی تھی۔ اور تو اور افسوس کے لئے لوگ آ جا رہے تھے جنہیں وہ باخوبی ہاجرہ کے ساتھ مل کر سنبھال بھی رہی تھی۔

خاور صاحب کی موت کا کہیں نہ کہیں وہ خود کو بھی ذمے دار ٹھہرا رہی تھی۔یعنی وہ اپنے آپکو منہوس سمجھنے لگ گئی تھی۔۔لیکن یہ بات وہ کسی پر بھی عیاں نہیں کر سکتی تھی۔۔خاص طور پر زوریز کو تو بلکل بھی کچھ نہیں بتا سکتی تھی وہ۔

گاڑی تیزی سے آکر حویلی کے سامنے رکی، بڑی حویلی جو اپنی مثال آپ تھی، اپنی شان اور قیمت کا منہ بولتا ثبوت بھی خود تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہی جب اس نے اپنا مرمریں پاؤں باہر رکھا تو زوریز کو اندازہ ہو گیا کہ انداز کس کا ہے، تبھی تو اسکی دھڑکنیں اُسکے سینے میں رُک سی گئیں۔

روبینہ اور حیدر علی بھی عالیہ کو نظروں کے سامنے غیر متوقع طور پر پا کر دنگ رہ گئے تھے۔ جبکہ اسکے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ بکھری تھی۔چہرے کے تاثرات صاف بتا رہے تھے کہ وہ کسی مقصد سے آئی ہے۔جبکہ اسے دیکھ کر جہاں زوریز کی ہوائیاں اُڑنی چاہئے تھیں وہ اتنا ہی مطمئن کھڑا تھا۔۔مگر کیوں۔۔۔؟؟

شاید وہ اس آفت سے نپٹنے کے لئے پہلے ہی سے بخوبی تیار تھا۔جو وہ اُسے اپنے سامنے دیکھ کر بھی پُر سکون مگر ناگواری سے کھڑا اپنی طرف آتا دیکھ رہا تھا۔

وُہ زخمی شیرنی کیطرح ایک ادا سے چلتی ہوئی اُسکے قریب آکر ٹھہری اور رسًا مسکراتے ہوئے مقابل کھڑے سوالیہ انداز میں بولی۔

"کیسے ہو۔۔۔؟؟؟"

سوال بالکل سادہ تھا لیکن پھر کیوں زوریز شاہ کی سفید رنگت دہک کر انگارہ ہونے لگ گئی تھی۔۔۔ساتھ ہی ماضی کی کچھ تلخیاں فلم کے کسی سین کی طرح اُسکی آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگ گئیں۔ آنکھیں نمکین پانی سے بھر آئیں اور دل میں دبے جذبات ایک بار پھر سے اُمڈ آئے، مگر وہ خود کو سنبھالنا جانتا تھا۔

کیونکہ جہاں سوال عالیہ کا تھا، وہاں بات ارمینہ کی بھی تھی۔ غلطی ارمینہ کی نہیں، بیوقوفی عالیہ کی خود کی ہوئی تھی۔تو اس لحاظ سے ارمینہ تو بالکل بھی حصے دار نہ ہوئی کسی بھی قسم کی سزا کی۔اسی لیے زوریز اسکا محافظ بنے اسے ہر تکلیف سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

عالیہ کی آواز ارمینہ کے سماعت سے ٹکراتے تو اسنے سوالیہ نظروں سے اُنکی سمت دیکھتے عالیہ کے بدن کا جائزہ لیا۔

"کیسا ہو سکتا ہوں۔۔!!"

جوابًا سوال کے بدلے سوال کرتے زبردستی ہی سہی مسکراہٹ اسکے لبوں کو چھو کر گزری۔

"جس کا باپ چھوڑ کر چلا جائے وہ کیسا ہو سکتا ہے...؟؟"

زوریز کے شانے پر تھپکی دیتے روہانسا ہوئے حیدر نے بلاآخر خاموشی توڑتے عالیہ سے سوال کیا تھا۔

وہ ارمینہ کے سامنے بات سنبھالنے کی کوشش اور زوریز کو خوابی کیفیت سے نکلنا چاہ رہا تھا۔

تبھی روبینہ نے عالیہ کے آگے ہاتھ بڑھاتے باہمت مشکل سے اسکی خیریت پوچھی اور ارمینہ کو پکارتے ہوئے خود کی طرف متوجہ کیا۔

"ارمینہ یہ ہماری فرینڈ عالیہ، اور ایلی یہ مسز شاہ۔۔۔"

روبینہ نے اٹھلا کر تعارف کا مرحلہ نبھایا۔

"السلام وعلیکم۔۔!!"

ارمینہ نے نرم گوئی سے عالیہ پر سلامتی بھیجی جس کا دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"ہاجرہ بی انہیں گیسٹ روم دکھائیے اور خیال رہے کسی بھی طرح کی کوئی بھی پریشانی نہ ہو انہیں۔"

زوریز نے ملازمہ ہاجرہ بی کو جو پچھلے تیئس سالوں سے انکے گھر میں ملازمت کرتی آ رہی تھیں، جو بااعتماد انکے گھر کی ایک فرد سمجھی جاتی تھی۔۔۔ انہیں نرم لہجے میں تحکمانہ انداز میں عالیہ کی خاصی مہمان نوازی کرنے کا کہا۔

"جی بہتر شاہ جی۔۔۔!!"

ہاجرہ نے مؤدبانہ انداز میں حکم کی پابندی کرتے احتراماً عالیہ کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے ساتھ چلنے کا کہا۔

عالیہ کی خونخوار نگاہوں نے ارمینہ کے چہرے پر قیام کیا ہوا تھا جبکہ اسکا دماغ پوری طرح معاؤف ہو چکا تھا۔ جس بدولت وہ ہاجرہ بی کا اشارہ سمجھ نہیں سکی اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔

ہاجرہ بی کی آواز پر عالیہ اسکی طرف متوجہ ہوئی کیونکہ ہاجرہ بی نے پھر سے مگر اس بار ہاتھ اُسکے سامنے ہلا کر اسکی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تھی۔

"یہ ایسے کیوں دیکھ رہی تھیں مجھے۔۔؟؟"

ارمینہ کی سوالیہ نظروں نے عالیہ کے وجود کا دور تک پیچھا کرتے ہوئے زوریز سے سوال کیا۔

" کی۔۔۔ کیا کون۔۔۔؟؟"

"وہ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی تھیں۔؟؟"

زوریز نے قدرے چونک کر ہڑبڑاتے ہوئے پوچھا تو ارمینہ نے سنجیدگی سے اپنا کیا گیا سوال پھر سے دہرایا۔

"آپ سے پہلی دفعہ ملی ہیں شاید اسلئے۔۔۔!!"

زوزیر نے جواباً تاسف و خفگی سے کہا۔

"عجیب بات ہے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ ویسے کون ہیں وہ۔۔۔؟؟"

حیدر اور روبینہ کی جانب تشویشی نگاہیں گھوما کر ارمینہ نے بڑی دلچسپی سے دوبارہ پھر سوال کیا۔

"بھابھی وہ عالیہ ضیا ہماری دوست ہیں۔۔ اور ایک بہت ہی اچھی بزنس پارٹنر بھی۔ اسپیشلی امریکہ سے پاکستان انکل کی تعزیت کے لئے آئی ہیں۔ تھکاوٹ کی وجہ سے تھوڑا ایسے کر رہی تھیں ورنہ دل کی بہت اچھی ہیں وہ۔"

حیدر نے بڑی سمجھداری اور خاصی مہارت سے جھوٹ بولتے ہوئے زوریز کی جگہ فوراً جواب دیا۔

وہ اپنی نم آنکھوں سے گیسٹ روم کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کمرے کی ہر چیز نظر کو خیرہ کر رہی تھی۔ نیلے بڑے صوفے پر وہ ہاتھ پھیرتی ہوئی دیوار پر لگی پینٹنگ کے سامنے آکر ٹھہر گئی۔ شاید وہ پینٹنگ کی گہرائی میں جا کر بنی ہوئی تصویر کی خاصیت سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، جو کچھ اسطرح بنی تھی۔

کہ۔۔۔ ایک لڑکی کا پورے کا پورا بدن آگ میں سلگ رہا تھا۔ جبکہ دایاں بازو ہاتھ سمیت جو خون کی لپیٹ میں مگر آگ سے محفوظ تھا جبکہ دوسرا ہاتھ اس کے سینے پر تھا، اسکا چہرہ اوپر کو اُٹھا ہوا۔۔۔ نظریں سفید کبوتر پر مرکوز تھیں۔۔۔ جسکے پر آگ میں جل رہے تھے۔۔۔ مگر تب بھی وہ انسانی دل اپنے کھردرے پیروں میں جکڑے بمشکل اڑان بھرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

زوریز کے قدموں کی آہٹ سے اسکا طلسم ٹوٹا۔ فوراً بجلی کی تیزی سے پلٹ کر اُس نے دروازے کی سمت دیکھا جہاں زوریز شاہ کھڑا تھا۔

"اگر اُسے پتا ہوتا کہ میں کون ہوں تب بھی وہ مجھے سلام کرتی کیا۔۔؟؟"

سینے پر ہاتھ باندھ کر عالیہ نے خلافِ قیاس دروازے میں کھڑے شخص سے سوال کیا اور اپنی تپش بھری نگاہیں اسکے زرد چہرے پر مرکوز کر لیں۔

"انسانیت کے ناطے وہ تب بھی تم پر سلامتی ضرور بھیجتی۔۔۔!!"

کُچھ لمحے خاموشی کے بعد زوریز پر اعتماد لہجے میں ارمینہ کی حمایت میں بے اختیار بول پڑا تو بیزاری و ناگواری کے ملے جلے تاثرات عالیہ کے چہرے پر اُبھر آئے۔

گویا عالیہ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی سور بھی پھونکتا تو ارمینہ کی حمایت اپنے دشمنِ جان کے منہ سے سننے سے بہتر تھا۔

"اور اگر ایک انسان کسی دوسرے انسان سے اُس تیسرے انسان کو چھین لے جو اسکے لیے متاعِ جاں ہو تو کیا تب بھی اِنسانیت کے ناطے ایسے انسان پر واپس سلامتی بھیجنی چاہیے جس نے آپکی جان لے لی ہو۔۔۔ اور آپکو سلامت ہی نہ چھوڑا ہو۔۔؟؟"

جارہانہ نظروں سے زوریز کو گھورتے ہوئے عالیہ سلگتے ہوئے کاٹ دار لہجے میں اُسے جتاتے ہوئے بولی تھی۔ تو وہ اپنی جگہ مجسمہ بنا کچھ دیر عالیہ کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے کافی دیر سوچتا رہا۔

"وُہ ابھی، اِدھر، اِس گھر میں میری جگہ کیا کر رہی ہے؟"

عالیہ نے قدم اُسکی جانب بڑھاتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"بیوی ہے اب وُہ میری۔
اُور یہ عنایت تمھاری ہی کی ہوئی ہے۔"

زوریز نے اُسے اُسکا رویہ لوٹاتے ہوئے اپنے اور اُسکے درمیان چند قدموں کے فاصلہ کو ختم کیا اور بظاہر پُر سکونی سے جواباً کہا۔

"میں نے یہ کیا کس لئے تھا؟ تمھارے اور اپنے لیے، ہمارے رشتے کے لیے نہ، مگر تُم۔۔۔، تمھارا فیصلہ سراسر حماقت اور جلد بازی کا تھا۔ وُہ مر نہیں جاتی اگر تُم نے اس پر عنایت نہ کی ہوتی تو۔۔۔۔،،

عالیہ کے لہجے میں نہ صرف جھنجلاہٹ، تاسف اور حقارت تھی بلکہ طنز بھی چھپا ہوا تھا۔

"جو بھی ہوا، تُم نے ہمارے رشتے کے لئے، خود کے لئے کیا، یا جان بوجھ کر کیا۔ تمھاری وجہ سے کسی کی عزت ریزہ ریزہ ہو گئی تھی، کانچ کی طرح ٹوٹ کے بکھر چکی تھی۔ تو تُم ہی بتاؤ کیا کرتا میں؟"

زوریز نے کمزوری صفائی دیتے ہوئے آخر پر سوال کیا۔

"تو اِس کا مطلب ہر گز یہ نہیں تھا کہ تُم اُسے اپنی عزت بنا لیتے۔ اُور میں، میری محبت، میری عزت کا کیا۔۔؟؟ ہاں۔۔؟ میں بھی تو تمھاری ہی عزت ہوں، شاید یہ بھول گئے تھے تم۔ تبھی تو میری بڑی عزت افزائی کر کے تم نے مجھے امریکہ بھیج دیا تھا۔"

عالیہ نے ذرا بلند لیکِن اپنائیت بھرے لہجے میں جوابِ شکوہ کیا۔

زوریز کی طرف خاموشی سے دیکھتے ہوئے وُہ دوبارہ بولی۔

"سمجھ گئی میں۔ تُم مُجھ سے مُحبت ہی نہیں کرتے تبھی تو پلٹ کر ایک دفعہ دیکھنے تک نہیں آئے مُجھے۔۔۔

کہ کہاں ہوں، کیسی ہوں، کس حال میں ہوں، زندہ ہوں بھی یا نہیں، تمھارے بنا کیسے جی رہی ہُوں۔ اُنگلیوں پر کاٹ کاٹ کر ایک ایک دن تمھارے بغیر کیسے گزارا ہے میں نے۔۔ صرف میں ہی جانتی ہوں۔۔ ہر زور تمھارے اِنتظار میں دروازے پر نظریں جمائے کِتنی راتیں کاٹی ہیں اندازہ ہے تمھیں۔۔

اور کِتنی دفعہ میں نے خود کو جھوٹے دلاسے دے کر سنبھالا، کِتنی بار یہ کہہ کر دِل بہلایا ہے کہ تم ضرور آؤ گے۔ تُم ضرور آؤ گے۔۔۔

کیونکہ مجھے مبہم اُمید تھی کہ شاید تم لوٹ آؤ گے۔

لیکِن مجھے، میری اُمیدوں کو تُم آہستہ آہستہ دِن بادِن توڑتے رہے، کمزور کرتے رہے اور پلٹ کر ایک بار نہیں آئے تُم۔۔۔

کیوں نہیں واپس لوٹ کر آئے تُم۔۔۔۔ کیوں نہیں آئے بتاؤ مجھے۔۔۔؟؟

ایک بار تو آتے مُجھے دیکھنے۔۔۔ صرف ایک بار۔۔۔ میں سوچتی تھی میرے بلانے یا کہنے پر تُم نہیں آتے تو کوئی بات نہیں میرا خیال تُمھیں خود با خود میرے پاس کھینچ لائے گا۔

لیکِن میرے خیال سے تُمھیں میرا خیال تک نہیں آتا تھا۔۔۔

تبھی تو ان دو مہینوں میں کوئی خیر خبر نہیں لی تُم نے میری۔۔۔۔"

عالیہ کو اپنی بے بسی پر جی بھر کے رونا آ رہا تھا۔۔ کہ اُسنے سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیاں بمشکل اپنی بات مُکمل کی۔

وُہ لب بستہ کھڑا بڑے اطمینان سے اُسے سُن رہا تھا، کہ اب اُس کا دل موم ہو گیا۔ اور عالیہ کے لیے اُسے ہمدردی محسوس ہُوئی جو فطرتاً بُری نہیں تھی نہ ہی دل میں میل رکھنے والی عورت تھی، تھوڑی مغرور ضرور تھی اُور زوریز کے معاملے میں پوزیسو بھی۔۔

"میں تُم سے دُور رہ کر بھی تمھیں بھول نہیں سکتا۔ تمھارا خیال اپنے ذِہن سے نکال نہیں سکتا تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں تُم سے مُحبت نہیں کرتا، پیار نہیں کرتا، تُم سے دُور ہو کر بھی تمھاری خواہشات ہر جائز ضروریات پوری کرتا رہا ہوں۔ میں اپنے فرض سے کبھی بھی بھاگا نہیں، غافل نہیں رہا اور نہ ہی تمھیں کبھی بھول سکا۔ تُم خود ہی بتاؤ تمھاری کوئی ایسی ضرورت یا کمی۔۔۔ جو میں نے پوری نہ کی ہو۔۔۔؟؟"

زوریز نے اُسے شانوں سے تھام کر اپنائیت کا احساس دلاتے ہوئے اپنی محبت کا یقین دلانا چاہا اور آخری جُملے میں اُس سے سوال کرتے ہوئے اُسے بولنے کا موقع دیا۔۔۔ جِس سے عالیہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ جبکہ وُہ ہنوز منتظر نگاہوں سے حیران کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

"ضرورت یا کمی جو تُم نے کبھی پوری نہ کی ہو۔۔۔؟؟"

وُہ اُسی کا کیا ہوا سوال دوہراتے ہوئے اُسکی قمیض کا کالر ٹھیک کرتے ہوئے بڑی ادا سے اور طنز بھرے لہجے میں بولی۔

پھر کُچھ لمحے خاموشی کے بعد اُسکے سینے پر اُنگلی رکھ کر ذرا قریب ہوئی اور رازدارانہ لہجے میں بولی۔

"مسٹر زوریز احمد شاہ!!۔۔۔ مجھے تمھاری ضرورت تھی، ایک تمھاری ہی کمی تھی جب مجھے پتہ لگا کہ۔۔۔:-

"i am expecting"

تب میرے ساتھ ساتھ ہمارے بچے کو بھی تمھاری ضرورت تھی۔"

زوریز کو اپنی سماعت پر شک ہوا۔مارے حیرانگی کے زوریز سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ جیسے کسی نے اُسکے الفاظ سلب کر لیے ہوں۔

یہ ایک فطری جزبہ تھا کہ باپ بننے کی خبر سُن کر اُسے واقعی بے حد خوشی ہوئی۔ جسے وُہ الفاظ میں بیاں نہیں کر سکتا تھا۔

"اتنی بڑی خوشی کی خبر۔۔۔ تُم نے۔۔۔ تُم نے مُجھے بتایا کیوں نہیں۔۔۔؟؟ بتانا چاہیے تھا نہ! ایلی۔۔۔ ایلی میں تمھیں بتا نہیں سکتا تُم نے مُجھے آج کتنی بڑی خوشی دی ہے!!۔۔۔"

وُہ گفتگو میں پہلی بار مُسکرایا تھا اور عالیہ کے نرم و نازک مرمریں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے ملائمت بھرے لہجے میں شکوہ کرتا ہوا خوشی کا اظہار کر گیا تھا۔

اور لمحے بھر کے لیے سب کُچھ بھول کر خود کو ہواؤں میں محسوس کرنے لگا تھا۔

"مم۔۔۔ما۔۔۔مالک۔۔۔مالک شش۔۔۔شاہ جی۔۔۔!!"

تبھی ہاجرہ بی ہڑبڑاتی پریشانی کے عالم میں بے تکلفی سے سیدھا کمرے میں آن ٹپکی تھیں۔ اُنہیں پریشان دیکھ کر زوریز نے فوراً وجہ طلب کی۔

"شاہ جی ارمینہ بیگم۔۔۔"

"کیا ہوا ارمینہ کو ہاجرہ بی؟"

ہاجرہ کے پریشانی میں ارمینہ کا نام لیتے وُہ سوال کیے بنا رہ نہ سکا۔

"وُہ ہوش نہیں کر رہیں، اچانک بے ہوش ہو گئی ہیں۔"

ہاجرہ بی کا جملہ مُکمل کرنے کی دیر تھی کہ وُہ ارمینہ کی فکر میں بجلی کی تیزی سے کمرے سے باہر نکلا اور ہاجرہ بی اُسکی پیروی کرتے اُسکے پیچھے بھاگیں۔ جبکہ عالیہ مجسمے کی طرح ساکت اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو کُچھ لمحے پہلے زوریز کے ہاتھوں کی گرفت میں تھے۔

"اس گھومتی زمین کا محور ہی توڑ دو
بے کار گردشوں پہ خفا ہو رہے ہو کیوں"

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے مسٹر شاہ آپکو جلد ہی ڈیسیشن لینا ہوگا، پہلے ہی چار مہینے گُزر چکے ہیں۔ آپکی بیوی کی پریگننسی کِتنی کمپلیکیٹڈ ہے۔ ہم آپکو بتا چکے ہیں۔ ایسے کرنا ماں اور بچے دونوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر صاحبہ نے آگاہانہ لہجے میں زوریز کو ارمینہ کے پریگننسی کیس میں آنے والی پیچیدگیوں کے متعلق سمجھنا چاہا۔

وُہ پریشانی کے تاثرات چہرے پر سجائے خاموشی سے ڈاکٹر کو سُنتا رہا مگر کُچھ نہیں بولا۔

"دیکھیں وُہ ماں ہے، اُنکے لیے بہت مُشکِل ہو گا سمجھنا۔۔۔ مگر سمجھنا تو انہیں پڑے گا۔ آپ سمجھائیں اُنہیں کہ بچے کی جان کے بدلے اُنکی خود کی جان کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ میں۔۔، آپ۔۔، ہم سب اُنکی ممتا کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن اُنہیں بھی چاہیئے کہ وُہ ہمارے ساتھ کو آپریٹ کریں ورنہ ہو سکتا کہ ماں بچے دونوں کی جان نہ بچا سکیں ہم۔"

زوریز کی خاموشی اور بے بسی کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحبہ دوٹوک لہجے میں اُسے وارننگ دیتے ہوئے پیپرز اُسکی جانب بڑھائے اور شائستگی سے سائن کرنے کا کہا۔

زوریز آنکھیں موندے گردن گرائے سر پکڑ کر بیڈ پر پریشان بیٹھا تھا کہ ارمینہ کی آواز پر گویا ہوا۔

وُہ اُسکے مردانہ مضبوط ہاتھوں کو اپنے نرم و ملائم دودھیا نازک ہاتھوں میں پکڑے اُسکے ہمراہ آ کے بیٹھ گئی۔

"مجھے اپنے بچے کو ہر حال میں بچانا ہے زوریز۔۔ پلیز ہمارے بچے کو میری منحوسیت کا شکار مت ہونے دیں۔"

ارمینہ نے بھرائی ہوئی آواز میں اُس سے التجاء کی۔ زوریز بات کے بیچ اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوا۔

"اتنی سی بات ہے۔۔ تمھارے دِماغ میں کیوں نہیں بیٹھ رہی کہ تمھاری جان بھی جا سکتی ہے۔"

زوریز کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ ارمینہ کے آنسو زیادہ دیر آنکھوں کی قید میں نہ رہ سکے۔ یہ دیکھ کر زوریز کی آنکھوں میں نمی آ گئی، اس کے بگڑے تیور اب نرم پڑ رہے تھے۔

"کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟ خود کو منحوس بول رہی ہو، نہیں ہو تم ایسی، تُم تو میری زندگی ہو، تمھارے بغیر میرا سانس لینا مُشکِل ہے۔ پھر تُمہارے بنا میں بچے کو کیسے سنبھالوں گا۔ نہیں رہ سکوں گا۔۔ تمھارے بنا میں۔۔ نہیں سنبھال سکوں گا اِس بچے کو۔۔ تُم سمجھو پلیز، تمہیں میرا خیال نہیں؟"

زوریز نے اُسکی آنسوؤں سے تر آنکھوں میں جھانکتے ہوئے آخر پر سوال کیا جس سے اُسکے آنسوؤں کی شدت کُچھ اور بڑھ گئی۔

"زوریز میرے اِس دنیا میں آنے سے پہلے ماں چلی گی، پاپا بھی اُنکے غم میں مجھے تنہا چھوڑ گے۔۔ چاچو کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا۔۔ ساتھ کھڑا ہونے والا لیکن وُہ بھی ساتھ چھوڑ کر اکیلا کر گئے مجھے۔ پھر ایسے ہی انکل کا بھی کُچھ پتا نہیں کب کیسے اُنکا ایکسیڈینٹ ہوا اور وُہ بھی۔۔۔"

ارمینہ سے اب الفاظ ادا نہیں ہو پا رہے تھے مگر وُہ اپنی بات مُکمل کرنا چاہتی تھی۔ زوریز اُسکو خاموش کروانا چاہتا تھا۔۔ مگر اُسکی ہمت ساتھ نہیں دے رہی تھی، شاید وُہ چاہتا تھا کہ اُسکے اندر کا غبار نکل کر باہر آئے تاکہ اُسکا دل ہلکا ہو سکے۔

"آپ جانتے ہیں کبھی کبھی مجھے خود سے خوف آتا ہے اور بہت زیادہ آتا ہے۔۔ بہت زیادہ۔۔"

زوریز نے اُسے تسّلی دینے کے لیے اپنا ہاتھ اب اُسکے ہاتھ کی پشت پر رکھا تھا۔۔ جس سے ارمینہ کا ضبط ٹوٹ گیا اور آنسوؤں کی سیلاب میں بہہ گیا۔

وُہ زوریز کے ہاتھ کو اپنی آنکھوں میں دیتے ہوئے۔۔۔ تڑپ کر بُری طرح سے رونے لگی۔

زوریز نے اب اپنا ایک بازو اُسکے گرد حائل کر لیا اور دوسرا کندھے پر پھیلا لیا۔۔۔ جِس سے ارمینہ کو نہ صرف تسلی ملی بلکہ رونے کے لیے اُسکا کندھا بھی میسر ہوا۔

"آپ کے ساتھ ہوتے ہوئے، بے خوف ہو کر میں ہر ڈر کا سامنا بڑی ہمت سے آسانی کے ساتھ کر سکتی ہوں۔ نجانے آپ میری کس نیکی کا صلہ ہیں جو اللہ نے مُجھے آپ سے جوڑ دیا۔ اپنی جان دے کر مُجھے میری ماں نے دُنیا میں لا کر میری جان بخشی تھی۔۔ اگر مجھے بھی ایسا کرنا پڑے میرے بچے کے لئے تو کروں گی، فرق بس اتنا ہو گا کہ میرے بچے کی قسمت میرے جیسی نہیں ہو گی۔۔۔ کیونکہ اُسکے ساتھ آپکا نام جُڑے گا، آپ اُسکے باپ ہوں گے۔"

ارمینہ کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ صاف کرتے ہوئے زوریز نے دھیرے سے مُسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے ساتھ ہونے کی تسلی دی۔

اطراف میں مکمل خاموشی کا راج تھا اور وُہ رات کے اِس پہر اپنے کمرے میں اندھیرا کر کے کھڑکی کے پاس افسردہ بیٹھا تھا۔

مگر چاند کی ہلکی نیلی روشنی کمرے کے در و دیوار اور کھڑکی کو پھلانگتی اندر داخل ہوتی ہوئی کمرے کو مُکمل تاریکی میں ڈوبنے سے بچا رہی تھی۔

ہال میں لگے وال کلاک کی ٹک ٹک کی آواز پورے گھر میں اپنا واحد اثر چھوڑے اِس بات کی یقین دہانی کروا رہی تھی کہ گھر میں موجود باقی سب سو چکے ہیں۔۔۔

اِدھر اُسکے کانپتے ہوئے ہاتھ سامنے میز پر پڑی کسی کی آدھ جلی تصویر کو چھونے کی کوشش میں تھے۔

لیکن وُہ تصویر تھی کس کی اتنی کم روشنی میں اندازہ لگانا ذرا مُشکِل تھا۔

مگر بغور دیکھنے پر با آسانی پتا چل رہا تھا کہ وُہ تصویر کس کی ہے۔۔۔

آخر کار کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُسنے تصویر کو ہاتھوں میں لیا تھا اور پھر کاغذ کے اُس موٹے ٹکڑے پر نزاکت سے اُنگلیاں پھیرتے ہوئے اب اُس نے عالیہ کے احساس کو محسوس کیا تھا۔

تبھی اُسکی سہمی ہوئی آنکھیں ندامت سے بھریں اور چہرے پر اذیت کے رنگ ابھر آئے تھے۔۔

"کیوں کیا تُم نے میرے ساتھ ایسا ایلی۔۔۔۔؟؟"

نچلا لب کاٹتے ہوئے اُسنے رندھی ہوئی آواز۔۔۔ ہارے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔۔

اور پھر فوراً تصویر کو اُلٹا کر میز پر دوبارہ اُسی جگہ رکھ دیا اور جیب سے سگریٹ نکالی۔ سگریٹ کا لمبا کش لیتے ہوئے اُس نے اب ارمینہ کی فریم میں سجی خوبصورت فوٹو پہ ایک نگاہ ڈالی جو اسنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔

باب نمبر 4

سگریٹ سے نکلتے دھویں کے مرغولے عجیب وغریب اشکال بناتے ہوئے کمرے میں محورقص تھے۔ اُور اُنکی سوچوں کا محور اُنکا ماضی تھا۔

زوریز اپنی نظریں جو ہر طرح کے سوال سے خالی اور بالکل خُشک تھیں، اب ہلکی ہلکی نمی اور سوالات سے بھر رہی تھیں۔ وہ آپریشن تھیٹر کے دروازے پر نظریں مرکوز کیے پریشانی میں اِدھر سے اُدھر مضطربانہ انداز میں ٹہل کر رہا تھا۔ اتفاقاً عالیہ کو بھی نو مہینوں کا وقت پورا کرنے کے بعد اِسی ہاسپٹل میں لایا گیا تھا۔۔۔

مگر ارمینہ کو وقت سے پہلے حالت بگڑنے پر ساتویں ماہ ایمرجنسی میں ہاسپٹل لایا گیا تھا۔

ڈاکٹرز نے اُسکی بگڑی حالت دیکھ کر فوراً آپریشن کرنے کا ارادہ کیا۔۔۔ مگر اُس سے پہلے زوریز کو فیصلہ کرنا تھا۔۔۔ ماں یا بچے۔۔ میں سے کِسی ایک کو چُننا تھا۔ ایسا کرنا اُسکے لیے کس قدر مُشکِل تھا شاید دوسرا کوئی تصوّر تک نہیں کر سکتا تھا۔ مُحبت یا اُولاد۔۔ ان دونوں نعمتوں میں اُس نے کِسی ایک کو چُننّا تھا۔

مگر کس کو۔۔؟ یہ سوچنا بھی اُسکے لئے محال ہو رہا تھا۔

--°°خیال°°--

مُجھے اپنے بچے کو ہر حال میں بچانا ہے زوریز۔۔!!"

پلیز ہمارے بچے کو میری منہوسیت کا شکار مت ہونے دیں۔"

پل کو ارمینہ کی باتوں نے زوریز کے ذہن میں جگہ لی تھی جِس کو جھٹک کر اُس نے بنا سوچے سمجھے ارمینہ کو بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ڈاکٹرز کا بھی یہی مشورہ تھا کہ ماں کو بچایا جائے کیونکہ اِنسان کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور آج جس قدر سائنس نے ترقی کی ہے شاید وُہ پھر سے اولاد جیسی نعمت سے نوازے جاتے لیکن اگر ارمینہ کی سانسیں تھمتی تو شاید اُسکی زندگی میں سیاہ رنگ کے علاوہ کوئی اُور رنگ باقی نہیں رہتا۔۔

اُسکی زندگی میں ابھی بھی عالیہ تھی اور زوریز نے ارمینہ اور عالیہ میں کبھی کِسی قسم کا کوئی فرق آج تک نہیں کیا تھا، دونوں کو ایک جیسا پیار ایک جتنا وقت، توجہ اور ایک جیسی آسائشیں فراہم کی ہوئی تھیں۔کوئی کمی نہیں رہنے دی اُس نے اُنکے حقوق پورے کرنے میں، تمام فرائض اچھے سے انجام دیئے۔بس عالیہ سے جو اُسکا رشتہ تھا وُہ ارمینہ سے چُھپا ہوا تھا۔اور عالیہ بھی اپنے بچے اور زوریز کی خاطر خاموش تھی۔

اور زوریز سے اِس بات پر اکثر خفا بھی رہتی تھی۔لیکِن مُحبت ہے ہی ایسی چیز جو اِنسان کو یا تو صابر بنا دیتی ہے یا حاسد۔۔۔

زوریز کے پیار اُور اولاد کی خاطر عالیہ نے بھی صبر کرنا سیکھ لیا تھا۔

لیکِن زوریز کی ایک نادانی اُنکی زندگیوں میں اب بھاری پڑنے والی تھی، اُنکے رشتے کھوکھلے اور تباہ کرنے والی تھی۔ایک بڑا طوفان اُن تینوں کی زندگی میں آنے والا تھا۔وُہ طوفان جو کہ شاید اب سب ختم کرنے والا تھا۔پُرانے اور مضبوط رشتوں کے ساتھ ساتھ یقین اور اعتماد کی جڑوں کو اُکھاڑ کر پھینک دینے والا تھا۔۔۔

ارمینہ کو اللہ نے بیٹے جیسی نعمت سے نوازا تھا مگر اُسکے نصیب کہاں اتنے اچھے تھے کہ اُسے یہ نعمت نصیب ہوتی۔اُسکے بیٹے نے دُنیا میں آنے سے پہلے ہی دم توڑ دیا تھا۔وہ فزیکلی اتنا ویک تھا کہ چاہ کر بھی اُسے بچایا نہیں جا سکتا تھا۔اِدھر عالیہ کو اللہ پاک نے اُسکے صبر اور آزمائش کے بدلے اپنی رحمت کے طورِ پر ایک چاند سی بیٹی سے نوازا تھا۔

زوریز کے لئے یہاں خوشی کی بات تھی وہاں غم کا سماں بھی تھا۔ وُہ روئے یا ہنسے اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ارمینہ کے آنسوئوں، التجاؤں اور باتوں نے اُسے جکڑ کر رکھا تھا۔ وُہ ہوش و حواس سے بیگانہ اپنی جگہ ساکت تھا۔ حیدر علی کا مضبوط ہاتھ اپنے کندھے پر محسوس کرتے اپنائیت کے احساس سے ایک ننھا آنسو ٹوٹ کر اُسکے گال پر لٹک گیا تھا۔

نرس نے سفید لحاف میں لپٹے ننھے سے بے جان وجود کو جیسے ہی عالیہ کو تھمایا تو ایک بھاری آواز اُسکی سماعت سے ٹکرائی۔

"سوری مسز شاہ ہم آپکے بچے کو نہیں بچا سکے"۔

"Now he is no more"

آخری جملہ ڈاکٹر نے زوریز کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیشہ ورانہ انداز میں افسوس سے کہا۔۔۔ اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ نرس بھی ڈاکٹر کی پیروی کرتے ہوئے اُسکے قدموں کے نشان پر اُسکے پیچھے کمرے سے باہر چلی گئی۔

عالیہ اپنی جگہ ساکن نو مولود کے بے جان وجود کو حسرت بھری نگاہوں سے تکتی جا رہی تھی۔

لحاف کو ہٹایا تو ننھی ننھی آنکھوں والا شہزادہ آنکھیں موندھے ہمیشہ کے لیے سو چُکا تھا۔

پھِر اس نے نظریں زوریز کی سمت اُٹھائیں جیسے اس وجود کے متعلق سوال گو ہو۔

زوریز کے جھکے کندھے اور سر دیکھ کر اسے جواب مِل تو گیا تھا لیکن حقیقت کُچھ اور تھی۔۔۔ جو کئی سوالوں کی دیوار کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔

عالیہ نے اس معصوم کی جانب جھکتے ہوئے اُسکو دیکھا۔۔۔ تو پیار سے اپنا ہاتھ اسکی نرم گرم روئی مانند گالوں کو لگایا۔

"تمھارے جیسا ہے بالکل، تمھاری خوشبو بستی ہے اس میں۔"

عالیہ نے اپنے ہونٹ اسکے ماتھے سے لگائے۔

آنکھوں سے آنسو چھلکتے ہوئے بہہ نکلے اور وُہ اسکے ننھے چھوٹے نرم ہاتھوں کو اپنے لبوں سے لگاتے گھٹی آواز میں بولی۔

زوریز لب بستہ اُداس کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔

"بے بی۔۔!!"

نومولود کے معصومیت سے بھرپور چہرے پر شفقت سے اُنگلیاں پھیرتے ہوئے۔۔ہمت باندھے بمشکل آنسوؤں کو ضبط کرتے عالیہ نے اب بچے کو کپکپاتی آواز میں پُکارا تھا۔

"ایلی ہمارا بچہ تمھاری پُکار نہیں سُن سکتا۔"

زوریز کو اُسکی بے بسی اور ایسی حالت پر ترس تو آرہا تھا بہت۔۔۔مگر آنکھوں میں ندامت یا آواز میں کسی طرح کی کوئی لرزش اور لہجے میں کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

کیسا شخص تھا وُہ جو اتنا بڑا گناہ سرزد کرنے کے باوجود بھی شرمسار نہیں تھا۔

بلکہ۔۔۔۔جِسکا گناہگار تھا۔

اُسی کے سامنے کھڑا اصلیت کا جھوٹا آئینہ اُسے دیکھانے کی کوشش کررہا تھا۔

جبکہ عالیہ خود بھی اس جھوٹ کو تسلیم کرنے سے انکاری تھی۔

کُچھ بھی ہو زوریز کو اب ہر حال میں اپنی زُبان پر قابو رکھنا تھا۔۔۔

کِسی بھی طرح عالیہ پر اُسے یہ راز عیاں نہیں ہونے دینا تھا۔۔کہ۔۔۔جسے وُہ اپنا بچا سمجھ رہی ہے وہ اسکا بچہ۔۔۔اُسکا خون نہیں ہے۔

"یہ کک۔۔کی۔۔کِکیا۔۔کیا۔۔۔کیا۔۔کہہ رر۔۔رہ۔۔رہے ہو تُم۔۔۔؟؟"

زوریز کے ایک جُملے نے عالیہ کی سماعت پر جو بم پھوڑا تھا اُس سے وُہ سسکیوں اُور ہچکیوں کے درمیان بمشکل ایک مختصر سا جُملہ ہی مُکمل کرپائی تھی۔

"میرا بچہ مُجھے سُن رہا ہے۔ اُس نے بچے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اب کی بار اُسے زور سے ہلایا۔

"ایلی۔۔"

زوزیر نے قریب آکر اُسے غمگین انداز میں پُکارا۔

"شّششّش۔۔۔چُپ کرو، سمجھ گئی میں۔۔ میرا بچہ سو رہا ہے، سو رہا میرا بچا۔"

عالیہ نے پھر تیلے تاثرات چہرے پر سجائے ہاتھ کے اشارے سے اُسے خاموش رہنے کا کہا۔ پھر کُچھ لمحے لرزتی پلکوں کو اٹھاتی جھکاتی وُہ اُسے دُھندلی نگاہوں سے دیکھتی رہی اور اگلے ہی لمحے پاگلوں کی طرح نومولود کو چُومنے لگ گئی۔

"ایلی۔۔۔ ہمارا بچہ رب کی امانت تھا۔ اگر اللہؐ نے ہمیں دے کر اُسے لے لیا واپس تو ضرور اس میں اُس ذات کی کوئی مصلحت چُھپی ہو گی۔۔۔"

کاش صبر کرنا اتنا آسان ہوتا کہ ایک انسان کے کہنے سے کر لیا جاتا اور کہنے والے اِنسان کو بھی صبر آ جاتا۔

◈◈◈◈◈

"بس، بس کرو زوزیر۔۔۔ میں نے کچھ دیر پہلے خود محسوس کیا تھا اپنے بچے کو وہ بالکل ٹھیک تھا۔ بالکل ٹھیک تھا وُہ۔"

وہ روہانسی ہوئی۔ دکھ سے نڈھال وہ رو رو کر اپنے بچے کے ٹھیک ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔

تمھارے ساتھ ہی تو آتی رہی ہوں میں۔۔۔ پورے نو ماہ مکمل چیک اپ کروانے کیلئے تب۔۔۔ تب تو کبھی ایسی کوئی کمپلیکشنز نہیں بتائی انہوں نے۔۔۔ تب تو ہر بار۔۔۔ ہر بار یہی کہتے تھے کہ آپکا بچہ ہیلتھی، فٹ اینڈ فائن ہے، اور تو اور گروتھ بھی صحیح کر رہا ہے۔

اسنے تڑپ کر یاد دہانی کروائی۔

"اب اچانک سے مجھے یہ کہا جا رہا ہے۔۔ کہ آپکا بچہ بریتھ نہیں کر رہا۔ بتاؤ ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔۔۔ کہ وہ نہیں رہا۔۔ اس دنیا میں۔۔۔۔؟؟؟ کیسے یقین کر لوں انکی بکواس پر۔۔۔؟؟ ہاں۔۔۔؟؟

اسنے سخت مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں سامنے کھڑے شخص سے پوچھا۔

جو کندھے جھکائے لب بستہ بجھے دل سے اسے سن رہا تھا۔

"جو بھی ہو۔۔۔ کہو انکو کہ ہر حال میں مجھے میرا بچہ، اُسکی سانسیں واپس لوٹائیں، ورنہ۔۔۔۔۔ چھوڑوں گی نہیں۔۔۔۔ انہیں میں، پولیس کیس کروں گی ان پر انکے۔۔۔۔ ہاسپٹل پر۔"

اب کی بار اُسنے متورم آنکھیں پھیلا کر دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

عالیہ کی سسکیاں اُسے ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل رہی تھیں۔ لیکن وہ انجام کا سوچ کر لب بھینچے چپ چاپ اسے تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

جہاں تک بات رہی اسے تسلی دینے کی تو جو دکھ دیتے ہیں وہ مرہم تھوڑی رکھا کرتے ہیں۔

یہ سب زوریز نے ہی تو کیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر کہ اسے یہ سب کرنے میں ذرا سی بھی مشکل محسوس نہیں ہوئی تھی۔

پیسہ جو انسان کو بے زبان اور اندھا بنا دیتا ہے۔ زوریز نے بھی بالکل ایسے ہی پیسے کے جادو سے ہسپتال کے ڈاکٹرز اور ملازمین کو گونگا بہرہ کر دیا تھا اور وہ ہو بھی گئے تھے۔ حیدر اور روبینہ اس گناہ میں برابر کے شریک تھے۔ وہ دونوں دوستی، رشتے داری اور باقی سب کی آنکھیں پیسے سے باندھ گئی تھیں اور وہ اندھے کر دیئے گئے تھے۔ خرید لیے گئے تھے۔۔۔۔۔

صحیح کہتے ہیں لوگ

""ذرا دام تو بدلو، یہاں ایمان بکتے ہیں۔

"جاؤ زوریز۔۔۔۔۔ کہو انہیں میرے بچے کو دیکھیں یہ رو کیوں نہیں رہا۔"

اب بار عالیہ نے چیخ کر کہا۔

کیونکہ بچے کا بے جان وجود اُسکے ہاتھوں میں ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔ جبکہ آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا اُسکی بے بسی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

"اُٹھو بیٹا، اُٹھ جاؤ، اُٹھ جاؤ بچا۔۔!! دیکھوں آپکی مما رو رہی ہیں۔ آپکے پاپا پہلے بہت دور چلے گئے مجھ سے۔۔ اب آپ نہیں جاؤ چھوڑ کر مجھے۔

آپ چلے جاؤ گے تو مما کس کے سہارے جئیں گی"

"اٹھوناں۔۔۔۔!!"

وُہ نومولود کو روتے ہوئے اُٹھنے کے واسطے ڈال رہی تھی۔ التجائیہ لہجے میں واپس آنے کی فریاد کر رہی تھی۔ منتیں کر رہی تھی کہ وہ اسے چھوڑ کر نہ جائے۔

اُسکے لہجے میں شفقت اور ممتا کی تڑپ تھی جب اُسنے ڈھاریں مارتے ہوئے بچے کو خود کے سینے سے لگایا تو اسکے اندر چھپے جزبات اور آواز میں موجود درد کسی لاوے کی طرح پھٹ کر بہہ نکلا تھا۔ جس سے زوریز کے دل کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے پگھلا دیا تھا۔

عالیہ کا ضبط ٹوٹتا دیکھ کر اگلے ہی پل زوریز نے اشک بار ہوتے بچے کے بے جان جسم سمیت اس سے لپٹ کر رونے لگا تھا۔

عالیہ کا اب سانس لینا محال ہو رہا تھا۔

"مصیبتیں، اذیتیں، اور محبتیں کبھی کم نہیں ہوتیں۔"

جبکہ عالیہ ضیاء اس وقت تینوں تکلیفوں سے گزر رہی تھی۔ وہ مینٹلی طور پر کافی ویک اور سخت ڈپریشن کا شکار ہو چکی تھی۔

ایسے میں سنگدل میں اتنی ملائمت اور تو بچی تھی کہ وہ ایک پل کو بھی عالیہ کو خود سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے عالیہ، ارمینہ کو اسنے ایک ساتھ ایک چھت تلے رکھنے کا فیصلہ کیا۔ جو ان دونوں کیلئے شاید ابھی ٹھیک نہ ہوتا۔ بروقت حیدر علی کے سمجھانے پر کہ ایسا کرنا فی الحال درست نہیں اور عالیہ کی مینٹل ہیلتھ کیلئے اچھا بھی نہیں۔۔۔ وہ سمجھ گیا۔ پھر عالیہ کے امریکہ واپس جانے کی فرمائش پر وہ ارمینہ سے بزنس کا بہانہ بنا کر عالیہ کے ساتھ جانے پر راضی ہو گیا۔

اِدھر ارمینہ اپنی گود میں پر سکونی سے سوتی ہوئی گڑیا کو ربّ کا معجزہ سمجھ رہی تھی۔ جبکہ وہ عالیہ کی ایک نشانی تھی۔ جسے چھوڑ کر وہ امریکہ آ چکی تھی۔

وہ پیچھے اپنا بہت ہی قیمتی کچھ چھوڑ آئی ہے۔ اسے اکثر یہ احساس محسوس ہوتا رہتا تھا۔ آہستہ آہستہ اب وہ زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی۔

باب نمبر 5

آج پورا ایک سال تین مہینے گُزر چکے تھے م زوریز کو عالیہ کے ساتھ امریکہ رہتے۔ اب وہ پاکستان واپس آنا چاہتا تھا۔ مگر عالیہ کو یہ ہرگز منظور نہیں تھا۔ جس وجہ سے انکی آپس میں اکثر ان بن ہو جایا کرتی تھی۔ آج بھی انکا اس بات پر معمولی سا جھگڑا ہوا تھا۔ جسے لے کر وہ پریشان بیٹھی ماضی کے حسین لمحات میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ لمحے جس میں زوریز اور وہ ایک ساتھ انتہائی خوش نظر آتے تھے۔ اچانک فون پر گھنٹی بجنے لگی۔

ٹن ٹن ٹن ٹنننننن۔۔۔۔

وہ خیالی دنیا سے نکل کر حقیقت میں لوٹی اور فون کی سمت دیکھا۔

فون کی سکرین پر روبی کا نام چمکتا نظر آیا تو زبردستی ہی سہی مگر اسکے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"ہیییییییلو ایلی۔۔۔۔۔، کیسی ہو۔۔؟"

ایلی نے جیسے ہی فون کان کو لگایا روبینہ نے ایک انداز سے اسے ہیلو کرتے اسکی خیریت معلوم کرنی چاہی۔

بس ٹھیک ہوں روبی۔۔!!"عالیہ نے اداسی سے جواب دیا۔"
"ایلی جو ہوا سو ہوا بھول جاؤ اسے اور زندگی میں آگے بڑھو۔۔۔،زندگی کے دن ایسے ہی گزرتے جائیں گے اور وقت کبھی لوٹ کر واپس نہیں آئے گا۔وقت ساتھ کے ساتھ چلنا سیکھو کیوں زندگی سانسوں کے ساتھ ہی تھمتی ہے۔پھر چاہے خوشی ہو یا غم۔۔یہ رواں دواں ہی رہتی ہے۔"

روبینہ نے عالیہ کی اُداس آواز سُنتے ہی اُسے دوستانہ مشورہ دے کر سمجھانا چاہا۔

مگر وہ بھی عالیہ تھی اتنی آسانی سے کہاں اسے سمجھ آتا تھا۔

"صحیح کہا،زندگی کے دن۔۔۔ نہیں۔۔۔ مشکل دن،مشکل ترین دن گزار رہی ہوں میں۔

کچھ نہیں ہے میری زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے پاس میرے،کوئی پاس ہو کر بھی ساتھ نہیں،نا کوئی غم،نا کوئی خوشی۔۔۔ ہر طرح سے خالی زندگی رواں دواں ہے۔بس وقت گزر رہا ہے۔وقت گزاری کر رہی ہوں میں تو اپنی زندگی سے روبی۔۔۔"

عالیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے اندھی ہو رہی تھی۔

وہ ٹوٹ چکی تھی اور اسکا انکشاف اپنی دوست سے کر رہی تھی۔روبینہ چاہتی تھی کہ وہ خاموش ہو جائے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسکا زخم کس قدر گہرا ہے۔اگر وہ عالیہ کے زخموں پر مرہم رکھتی تو اسکے آنسو بھی آنکھوں کی قید میں نہ رہ پاتے جس سے عالیہ کو تکلیف پہنچتی۔بہتر تھا وہ خاموش رہے اور اسکے دکھ سنے۔

"روبی۔۔۔ جانتی ہو انسان غم اور خوشی میں رہ لیتا ہے۔۔پر جب دونوں ہی زندگی میں نہیں ہوتے تو زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔میں چاہتی ہوں زندگی میں کچھ خاص ہو۔۔۔۔پر۔۔۔۔۔زندگی ہمیشہ مجھے اسی مقام پر لے آتی ہے۔یہاں صرف تنہائی اور میرے علاوہ تیسرا کوئی نہیں ہوتا۔

لیکن میں ہرگز سمجھوتا نہیں کروں گی کسی سے بھی جو میرا تھا میرا ہے میرا ہی رہے گا۔"

عالیہ کا لہجہ ابھی بھی نرم تھا۔۔۔ لیکِن آخری جُملے میں اُسکی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔

اُس نے روبینہ کو بولنے کا موقع دیے بغیر فون کان سے ہٹا کر اُسے گھورا کہ اسکے احمرین لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

ائیر پورٹ سے نکلتے ہی تیز ہوا کے جھونکوں نے اسکا استقبال کیا، اسکے ہونٹوں پر مخصوص قسم کی مُسکراہٹ ہمیشہ رہا کرتی تھی۔ جو آج بھی قائم تھی۔ آج پورے دو سال بعد وُہ پاکستان واپس آیا۔ وہ خوش تھا لیکن عالیہ کا سوچتے اُس نے ایک سرد سانس خارج کیا اور گاڑی کی طرف بڑھا۔۔ جس کے دروازے سے ٹیک لگائے حیدر کھڑا تھا۔

"السلام و علیکم کیسا ہے۔ یار۔۔۔!!"

حیدر نے دوستانہ انداز میں سوال کیا۔

"وعلیکم اسلام حیدر۔۔۔!! میں ٹھیک، تُم بتاؤ کیسے ہو باقی سب کیسے ہیں؟ ارمینہ، روبینہ، اور ہمارا شہزادہ حنظلہ، اُور میری بچی، میری پری 'نیہان' کیسی ہے۔۔؟"

نیہان کا پوچھتے ہی اُسکی آنکھوں میں نمی تیری تھی۔ جِسے وُہ سر جُھکا کر چُھپانا چاہ رہا تھا۔

گاڑی میں سامان رکھنے کے بعد زوریز گاڑی میں بیٹھا اور حیدر نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

"الحمدللہ سب ٹھیک ہیں، نیہان بھی۔ سب کو تمھارے آنے کا انتظار تھا خاص کر ارمینہ بھابھی کو۔"۔

"ارمینہ "

لبوں سے یہ نام ادا ہوتے ہی زوریز کے چہرے پر مُسکراہٹ آگئی۔

فون کی گھنٹی بجنے پر زوریز کے فون پر عالیہ کا نام چمکتا دیکھ کر حیدر نے فون ریسیو کیا تھا۔

"مجھے بنا بتائے اکیلا چھوڑ کر تُم پاکستان آ گئے۔"

"بریک لگاؤ ایلی، ابھی تو گھر بھی نہیں پہنچا بیچارہ۔"

حیدر کے فون اُٹھاتے عالیہ نے تنفر و برہمی سے بولنا شروع کر دیا۔۔حیدر نے درمیان میں ٹوکتے ہُوئے رُکنے کا کہا۔

"حیدر زوریز کو فون دو۔۔۔!!"
عالیہ نے تنقید کرتے ہوئے کہا۔

"ایلی۔۔۔"

حیدر نے ملائمت سے اُسے پُکارا۔

"حیدر میں نے کہا فون زوریز کو دو۔"
عالیہ نے چیختے ہوئے حکمیہ لہجے میں جُملہ دہرایا۔
اُسکی آواز اتنی بلند تھی کہ فون سے باہر با آسانی سنائی دے رہی تھی۔

"ہاں بولو۔۔۔۔!!"

زوریز نے حیدر کے کان سے فون کھینچ کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"آ گئے مجھے اکیلے چھوڑ کر اپنی فیملی کے پاس۔"

عالیہ نے سخت لہجے میں سوال کیا اُسکے لہجے میں جھنجھلاہٹ کے ساتھ طنز بھی تھا۔

"دیکھو ایلی۔۔جو رشتہ تمھارا میرے ساتھ ہے، وہی رشتہ میرے ساتھ ارمینہ کا بھی ہے۔"

زوریز کے لہجے میں ملائمت اور مُحبت تھی۔

"لیکن میں تمھاری محبت، پہلی بیوی ہُوں، میرا تُم پر زیادہ حق ہے۔ میں نے تُم سے وفا کی، تمھاری دُوسری بیوی کو کُچھ نہ بتا کر، میں نے وفا میں چپی اختیار کر کے، تمھاری بیوی بچے کی زندگیوں سے دُور جا کر، میں نے وفا کی "خود کو بُھول" کر اپنی "انا" بُھولا کر وفا کی تمھاری غلطیاں معاف کر کے۔ سمجھ جاؤ۔۔!! جو ہو میرے لئے صرفِ تُم ہو۔"

"پلیز میرا اور صبر مت آزماؤ، مت آزماؤ میری وفا کو۔"

عالیہ کی بارعب آواز میں شاید کبیدگی و تلخئ تھی۔

ایک دفعہ ٹوٹی تھی، بکھری نہیں مگر اب ٹوٹی تو بکھر جاوں گی۔""

وُہ مزید کُچھ کہتی زوریز نے فون کاٹ دیا۔ وُہ اُسکا حالِ دل نہیں جاننا چاہتا تھا کیونکہ وُہ اچھی طرح واقف تھا اُسکے درد سے لیکن وُہ اپنے دل کا کیا کر سکتا تھا جس پر اب صرف ارمینہ کا اختیار تھا۔

زوریز شاہ کی زندگی میں بڑھتی ارمینہ کی قدر وُہ کیسے کم کرتی کہ اُسکی اپنی جگہ بن پاتی۔ وُہ سر پکڑے فون بند ہونے کے بعد سوچ رہی تھی۔

"زوریز سب ٹھیک ہے..؟"

حیدر نے سوال کیا۔

"ہاں یار بس۔۔۔!!"

زوریز کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہنا چاہیئے۔

گاڑی شاندار حویلی کے سامنے رُکی خوبصورتی سے آراستہ حویلی ایک محل کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ گاڑی آتے دیکھ کر گارڈ نے بیرونی دروازہ کھول دیا۔ حیدر کے ہمراہ وُہ گاڑی سے نیچے اُترا۔

زوریز نے ستائش بھری نظروں سے حویلی کو دیکھا۔ سبھی ملازمین، حنظلہ، روبینہ سے مِلنے کے بعد اُسکی آنکھیں جو کِسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اُسکی نظریں بھٹک بھٹک کر ارمینہ کے کمرے کے دروازے کی طرف جائے جا رہی تھیں۔

"زوریز بھائی ارمینہ کمرے میں نیہان کے ساتھ ہے۔"

روبینہ نے اُسے بے چین دیکھتے ہوئے بتایا اور ارمینہ، نیہان کو ڈھونڈنے کی اُسکی تلاش ختم کی۔

وُہ کمرے میں آیا دونوں ماں بیٹی ایک ساتھ کھیلنے میں مشغول نہایت خوش اور بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ وُہ دونوں ہی کھیل میں اِس قدر مگن تھیں کہ اُنہیں زوریز کی موجودگی کا احساس تک محسوس نہ ہوا۔ جب وُہ قریب آیا تو اچانک بچی کی نظر اُس پر پڑھی، نیہان کی نظروں کے تعاقب میں ارمینہ نے زوریز کی سمت دیکھا۔

دو سال بعد آج وُہ اپنی بچی کے روبرو کھڑا اُسے اشک بار آنکھوں سے چُھو رہا تھا۔
آج پہلی بار اُسے نیہان کو جی بھر کر دیکھنا نصیب ہوا تھا۔

دو سال بعد آج وہ اپنی بچی کے سامنے شفقت بھری باہیں پھیلائے کھڑا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی بیٹی کو سینے سے لگا کر محسوس کرنا چاہتا تھا۔

جبکہ نیہان کے لیے اُسکا باپ سوائے ایک اجنبی سے بڑھ کر اور کُچھ نہیں تھا۔ جِس سے وُہ ڈر رہی تھی۔

وُہ اپنے پیارے، معصوم، ننھے چہرے پر خفگی کے تاثرات سجائے ارمینہ سے لپٹ کر خود کو اپنی ماں کے آنچل میں چُھپائے محفوظ محسوس کر رہی تھی۔

زوریز کو اس لمحے خود سے نفرت ہو رہی تھی۔ بد قسمتی تھی یہ اُسکی۔۔۔

کہ اُسکی اپنی بچی ہی اُسے پہچان نہیں رہی تھی۔

وُہ بچی جو اُسے جان سے بڑھ کر عزیز ہے وہی اُس سے ڈر رہی ہے، خوف کھا رہی ہے، ہیبت زدہ ہو رہی ہے اُس سے۔

تبھی زوریز نے حیرانگی سے ارمینہ کی سمت دیکھا۔ جو لب لبا آنکھوں سے سارا منظر خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

اُس پر کیا گزر رہی تھی شاید ارمینہ اچھے سے جانتی تھی۔ لیکن کُچھ کر نہیں سکتی تھی۔

زوریز نے کُچھ لمحے بعد ہی سہی وہاں سے جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

ارمینہ نے دو سالہ بچی کو فوراً بیڈ پر بیٹھا کر، یکلخت جاتے ہوئے زوریز کا پیچھے سے بازو پکڑ کر اسے جانے سے روکا تھا۔

جیسے ہی زوریز پلٹ کر اُسکی جانب مڑا ارمینہ نے بے ساختہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے آگلے ہی لمحے اُسکے چوڑے سینے سے لگ کر رونا شروع کر دیا۔

معصوم بچی خوف اور ڈر سے سہمی جو بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھی تھی۔

اب سوالیہ نظروں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

« » « » « » « »

ارمینہ نے زوریز کے سینے سے لگے ہوئے اشارۃً نیہان کو اپنے پاس آنے کا کہا تو اُسنے تیزی سے بیڈ سے اُتر کر قدم پیچھے کو لیے اور بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔
جِس کو دیکھ کر زوریز نے شرمسار ہو کر مایوسی سے سر جُھکا لیا۔

نجانے ایسا کیا ہوا تھا کہ اگلے ہی پل وُہ بچی جو ایک اجنبی سے ڈر رہی تھی اچانک زوریز کی ٹانگوں سے آکر لپٹ گئی۔

نیہان کے چہرے کے تاثرات، لبوں کی مُسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ یقیناً اُسے اپنے باپ کی شفقت، اپنائیت، چاہت اور مُحبت کا احساس ہو چُکا تھا۔

وُہ احساس جو اُسے زوریز سے دُور نہیں رکھ سکا۔

زوریز کے لئے یہ انتہائی خوشی کا لمحہ تھا۔ جب چاند سی ننھی نیہان اُس سے لپٹے بلا کی معصومیت سے اُسکی طرف مُسکرا کر دیکھ رہی۔

زوریز اُسے گود میں لیے بغیر رہ نہیں سکا۔

پھر اُسے گود میں اُٹھایا اور اُسکے نرم گال کو ہاتھ سے سہلاتے ہوئے پیشانی پر پیار کیا۔

زوریز کی باہوں کی گرماہٹ محسوس کرتے ہوئے نیہان پر سکونی سے آنکھیں موند لیں۔

اور کُچھ ہی لمحوں بعد نیہان کو نیند نے اپنے آغوش میں لے لیا تھا۔ اور وُہ گہری نیند سو چکی تھی۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

اِن گیارہ سالوں میں عالیہ اور زوریز کے رشتے میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئیں، اُنکا رشتہ انتہائی کھوکھلا اور نازُک بن چُکا تھا، کہہ سکتے ہیں کہ کاغذی رشتے کے علاوہ اُنکے درمیان کوئی تعلق باقی نہیں بچا تھا، چھوٹی سی آن بن پر اُنکا رشتہ ختم ہونے کا ننانوے فیصد خدشہ رہتا تھا۔

زوریز نے امریکہ آنا جانا بھی کم کر دیا تھا اُور تو اُور وہ فون پر بھی عالیہ سے بہت کم رابطہ رکھنے لگا، ایسے میں اُن کا رشتہ ایک جھٹکے کی مار تھا۔ زوریز کے ایسے سلوک کی وجہ عالیہ خود تھی جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر نہ صرف لڑتی جھگڑتی بلکہ سب تباہ کرنے کی اکثر دھمکیاں بھی دیتی تھی۔ اِس دوران زوریز نے کئی دفعہ ارمینہ کو ساری سچائی بتانا چاہی مگر ہر بار ناکام رہا۔ اِدھر عالیہ آنے والے وقت کے لیے خطرناک اِرادے باندھ رہی تھی۔

تب سے لے کر آج تک عالیہ ہر مُمکِن کوشش کر رہی تھی اُسے تکلیف پہنچانے کی، اُسے درد دینے کی۔

ارمینہ کی ذات سے جُڑے وُہ کسی ایسے سُوراخ کی تلاش میں تھی۔ جو قیامت کے آثار جیسا ہو۔

البتہ اُسے ہر گز یہ علم نہیں تھا کہ ارمینہ کے زریعے اُس پر جو پہاڑ ٹوٹنے والا تھا۔ وُہ کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔

وُہ ارمینہ کی شادی سے پہلے اور شادی کے بعد آج تک کی ساری، جتنی بھی معلومات ہیں سب جاننے کے اِرادے میں تھی۔

اُسے پاکستان آئے تین دِن گُزر گئے تھے۔ زوریز، حیدر علی، روبینہ کِسی کو کوئی علم نہیں تھا۔

تباہی اور بربادی کے چکر میں آج وُہ اُسی ہسپتال کے باہر کھڑی تھی جہاں وُہ اُولاد کی نعمت سے محروم ہوئی تھی۔

وُہ ڈاکٹر جس نے عالیہ کو اُسکے بچے کے دُنیا میں نہ رہنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ اُسکے مقابل بیٹھی اُسے خونخوار آنکھوں سے گھور رہی تھی۔

تبھی کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"یس کم اِن"

ڈاکٹر نے ذرا بلند آواز میں اندر آنے کی اجازت دی۔

"سر یہ مسز شاہ کی فائل۔"

نرس سے نیلے رنگ کی فائل ڈاکٹر کے آگے بڑھاتے ادب سے مختصر سا جُملہ ادا کیا۔ اور پھر ڈاکٹر کے کہنے پر وہاں سے چلے گئی۔

"دیکھیے مسز شاہ۔۔۔ یہ ہمارے ہسپتال کے اصولوں کے خلاف ہے کہ ہم آپکو کسی دوسرے کے کیس کے متعلق کسی بھی طرح کی کوئی جان کاری دیں۔۔۔"

اُسکی بات درمیان میں ہی رہ گئی جب عالیہ نے غصّے سے اُسکے مُنہ پر یکا یک پیسے مارے۔

"اب بھی نہیں بتاؤ گے۔"

عالیہ نے دانت بھینچتے ہوئے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"جی نہیں!! آپ اپنے بارے میں پوچھیۓ میں آپکو ضرور بتاؤں گا۔ لیکن کسی اور کیس کی معلومات آپ سے ہر گز شیئر نہیں کرونگا۔"

ڈاکٹر کے چہرے پر توہین کے تاثرات سے آگ بھڑک اُٹھی مگر اُس نے خود کا غصہ ضبط کیے بظاہر پُر سکونی سے جواباً کہا۔

"میرے بچے کو آپ لوگ بچا نہیں سکے۔ اُس ننھی جان نے دُنیا میں آتے ہی دم توڑ دیا۔ آتے ہی دُنیا میں وہ ہمیشہ کیلیئے میٹھی نیند سو گیا۔۔ اسکے علاوہ اور کیا خاص ہے میرے کیس میں۔ بتایئے جو میں آپ سے پوچھوں۔"

عالیہ نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر سخت لہجے میں سوال کیا۔

"آپکے کیس میں جو کمپلیکشنز تھیں ہمارے سینئرز مسٹر زوریز اور آپکو پہلے ہی بتا چکے تھے۔ ایسے میں آپکا بچنا مُمکن تھا اور آپ اپنے بچے کی بات کر رہی ہیں۔"

ڈاکٹر نے بلائے طاق تلخ لہجے میں طنزیہ کہا۔

"آپکا دِماغ درست تو ہے؟ کون سی کمپلیکشنز؟"

"اور ایسا کبھی کُچھ نہیں بتایا آپکے سینئرز نے مُجھے یا میرے ہنسبنڈ کو۔"

عالیہ نے غصّے میں بے اختیار بلند آواز سے کہا۔

"مُجھ پر چیخنے سے پہلے آپ فائل ریڈ کر لیں تو بہتر ہے۔ کیا پتہ اِن گیارہ سالوں میں شاید آپکو بھولنے کی بیماری لگ گئی ہو۔"

ڈاکٹر نے فائل عالیہ کے سامنے لہراتے ہوئے دوٹوک اور تضحیک اور حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

فائل پڑھنے کے بعد اُسکا غصّہ ساتویں آسمان پر تھا۔ چہرہ ایسے لال ہو گیا تھا جیسے سارے جسم کا خون اُسکے چہرے پر جمع ہو گیا ہو۔

"یہ ہاسپٹل ہے یا کوئی سرکس۔۔۔۔؟؟"

فائل زور سے نیچے پھینک کر اُسنے پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر کو گھور کر سوال کیا تھا۔ جو اپنی جگہ پر بیٹھا اُسے حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ میری نہیں زوریز شاہ کی دوسری بیوی ارمینہ کی فائل ہے اور میں عالیہ شاہ، اُسکی پہلی بیوی ہُوں۔۔۔"

"اتنی سی بات سمجھ نہیں آتی تُم لوگوں کو۔۔۔؟؟"

"اور اُسکی بیٹی ہوئی تھی۔۔۔۔بے وقوف کہیں کے۔۔۔۔نہ کہ بیٹا۔"

یہ سُن کر ڈاکٹر اپنی نشست چھوڑتے ہوئے اُسکی وحشت کے سامنے سراسیمہ سے ہونے لگا۔

"یہ فائل آپکی ہیں۔۔۔ جھوٹ بول کر آپ مُجھ سے سب پوچھ لیں گی تو یہ آپکی غلط فہمی ہے۔"

اُسنے گھبراتے ہوئے تحقیق و جستجو سے کہا کیونکہ اُسے عالیہ کے تاثرات حقیقی اور سچے لگ رہے تھے۔

"مس ارمینہ۔۔۔؟؟"

عالیہ کچھ کہتی وُہ پھر سے بولا۔

"نہیں ہوں میں ارمینہ، عالیہ ہوں (عالیہ ضیاء)۔"

"میرا بیٹا ہوا تھا بیٹا اور اُسکی بیٹی تھی۔"

"اگر آپ عالیہ شاہ ہیں تو۔۔۔"

اُس نے جُملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے عالیہ کی سمت حیرانگی سے دیکھا۔

"تو۔۔۔؟؟؟؟"

عالیہ نے تذبذب شکار ہوتے ہی تصدیق چاہی۔

"جی سر عالیہ میم گُزشتہ تین دِنوں سے پاکستان میں ہیں اُور انہوں نے دو گھنٹے پہلے آپکے اکاؤنٹ سے ڈیڑھ لاکھ روپے بھی نکلوائے ہیں۔"

سعد (آفس ڈیٹا مینیجر) نے زوریز کو عالیہ کے نہ صرف پاکستان ہونے بلکہ اُسکے اکاؤنٹ سے منی کی (بیگ اماؤنٹ) اِنکریس ہونے کی بھی اطلاع دی۔

"سعد اگلے پانچ منٹ میں مُجھے عالیہ کی لوکیشن بھیجو۔"

زوریز نے جزبز ہوتے تحکمانہ انداز میں اُسے کہا اور پریشانی میں فون بند کر دیا۔

۞۞۞۞۞

عالیہ کو وہاں دو پل رُکنا گوارہ نہ تھا۔ وُہ ہاسپٹل سے نکلی اور گاڑی سو کی رفتار سے چلاتے ہوئے حویلی پہنچی۔

آج وُہ اپنے انداز سے آئی تھی بغیر کسی کی پرواہ کیے، آخر اب اُسے پرواہ بھی کس کی تھی۔۔۔؟؟

جیسے ہی وُہ حال میں داخل ہوئی زوریز سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔

وُہ مکمل سیڑھیاں اُتر کر نیچے آیا۔

زوریز کی نظر عالیہ پر پڑتے ہی یکدم اُسکے قدم منجمد ہو گئے اور اُسے اپنی آنکھوں کی بصیرت پر شک ہونے لگا۔ عالیہ کو غیر متوقع طور پر خود کے سامنے دیکھ کر اُسکے چہرے پر حیرانگی اور ڈر کے مِلے جلے تاثرات اُمڈ آئے۔ جبکہ عالیہ کے تاثرات سے ایسا کُچھ واضح ہو رہا تھا جو اُسے پریشان کر گیا تھا۔

عالیہ کی نگاہیں زوریز پر ٹھہری تو ایکدم اُسکا دِل بھر آیا اور ذہن پر جیسے کوئی ہیجان طاری ہو گیا۔
وُہ ایکدَم چیخی اور چیختی چلی گئی تھی۔
اُسکی چیخیں سُن کر گھر کے تمام ملازمین بھی وہاں جمع ہو گئے۔

باب نمبر 6

قدرے چونکتے ہوئے ارمینہ بھی نیہان کے پاس ہاجرہ کو رُکنے کا کہہ کر بیٹھے دِل سے آوازوں کا تعاقب کرتے اُنکی سمت بھاگی۔
ہاجرہ نے سچویشن کو سمجھتے ہوئے نیہان کو باتوں میں اُلجھا لیا تھا۔

نیہان اب کانوں میں ہیڈ فونز لگا کر سونگز کا لطف اُٹھاتے دُنیا کے شور وغُل سے بیگانی پینٹنگ کرنے میں مگن ہو گئی تھی۔

اُسکی چیخوں سے زوریز کا طلسم ٹوٹا تبھی وُہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا لمحوں میں عالیہ کے روبرو آن کھڑا ہوا۔

اُسکے ایک اشارے سے تمام ملازمین واپس اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

"مت کہو کسی کو جانے کا، سب تماشائی ہیں۔۔۔ اُنہیں بھی ذرا دیکھنے دو تماشہ بربادی کا۔"

عالیہ نے ایک ہاتھ زوریز کے چوڑے سینے پر رکھ کر ہلکی آواز میں سرگوشی کرتے جلا دینے والے انداز میں کہا تھا۔ اس وقت اُسکی تکلیف عروج پر تھی اور اُسکے دِل میں اب زوریز کے لئے محبت کی جگہ نفرت کے جذبات آ چکے تھے۔

کیونکہ جو راز اُس سے سالوں چُھپایا گیا آج اُسکے سامنے فاش ہو چکا تھا۔

مگر زوریز اِس بات سے انجان اُسے سوالیہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ جبکہ وُہ بھی مقابل کھڑی اُسکو جل تھل آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُسکی آنکھوں میں ایسی تپشِ تھی جو اُسکی روح تک سلگا رہی تھی۔

وُہ اُسکا ہاتھ اپنے سینے سے ہٹا کر اُسکی کلائی سے پکڑے اُسے بمشکل ڈرائنگ روم تک کھینچتا ہوا لایا تھا۔

توہین کے احساسات سے عالیہ کے چہرے پر دہک کر انگارہ ہو گیا۔ اُسنے اپنی پوری قوت اور زور سے زوریز کی سخت گرفت سے اپنی کلائی کو ایک جھٹکے سے آزاد کرواتے خود سے دُور اُسے زوردار دھکا مارا تھا۔
"کیوں چیخ چلا رہی ہو، کیوں پاگلوں والی عجیب حرکتیں کر رہی ہو۔۔۔؟؟ تکلیف کیا ہے تمھیں۔۔؟؟ لینے کیا آئی ہو تم یہاں میرے گھر۔۔۔؟؟"
"اپنی بچے کے لیے آئی ہُوں میں۔۔۔ بھاڑ میں جاؤ اب تُم، کوئی پرواہ نہیں مجھے تمہاری، کوئی رشتہ باقی نہیں ہے ہمارا۔"
زوریز نے گہرا سانس بھرتے ہوئے ایک ہی بار میں کئی سوالات کیے تھے۔
بلکہ ابھی کر رہ تھا کہ تبھی عالیہ نے اُس ٹوکتے ہوئے سرد لہجے میں کسی ایک سوال کا جواب دیا تھا۔
جبکہ 'بچے' کے نام پر زوریز کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا اور دِل دھک سے رہ گیا تھا۔

"کیا قصور تھا میرا، یہی کہ میں نے تم سے بے پناہ محبت کی، وفا نبھائی، خاموش رہی۔"

اُس نے سوال کرتے خود جواب دیا اور جواب میں سوال کیا تھا۔ اُسکا لہجہ سنگین جبکہ آواز دھیمی تھی۔

"بولو۔۔۔ بولتے کیوں نہیں۔۔۔ بولو۔۔۔ وُہ حلق کے بل چیخی تھی۔ جب کہ وہ ششدر سا کھڑا اپنے سماعتوں پر شک کر رہا تھا۔

"کیا کُچھ نہیں کیا میں نے تمھارے لیے زوریز۔۔ کیا کُچھ نہیں کیا میں نے تمھارے لیے۔۔؟؟"

اُسنے روتے ہوئے سوال کیا۔

"تمھارے لئے میں نے اپنا گھر چھوڑا، ماں باپ، رشتے چھوڑے، اپنی پہچان، اپنا نام بدلا۔۔ ایلیاء سے عالیہ بن گئی، تمھارا مذہب اپنایا، عیسائیت چھوڑ کر مُسلمان ہو گئی، یہاں تک کہ تمھیں اُس دُوسری عورت کے ساتھ برداشت تک کرتی رہی۔"

وُہ اشک بار آنکھیں اُس پر مرکوز کیے دردِ پنہاں بتا رہی تھی۔ جبکہ وُہ ستم گر چہرے پر ملال، آنکھوں میں نمی، اُور سر، کندھے جُھکا کر تذبذب کا شکار ہو کر خاموشی سے اسے سُن رہا تھا۔

"میں نے اتنا کُچھ کیا تمھارے لیے۔۔۔ سوال یہ ہے کہ اِسکے بدلے تُم نے کیا کیا میرے لئے۔۔؟؟ چلو میں بتاتی ہوں۔۔۔ کہ کیا۔۔۔ کیا کُچھ کیا تم نے میرے ساتھ۔۔۔؟؟ تم نے مُجھے دُھوکہ دیا، درد دیا، دُکھ دیا، اذیتیں، تکلیفیں دیں، سچ چُھپایا، میرا اتنا سب کرنے کے بدلے تُم نے ہر خوشی مُجھ سے جُدا کر دی۔

مُجھے اُولاد سے محروم کر دیا، مُجھ سے میرا بچہ دور کر دیا، مجھے خود سے دور رکھ کر خود بھی بہت دور چلے گئے مجھ سے، تنہا اکیلے مُجھے انجان شہر چھوڑ آئے، اپنی زندگی میری ہی خوشیاں چھین کر سجائی اور مُجھے ہی اپنی زندگی سے دودھ میں گری مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔"

عالیہ سے اب الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔

زوریز اتنا سب سُننے کے بعد اِس قابل نہیں تھا کہ کُچھ کہہ سکے۔ اُسکی توانائی جیسے سلب ہو گی تھی۔

"ج۔۔۔ جب۔۔۔ جب میں کہتی رہی کہ میں نے اپنے بچہ کو محسوس کیا ہے وہ بِلکُل ٹھیک ہے جانتی ہُوں یہ بات وُہ زندہ ہے، وُہ ساتھ ہے میرے، نہیں گیا چھوڑ کر ہمیں۔۔۔ تب۔۔۔۔ تم مجھے جھوٹے دلاسے دیتے رہے، غلط دعوے کرتے رہے۔ تمھارا ضمیر مر گیا تھا جو ایسے کرتے وقت تمھارے ہاتھ نہیں کانپے، میرے خیال بھی نہیں آیا تمھیں۔۔؟؟ میری ممتا، مُحبت ذرا ترس نہیں آیا تمھیں مُجھ پر۔۔۔؟؟ کُچھ تُو رحم کرتے آخر کیا بگاڑا تھا میں نے تمھارا۔۔؟؟"

عالیہ نے تاسف بھری نظروں سے اُسے گھورا اور نخوت سے چیختے ہوئے کہا۔۔۔

"پھر کیوں۔۔۔کیوں کیا ایسا تُم نے۔۔۔؟؟"

وُہ ڈھاریں مار کر رو رہی تھی اور بلکتے ہوئے مقابل کھڑے شخص سے سوال کر رہی تھی۔

زوریز تڑپ اُٹھا اور اُسے سینے سے لگا کر معافی مانگے بنا رہ نہ سکا۔

"تم نے یہ سب اُس بعد میں آئی عورت کی خاطر کیا نہ، مُجھ سے مُحبت تھی ہی نہیں تمہیں کبھی۔"

عالیہ نے ہلکی آواز میں پھر سے سوال کیا۔

"ایلی۔۔۔ارمینہ کے پاس کُچھ نہیں تھا گنوانے کو اللہ نے اُسے اُمید سے نوازہ تو۔۔۔اُسکا بچہ۔۔۔اُسکا بچہ ہی اُسکی کُل کائنات تھا۔جو بچا ہی نہیں"

زوریز بولا بھی تو ارمینہ کا طرفداری اور حمایتی بن کر۔ابھی اُسے ارمینہ کی فکر تھی، اُسکا دُکھ تھا اُسکے آنسو صاف بتا رہے تھے۔

عالیہ کی ہمت اب جواب دے گئی اور صبر ٹوٹ گیا تھا۔ تبھی اُسکے چوڑے سینے پہ دونوں ہاتھوں کے مکے بناتے وُہ اسے خود سے دُور دھکا دیتی گنگ ہوتے ہوئے پھٹی آنکھوں سے زوریز کو گھورنے لگی۔

"ابھی بھی ارمینہ۔۔۔۔!!"

سر کو ہولے سے نفی میں جُنبشِ دیتے عالیہ نے تلخی سے ارمینہ کا نام لیا۔

"ارمینہ، ارمینہ، اااارررر ممیینہ۔۔۔۔

"بس کرو ارمینہ کی رٹ تنگ آ چکی میں اِس نام۔۔اس عورت سے۔

اُسکا لہجہ اتنا سفاک و سنگین تھا جبکہ چہرے کے تنے ہوئے عضلات اسکے قہر و غضب کے گواہ تھے۔

زوریز کے لب ایک بار پھر سے سل گئے تھے۔

"اُسکے پاس کُچھ نہیں تھا گنوانے کو۔۔۔؟؟ چلو سہی، لیکن میرے پاس تو سب تھا۔۔۔ سب تھا ہنہ۔۔۔ تبھی تو۔۔۔ تبھی تو سب گنوا دیا میں نے اپنا۔۔۔ ملال میں اپنی ہی خوشیوں کی حفاظت نہیں کر سکی۔ تبھی تو مُجھے اپنوں نے ہی لوٹ لیا، اور میں کُچھ بھی نہیں کر سکی اپنے لیے۔"

"لیکن تم تو میرے محافظ تھے ناں۔۔۔؟؟ تو پھر ایسے کیسے کر سکتے تھے تُم میرے ساتھ۔۔۔؟؟"

عالیہ کا چہرہ سُرخ اور آنکھوں میں آنسوں تھے۔

جبکہ زوریز کے دِل و دِماغ پر مجرمانہ بوجھ دھرا تھا۔ جبھی اُسنے عالیہ کو پُکارا، وُہ اور غضب ناک ہوئی۔

"بس۔۔۔!!! زوریز احمد شاہ بس۔۔۔۔۔!!!"

"ایلیاء تو اب ہر گز پیچھے نہیں ہٹے گی۔ کیونکہ جہاں بات اُسکی ہے، وہ برداشت کر لے گی۔۔۔ پر یہاں بات اب اُسکے بچے کی ہے۔۔۔"

اُس نے متواتر بولا۔

اچانک اُن دونوں کو اب کسی اور وجود کا بھی احساس ہوا۔ جِسے وُہ اپنے جذبات میں دھیان میں نہ لا سکے۔

ارمینہ کو صیح معنوں میں دھچکا لگا تھا۔ اُسکا دل اِس وقت مُختلف کیفیات کا شکار تھا۔ کیونکہ عالیہ اور زوریز کے درمیان ہونے والی وُہ ایک ایک بات سُن چکی تھی۔

اُس نے اِس بھیانک خوابی کیفیت سے باہر آنا چاہا مگر یہ حقیقت، ایک دردناک حقیقت تھی۔ جس کی دلدل میں وُہ دھنس کے رہ چکی تھی۔

"زوریز۔۔۔۔نی۔۔۔۔نی۔۔۔۔نیہا۔۔۔نیہا۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔میری بچی ہے۔۔۔۔۔میری بچی ہے وُہ۔۔۔۔ کُک۔۔۔۔ کون ہے یہ اور جھُ۔۔۔ جھُو۔۔۔۔ جھُو۔۔۔ جھوٹ۔۔۔۔وُہ میری۔۔۔ میری بچی۔۔۔۔ میری بچی ہے وُہ۔"

ارمینہ سے بے ربط الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ وُہ بے یقینی کی کیفیت میں بولی تھی۔

اُس کے ذہن میں ایک ہی بات سوار تھی کہ اُسکے سامنے کھڑی جنونی عورت نیہان کو اُس سے چھیننے آئی ہے۔۔۔

اور اُس سے بھی زیادہ حیرانگی اُسے زوریز پر ہو رہی تھی۔

وُہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ بظاہر اتنے اچھے اور سمجھدار اِنسان سے اتنی بڑی بیوقوفی کی توقع بھی کی جاسکتی ہے۔

وُہ جو کِسی کو اُسکی خوشیوں سے محروم کر کے خود اتنے اطمینان میں بڑے سکون سے خوش کیسے رہ سکتا ہے۔

"نیہان تمھاری نہیں میری بیٹی ہے،۔۔۔اُسے اپنا کہنا بند کرو۔"

وہ طیش میں آتے حلق کے بل چیخی۔

ارمینہ جو بے یقینی سے حقیقت جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔یہ الفاظ سنتے ہی وُہ ہذیانی کیفیت سے زوریز کو دیکھنے لگی۔

اُسکی خاموشی ارمینہ کی روح قبض کر رہی تھی۔
"بیوی ہُوں میں اِس کی اور نیہان میری ہی بچی ہے۔"
اُس نے سرکشی و تنفر سے سچ بتایا۔
"وہ میری بیٹی ہے۔"
ارمینہ نے چیختے ہوئے زوریز کی سمت دیکھ کر کہا۔
چیخنے چلاّنے سے سچائی نہیں بدل جائے گی۔
"سمجھ جاؤ یہ کہ وُہ تمھاری نہیں میری بیٹی ہے۔"
زوریز نے عالیہ کا بازو دبوچ کر خاموش رہنے تاکید کی۔جبکہ عالیہ کے لہجے کی سنگینی نے ارمینہ کے حواس سلب کر دیے تھے اور چہرہ بالکل فق کر ڈالا تھا۔اُسکی نگاہوں کے سامنے اب دس، گیارہ سالہ بچی (نیہان) کا چہرہ گردش لگا۔

"چھوڑو مُجھے۔۔۔میں اپنی بیٹی کو اِسکی منحوسیت کا شکار نہیں ہونے دوں گی۔پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کو کھا گئی، بچے کے پیدا ہوتے ہی اُسے نگل گئی۔اور تُم چاہتے ہو میں خاموش رہوں، کُچھ نہ بولوں۔ہٹاؤ اپنا ہاتھ اور ہٹو میرے راستے سے۔۔۔۔"

عالیہ نے زوریز کا ہاتھ اپنے بازو سے جھٹکے سے ہٹاتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولا۔

اس کی نظروں میں ایک عجیب سا تاثر تھا، زوریز کو اُس سے خوف آیا۔

ارمینہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں کہ ہر چیز دُھندلا گئی تھی۔ جسم پر کپکپاہٹ تاری ہو گئی۔ اُسے ایک وقت لگا تھا حقیقت تک پہنچتے اور اُسکی بے بسی اِس وقت اپنے عروج پر تھی۔ اُولاد سے جُدائی تکلیف کی انتہا ہوتی ہے۔۔۔ اور وہ اس وقت اس تکلیف کے انتہا پر تھی۔

زوریز کی آنکھوں میں بے تحاشا نمی تھی، اُسے سب ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے روح اُسکے تن سے جُدا ہو رہی ہے۔

"نیہان میری بیٹی، یہ وُہ خود بتائے گئی۔۔۔"

ارمینہ نے جل تھل آنکھوں سے عالیہ کو گھورتے ہوئے نا سمجھی کی کیفیت میں کہا۔

عالیہ نے جواباً اُسے سرد نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے جبڑے کسے۔

عالیہ سب حاصل کرنے کے بہت قریب تھی۔۔۔ مگر حاصل کر پاتی یہ ممکن نہیں تھا۔۔۔ کیونکہ طریقہ غلط تھا۔ وُہ حاصل نہیں بلکہ چھیننا جانتی تھی۔

ارمینہ لڑکھڑاتے قدموں سے پلٹی اور نیہان کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"ارمینہ، ارمینہ۔۔۔"

اسے پُکارتے زوریز اُسکی پیروی کرتا تیزی سے اُسکے پیچھے بھاگا۔ جبکہ یہ منظر آنکھوں کے سامنے دیکھ کر عالیہ کی آنکھوں میں وحشت و خباثت اور خون اُتر آیا تھا۔

"وہ میرا ہے اُس پر صرف میرا حق ہے ارمینہ۔"

وُہ زیرِلب کہتے اُنکے پیچھے کمرے سے باہر نکلتی پہلے زمین پر گرے اُس نے اپنے بیگ میں کسی چیز کو سختی سے ہاتھوں میں بھینچ لیا تھا۔

"زوریز میری ہمت کو مت آزماؤ کہا تھاناں۔۔۔"

زیرِلب ایک ایک لفظ پر زور دے کر چبا چبا کر اُس نے پھر سے ہلکی آواز میں کُچھ سرگوشی کی تھی۔

"ارمینہ۔۔۔ارمینہ۔۔۔۔دیکھو رُکو۔۔۔۔دیکھو۔۔۔۔ سمجھو وُہ تمھاری ہی بیٹی ہے۔۔ تمھاری بیٹی ہے۔۔۔نیہان ہماری بچی ہے۔۔۔ارمینہ۔۔کوئی نہیں چُرا سکتا اُسے تُم سے،وُہ تمھاری میری بیٹی ہے۔۔تو کون چھین سکتا ہے اسے تم سے،رکو ارمینہ۔۔۔۔"

"بات سنو میری۔۔۔۔"

جب عالیہ نے زوریز کو اُسے چھوڑ کر ارمینہ کے لئے فِکر مند،پریشان دیکھا،منتیں کرتے،تڑپتے تو اُسے خود میں کُچھ ادھورا سا لگا۔

زوریز کے لفظوں پر غور کرتے اُسے ایسا کہتے سُنا تو عالیہ کی ہمت جواب دے گئی اور برداشت ختم ہو گئی۔۔۔۔۔ تبھی عالیہ نے ریوالور نکال لیا اور سیدھا ارمینہ پر تان دیا تھا۔ارمینہ کو جو زوریز کی باتوں سے اُمید ملی وُہ سیڑھیوں کے تیسرے سٹیپ پر رُکی اور ایک اُمید سے زوریز کی طرف پلٹی ہی تھی کہ عالیہ نے ہاتھوں کو ریوالور کی جانب زور دیا اور ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔عالیہ اچھی نشانہ باز تو نہیں تھی لیکن بد قسمتی سے آج گولی نشانے پر لگی تھی۔

عالیہ نے گولی چلانے سے پہلے یہ تک نہیں سوچا کہ زوریز اُسکے سامنے کھڑا ہے گولی اُسے بھی لگ سکتی ہے مگر اُس نے بنا پرواہ کیے گولی چلا دی تھی۔

لیکن ارمینہ کے ریئکشن نے بروقت زوریز کو بائیں جانب دھکا دیا۔ گولی روریز کے بازو کو چھو کر زخمی کرتے آگے بڑھتی ہوئی سیدھا ارمینہ کے سینے میں پیوست ہوگئی۔

تبھی ارمینہ کا پاؤں مڑا اور گھٹی گھٹی چیخوں کے ساتھ وُہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے کسی سوکھے پتے کیطرح بل کھاتی سیڑھیوں سے ہوتی ہوئی زمین کی طرف آئی تھی۔

جبھی شیشے کا بڑا گلدان ٹیبل پر پڑا خوبصورت پھولوں سے سجا انتہائی دِلکش لگ رہا تھا جو ارمینہ کے آدھ مرے وجود سے ٹکراتے ہی کتنی کرچیوں میں بٹ گیا تھا۔

اور اُسکا سر زمین کے ساتھ بُری طرح ٹکرایا تھا۔

اِدھر ہاجرہ بی کے سماعت پر ایک بڑا دھماکا ہوا تھا۔ گویا ہاجرہ بی نے اپنا دل ہی تھام لیا۔

گولی کی آواز اِس قدر بلند تھی کہ نیہان نے ہیڈ فونز لگے اُسے محسوس کیا تھا جس وجہ سے اُسے ایکدم بُری طرح سے جھٹکا لگا تھا۔

تبھی دونوں کے چہرے کے تاثرات بدلے، رنگ زرد اور آنکھوں میں خوف اُمڈ آیا۔

گھبرائی ہوئیں دونوں بجلی کی تیزی سے دروازے کی جانب لپکیں۔

دوسری طرف گولی ارمینہ کو تکلیف سے دوہرا کر گئی تھی۔ جبکہ اسکے زخموں سے بہتا لہو زمین کو سرعت سے رنگنے لگا تھا۔

منہ کے بل وُہ کانچ کے گلدان پر گری تھی جس بدولت وُہ کئی دوسری چوٹوں کا بھی شکار ہوئی تھی۔

ہاجرہ بی اور نیہان کمرے سے باہر آئی تو پھولے سانس سے سامنے کا منظر جان لیوا تھا۔

ارمینہ ٹیبل کے پاس اوندھے مُنہ گری پڑی تھی۔

چہرہ آنسوؤں اور وجود خون سے گیلا تھا۔

زوریز جیسا ہمت والا مرد اپنی ہمت سے لڑ رہا تھا۔

بازو سے خون نکل رہا تھا۔

"مما۔۔۔"

نیہان چلائی تھی۔ماں کو پُکارتے وہ بھی تکلیفِ سے رو پڑی تھی۔

"مما۔۔۔"

یکدم آگے بڑھتی نیہان کے منہ سے دلخراش چیخ نکلی تھی۔ آخری چیز جو نیہان نے دیکھی تھی وہ ارمینہ کا خون آلودہ جسم تھا۔

نیہان کے اپنے جسم پر کپکپاہٹ طاری تھی۔ جبکہ آنکھیں بھیگی ہوئیں اور دل بے ساختہ دھڑک رہا تھا۔

اب اسکی برداشت اتنی ہی تھی وُہ کھڑی بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔

ڈر اور خوف میں مبتلا وہ گھبراہٹ کا شکار تھی۔

اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرہ چھا گیا اور وہیں بے ہوش ہو کے گرنے لگی تھی کہ بروقت ہاجرہ بی نے اُسے تھام لیا تھا۔

ارمینہ کا خون بہہ رہا تھا۔ ہونٹ نیلے ہو چکے تھے۔

چہرے پر پیلاہٹ تھی۔ سینے پر لگی گولی اُسکا صبر آزما رہی تھی۔

زوریز زمین پر بکھری کانچ کی کرچیوں کو اپنے بھاری جوتوں تلے کُچلتا ہوا تیزی سے اس کے پاس آیا۔

اور اُسکا سر اپنی گود میں رکھا۔وُہ جو بمشکل سانس لے رہی تھی اسکی سانسوں کی رفتار کافی مدھم تھی اور آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ پلکیں لرز رہی تھیں۔

"ارمینہ۔۔۔!!"

زوریز نے اُسے کندھوں سے تھاما، پھر سرعت سے اُسکے ہاتھ پاؤں کھولے جو خون میں لپٹے ہوئے تھے جبکہ اسکا اپنا بازو خود خون کی لپیٹ میں تھا۔

"ار۔۔ارمینہ۔۔۔یہاں دیکھو۔۔"

وُہ ارمینہ کے بھیگے گال صاف کرتے اُسے پُکار رہا تھا۔اسکے سفید کپڑے لال ہو چکے تھے۔وُہ اپنے ہاتھوں سے اُسکا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔

ارمینہ نے بھیگی آنکھیں زرا سی کھول کر اُسکی جانب دیکھا تو زوریز کا پریشان حال چہرہ اِسکی نظروں کے سامنے لہرایا تھا۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا۔۔؟؟"

اُسکی قمیض کا کالر اپنی کمزور گرفت میں جکڑتی وُہ بُری طرح روتے ہوئے بولی جبکہ زوریز شاہ اپنی جگہ پتھر کا ہو گیا تھا۔

تمھیں کوئی تکلیف نہ پہنچے صرف اِس لئے۔

اُسنے سر کو جُنبشِ دیتے جو ابا کانپتی آواز میں سرگوشی کی اور اگلے ہی پل تڑپ کر اُسے خود کے سینے سے لگایا تھا۔۔

"میں نے اُسے اور آپکو مُعاف کر دیا، آپ بھی مُعاف کر دینا خود کو اُسے اور می۔۔میر۔۔میری۔۔با۔۔۔ببّ۔۔بچی۔۔"

ارمینہ کی سانسیں اب اُسکا ساتھ نہیں دے رہی تھیں اور اُسنے تکلیفِ سے آنکھیں موندلی تھیں۔

زوریز کا دِل پل بھر میں ساکت ہوا تھا۔دھڑکن رُک سی گئی تھی۔چہرے پر موت کی سفیدی چھاگئی تھی۔

اُس نے وحشت زدہ نظروں سے اوپر کھڑی ہاجرہ بی کی طرف دیکھا تھا۔جن کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔

عالیہ نے یہ کیا کر دیا تھا۔۔؟؟

اُسکی تنہائی، انا، مُحبت میں مِلا درد، رشتوں کا چھوٹنا، صبر کا ٹوٹنا، اپنی پہچان کھونا، اُولاد سے بچھڑنا۔۔۔

اِن تمام وجوہات نے ہی اُسے سب کرنے پر مجبور کیا تھا، سب سے بڑھ کر زوریز کی اجنبیت نے۔۔۔

جو وُہ ایسا کرنا نہیں چاھتی تھی زبردستی اُس سے ہو گیا تھا۔ اُسکے ہاتھ کانپ رہے تھے اور برف کی مانند سرد ہو چُکے تھے۔ ریوالور ہاتھوں سے نکل کر اُسکے قدموں میں گرا جبھی وُہ اپنے حواسوں میں واپس لوٹی۔

ارمینہ کی سانسیں اُسکا ساتھ چھوڑ رہی تھیں۔

آنکھوں میں آنسو اور ہونٹ خُشک ہونے لگے تھے۔

تبھی زوریز نے دُوسرا ہاتھ بھی اُسکی کمر کے گرد حائل کیا اور مضبوطی سے اُسکے بے جان وجود کو اپنے حصار میں قید کر لیا۔

ارمینہ کی سانسیں تھم چکی تھیں۔
جبھی زوریز کے سینے سے لگا وجود سرد پڑ رہا تھا۔ آنسوؤں کا گولہ زوریز کے گلے میں پھنس چُکا تھا۔
ارمینہ کی تکلیف اِب ختم ہو چکی تھی۔ آنکھیں پُر سکونی سے بند تھیں اور ہونٹ مجامد تھے۔
روبینہ اور حیدر بھی حویلی پہنچ چکے تھے۔
ہاجرہ بی فون کر کے اُنہیں سارا مُعاملہ بتا چکی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے سوگ کا سماں دیکھا تو اُنکا دل دھک سے رہ گیا۔
خون میں لت پت ارمینہ کے بے جان وجود کا جائزہ لیتے اُنہوں نے عالیہ کی سمت دیکھا۔
"زوریز۔۔۔"

عالیہ نے اسے پُکارا۔

زوریز احمد شاہ نے عالیہ ضیاء کو ایک زناٹے دار تھپڑ چہرے پر رسید کیا تھا جو اُسے اُسکی جگہ منجمد کر گیا تھا۔

لیکِن سامنے کھڑی عورت پتا نہیں انتقام کے کس درجے پہ تھی۔۔

میں بھی بہت عجیب ہوں اتنا عجیب ہوں کہ بس
خود کو تباہ کر لیا اور ملال بھی نہیں

خیال

میں نے آپکو اور اُسے مُعاف کر دیا، آپ بھی مُعاف کر دینا خود کو، اُسکو بھی اور۔۔۔ می۔۔۔ میر۔۔۔۔ میری۔۔۔ با۔۔۔ بابّا۔۔۔ بچی۔۔۔

زوریز نے یہ خیال سوچتے ہی عالیہ کو گھوری سے نوازا اور ارمینہ کے زمین پر پڑے بے سود وجود کی سمت دیکھ کے مغموم انداز میں کہا۔

"میں تمھارے جتنا بہادر نہیں ہو سکتا ارمینہ۔۔۔!!"

اب۔۔۔ زندگی سزا کیطرح کٹے گی تمہاری۔۔۔ اچھا ہے گولی تمھیں نہیں لگی۔
عالیہ نے زوریز شاہ کے زخمی بازو کو گھورتے ہوئے منتقمانہ انداز میں قہقہ لگا کر کہا۔

شاید تبھی تمھیں میری اذیتوں کا بخوبی اندازہ ہو گا۔

جو مُجھ پر گزری۔۔۔۔ وہی اب۔۔۔ تم پر۔۔۔ بھی بیتے گی۔ پھر پتا چلے گا۔۔۔ تمھیں۔۔۔ کہ جن سے ہم پیار کرتے ہیں اُنکے بنا جینا حرام کیسے ہوتا ہے۔"

فاتحانہ مُسکراہٹ لبوں پر بکھیرے وُہ دانت بھینچے تنفر سے بولی تھی۔

"وُہ ساتھ نہیں رہی میرے۔۔۔ مگر اُسکی یادیں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گی۔ جن کو تم میری زندگی سے مِٹا نہیں سکتی، چُرا نہیں سکتی۔۔۔ تُم جیت کر بھی ہار گئی ایلیاء۔۔ تُم جیت کر بھی ہار گئی۔"

اسکی خود رفتگی دیکھ کر وہ لڑکھڑائی تھی۔۔۔ پھر اسنے قدرے بے یقین نگاہیں مقابل کھڑے شخص کے سپاٹ چہرے پر جیسے گاڑ ہی لیں۔

تُم ارمینہ کے وجود کو مٹا کر اپنی موجودگی چاہتی تھی ہماری زندگیوں میں نہ۔۔۔ اپنی بیٹی کو۔۔۔ مُجھے۔۔۔ ہمیں چاہتی تھی لیکِن۔۔۔"

وہ دانستہ طور بات ادھُوری چھوڑ کر طنزیہ ہنسا۔

ملال اور ملائمت کی جگہ طیش اور غیظ و غضب نے لے لی تھی۔ تبھی اُسنے آگے بڑھ کر زوریز کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

"کیا سمجھتے ہو تم خود کو۔۔۔ رُکے کیوں۔۔۔ کرو بات مکمل۔۔۔"

اُسنے گھن گرج اور تلخی سے کہا۔

"لیکن میرے خیال سے پولیس بچی کی کسیڈری ایک قاتل کو نہیں دے سکتی۔"
زوریز شاہ کے ایک جملہ نے کمان سے نکلتے تیر کیطرح کام کرتے اسے گھائل کر ڈالا۔
اب وہ مجروح عورت بری طرح شکست خواہ ہوئی کہ زوریز کے گریبان پر اسکی سخت گرفت قدرے نرم پڑھ گئی۔

عالیہ نے اضطرابی کیفیت میں اب اپنے قدم پیچھے لئے اور چہرے کا رُخ پھیر کر ارمینہ کے بے جان وجود کی سمت دیکھا۔

"میں تمھیں اپنی بیوی، اپنی مُحبت کا خون مُعاف کرتا ہُوں۔"
زوریز نے دل کو پاؤں تلے کچلتے ہمت سے جُملہ ادا کیا تھا۔

عالیہ کے چہرے پر حیرت اُتری، اُسنے زوریز کیطرف متحیر ہو کر دیکھا جو پہلے ہی سے اسے نگل جانے والی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

"تم جیسی قابلِ تسخیر عورت کو اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔"
وُہ دانت بھینچ کر غرایا۔

"کیا مطلب۔۔؟؟"

عالیہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا۔

"میں زوریز احمد ولد محمد خاور شاہ آج، ابھی اُور اِسی وقت اپنے پورے ہوش وحواس میں تُمھیں

طلاق دیتا ہُوں۔۔۔۔۔ء،

طلاق دیتا ہُوں۔۔۔۔۔ء،

طلاق دیتا ہُوں۔۔۔۔۔ء،"

زوریز کے منہ سے نکلے الفاظ بجلی کیطرح اُسکی سماعتوں پر گرے تھے۔

باب نمبر 7

اُسکے چہرے پر تاریکی چھاگئی اُسے اپنے دِماغ کی رگیں کھینچتی ہوئی محسوس ہُونے لگیں۔

وُہ ہونٹ بھینچے کُچھ دیر اُسے دیکھتی رہی۔

وُہ سُن پڑ گئی۔ طلاق کے الفاظ سُن کر جو سوئیاں اُسکے وجود میں گڑی تھیں وُہ اِنہیں کھینچ کر نکالتی بھی تو فائدہ نہیں تھا کیونکہ متاثرہ جگہ سے خون کی پھوار نکلتی جو درد میں اضافے کا باعث بنتی۔ وُہ کچھ کہے بغیر زوریز کے سامنے سے ہٹی اور اُس سے فاصلے پر کھڑی ہو کہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جارہی ہوں۔۔!!

جارہی ہوں میں۔۔۔!!

لیکن کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی۔۔۔۔سنا تم نے۔۔ کہانی ابھی ختم نہیں۔

کہانی تو اب شروع ہوئی ہے جاناں ♡ ♡ ۔"

اُسنے نیہان کو تڑپتی ہوئی نظروں کے حصار میں لے کر فاتحانہ انداز میں کہا۔

۞ کہانی وہ جو (بدلے کی آگ)، (پچھتاوے)، (اِنصاف) اور (سزا) پر ہو گی۔۔۔۔

۞ وہ کہانی جو (مُحبت کے ادھورے پن)، (دھوکے دکھاوے)، (دُنیا اور قبر کا عذاب) بنے گی۔

۞ کہانی وہ جو (بغاوت)، (انجام)، (گناہ) اور (موت) پر ہو گی۔۔۔۔

۞ وہ کہانی جو کئی سوالوں پر مشتمل ہو گی۔۔۔

کیونکہ۔۔۔۔

کہانی ابھی ختم نہیں۔۔۔ کہانی اب شروع ہوئی ہے۔۔۔۔!!!"

"بھلے تم بھول جاؤ میں تاحیات نہیں بھولوں گی تمھیں۔ تمھاری جفائیں، سزائیں، اذیتیں، تمھاری کھوکھلی محبتیں کبھی نہیں بھولوں گی میں زوریز۔۔۔ کبھی نہیں بھولوں گی۔۔ بھلے میں چلے جاؤں تمھاری زندگی سے مگر زندگی میں ایک بار تم خود چل کے آؤ گے اور میری چوکٹ پر دستک دو گے۔ میرے پاس میرے در پر ضرور آؤ گے۔۔۔۔ تب جب زندگی پر نہ تمھارا نہ میرا کوئی اختیار ہو گا۔۔۔ تم آؤ گے ضرور ایک بار مجھے ملنے۔۔۔ کیونکہ کہانی ابھی ختم نہیں، کہانی اب شروع ہوئی ہے۔"

عالیہ نے باہمت قدرے منتقم مزاج میں اپنی بات مُکمل کی اور اُسکی آنکھوں میں پھر سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا۔

جبکہ اُسکے لہجے کی وارفتگی نے زوریز کے اوسان خطا کر دیے تھے۔ لیکن وہ بلائے طاق رکھتے ہوئے اُس روتا ہوا دیکھتا رہا پھر پلٹ کر ارمینہ کے بے سُود زمین پر پڑے جسم کی طرف لپکا۔

ارمینہ کے وجود کو باہوں میں دیکھ کر اُسکے آنسو کی شدت اور بڑھ گئی۔ آہستہ آہستہ چلتے یہ سوچتے ہوئے کہ نہان اب اُسے کبھی نہیں مِلے گی وُہ باہر کا دروازہ عبور کر گئی۔ وُہ تمام سوچوں کو ساتھ لیے بس چلتی ہی جا رہی تھی، چلتی ہی جا رہی تھی۔ انجان راستوں اور بے منزل راہ پر اکیلے ہی چلتی جا رہی تھی۔ اُسکے لیے محور محبت زوریز تھا۔ کیا کُچھ نہیں کیا اُسنے پھر بھی سب کُچھ کھو دیا۔ گیارہ سال تنہا رہی، صبر کیا، اِنتظار کیا۔ وہی اِنتظار اُسکا آج بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

کبھی عرش پر
کبھی فرش پر
کبھی اُنکے در پر
کبھی در بدر
غمِ عاشقی تیرا شُکریہ
میں کہاں کہاں سے گُزر گیا
کبھی راستوں میں تنہا
کبھی ہُوں برودِ صحرا
میں جنوں کا ہمسفر ہُوں
ہے میرا کوئی گھر نہیں

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

وُہ سُنسان سڑک پر تنہا چلتے یہ سوچ رہی تھی اور ماضی کے کسی حسین لمحات میں ڈوبی ہوئی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡

رات دھیرے دھیرے گہری ہو رہی تھی شاہ ہاؤس پورا اندھیرے میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ ایسے میں پرندے اپنے گھونسلوں میں دبکے بیٹھے اطراف میں چھائے سناٹے کو سہمی ہوئیں آوازیں نکال کر توڑنے کی ناکام کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

آج پھر ایک عجیب سے خواب نے اس خوفزدہ معصوم سی لڑکی کی سرمئی آنکھوں سے نیند چرائی تھی۔

مرے مرے قدم اٹھا کر وہ لان کی جانب بڑھی کیونکہ وہ جانتی تھی اسکا سونا اب مشکل ہے۔۔

کالے آسمان کے چوڑے سینے پر خوبصورت آفتاب کے ساتھ چند ایک دو تارے ہی روشن تھے جبکہ باقی رخ چھپائے بیٹھے تھے۔۔۔

چاندنی کی مدھم روشنی سے روشن اسکا چہرہ ہر جذبے سے پاک تھا۔۔۔

جبکہ چاند پر مرکوز اسکی نگاہیں انہیں عجیب و غریب خیال و خواب میں کھوئی ہوئی تھیں۔

جبھی اسکا سفید و سرخ چہرہ پسینے سے تر ہونے لگا۔

اُسکی عقل مفلوج ہوتی اس سے پہلے خود کی پریشانی کم کرنے کے لیے اسنے ٹہل قدمی کرتے تاروں کو گننا شروع کر دیا۔

آئے دن یہ کیسے خواب ستاتے ہیں مجھے۔۔۔

ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مجھے کچھ کہنا چاہ رہا ہے، کوئی کچھ سمجھانا چاہ رہا ہو۔۔۔۔

وہ سراہتی پکاریں وہ عجیب طرح کی خوفزدہ آوازیں۔۔۔۔

آخر کیوں مم۔۔۔ مجھ۔۔۔ مجھے ہی کیوں۔۔۔؟؟؟

کسی کی سرگوشی، کسی دبی دبی چیخیں کسی کا پکارنا۔۔۔

مجھے ہی کیوں سنائی دیتا ہے۔۔۔؟؟؟

کون ہے وہ۔۔۔۔؟؟؟

اور میرے سامنے کبھی وہ چہرے عیاں کیوں نہیں ہوتے۔۔۔۔۔۔؟؟؟

صاف آسمان پر غالباً تارے کم تھے مگر اتنے بھی نہیں کہ چند ہی لمحوں میں وہ تاروں سے سوالوں کی گنتی پر آجاتی۔۔۔

ہزار کوششوں کے باوجود کسی بھی طرح وہ یہ خواب اپنے ذِہن سے باہر نکال کر پھینک نہیں پا رہی تھی۔۔۔۔

دلِ مضطر ہوئی اس لڑکی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دیوار میں ٹکریں مارتی۔۔۔

گھر کے ہر کمرے کی بجھی ہوئی بتی گواہی دے رہی تھی کہ سبھی گھر والے خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ لیکن واحد وہ زی روح لان میں ادھر اُدھر چکر صرف اس لیے کاٹ رہی تھی کہ اگر وہ سوئے گی تو یقیناً دوبارہ پھر سے انہی خوابوں میں خود کو چکر تا ہوا پائے گی۔۔۔

جبکہ اسکی سرمئی آنکھیں اب نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔۔۔۔

جو بھی تھا اسنے واپس کمرے میں آنا ہی مناسب سمجھا۔۔۔

اکثر رات کو ایسے ہوتا کہ جب وہ سوچ سوچ کر تنگ آجاتی تو تھکن سے اسے خود ی اتنی گہری نیند آجاتی تھی کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا تھا کہ وہ کب سوئی۔۔۔

یہ اسکے ساتھ پہلی بار نہیں ہو رہا تھا بلکہ بچپن سے ہوتا آرہا تھا۔وہ اکثر اوقات رات کو ڈر جایا کرتی تھی۔ لیکن یہ ایک الگ بات ہے کہ اب وہ خود کے ذہن پر سوار خوابوں کو صبح اٹھ کر کسی کو نہیں بتاتی تھی۔۔۔کسی کو بھی نہیں۔۔۔

بلکہ صبح اسکا خود سے اٹھنا ہی محال ہوتا تھا۔وہ تو ہاجرہ بی تھی جو اسے دانٹ ڈپٹ کر اور کبھی نئے نئے حربے استعمال کر بمشکل اٹھانے میں کامیاب ہوتی تھیں۔۔

"اُٹھ جاؤ لڑکی لگتا ہے کان کھینچنے ہی پڑیں گے تمھارے۔نیہان! نیہان! اُٹھ جاؤ بیٹا۔۔۔۔"

ہاجرہ بی نے کمرے میں داخل ہوتے جیسے ہی کھڑکی کا پردہ کھسکایا تو سورج کی ریشمی کرنوں نے دھیرے دھیرے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے تاریکی کو نگل لیا تھا۔

"دُنیا کی لڑکیاں ڈھنگ سے سوتی ہیں اور ایک یہ لڑکی ہے۔"

ہاجرہ بی نے بیڈ پر پڑے وجود کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جو تقریباً آدھا بیڈ سے نیچے تھا۔

اب آگے بڑھ کر انہوں نے لیمپ آف کیے۔وہ خود کلام تھیں۔

"لڑکیوں کو کوئی تمیز ہوتی ہے، کوئی طریقہ ہوتا ہے اور ایک یہ ہماری شہزادی صاحبہ ہیں۔"

"نیہان۔۔۔،اُٹھ جاؤ بیٹا۔"

ایک بار پھر سے آواز دیتے ہوئے انہوں نے اُسکے چہرے سے لحاف کھینچا۔

اُفففف بوا جی۔۔۔ کیا ہے۔۔۔۔ کم از کم آج کے دِن تو سونے دیں۔"

نیہان نے نیند میں ڈوبی آواز میں کہا۔

"کیوں آج کوئی خاص دِن ہے کیا...؟؟؟"

ہاجرہ بی نے سوال کیا۔

"آج سنڈے ہے بوا جی۔۔۔!!"

نیہان نے جواباً بیزاری سے کہا۔

"آج سنڈے تو نہیں ہے بیٹا"

ہاجرہ بی نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

نیہان جو اتنی دیر سے اپنے بیڈ کے پاس کھڑی ہاجرہ بی کی آوازوں پر ہل نہیں رہی تھی۔'آج سنڈے نہیں ہے' یہ سُن کر وہ بجلی کی تیزی سے غنودگی میں اُٹھ بیٹھی۔

وُہ اکیس بائیس سال کی پیاری لڑکی جسکی بڑی بڑی خُوبصورت ہرنی جیسی آنکھیں، خوبصورت گھنے لمبے بال، تیکھی ناک، گُلاب کی پنکھڑیوں سے لب اور جب وُہ مُسکراتی تو جیسے دُنیا رُک سی جاتی۔۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے

پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

"آج سنڈے نہیں۔۔۔۔؟؟"

اس نے چہرے پر پریشانی سجائے معصومیت سے پوچھا۔"

"نہیں آج اتوار ہے بیٹا۔"

ہاجرہ نے جواباً سنگینی سے کہا۔

"بوااااااااااااااجی۔۔۔۔"
وہ مضطرب لہجے میں کہتے پشت کے بل بیڈ پر گری اور چہرہ کمبل میں چُھپا کر دوبارہ آنکھیں موندے بولی۔

"بوا جی سنڈے کو ہی اِتوار کہتے ہیں۔"

جبکہ ہاجرہ بی اِسکی بات کا جواب دیے بغیر مُسکراتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

نیہان نے سائیڈ ٹیبل پر فون ٹٹولا اور اُٹھ کر ٹائم دیکھا تو بارہ بج کر اکیس منٹ ہو رہے تھے، ٹائم دیکھ کر اُسے یکدم جھٹکا لگا کہ آج وُہ اتنی دیر تک کیسے سوئی رہی۔
خیر حیرانگی سے نکل کر اب وہ حسبِ عادت نہانے کے لئے واشروم کی طرف بڑھ گئی۔

"بوا جی بہت بھوک لگی ہے، جلدی سے میرے لئے کھانا نکال دیں۔"

نیہان نے التجائیہ لہجے میں بے صبروں کی طرح کہا۔

"کھانا خراب۔۔۔!!"

حقارت سے مختصر سا جُملہ ادا کرتی ہاجرہ بی نے افسوس سے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"کیا مطلب کھانا خراب ہو گیا؟؟ مجھے بہت زیادہ بھوک لگی ہے۔ کھانا نہیں کھایا تو میرا بی پی لو ہو جائے گا اور میں بیہوش ہو جاؤں گی۔ ویسے بھی آپ تو کھانا کبھی کم زیادہ بناتی ہی نہیں، اُتنا ہی بناتی ہیں جتنا کے استعمال ہو سکے پھر ایسے کیسے آپ کا کھانا خراب ہو سکتا ہے۔۔۔؟؟"

وُہ بنا رُکے نون سٹاپ سوالیہ انداز میں بولتی چلی جا رہی تھی۔ تبھی ہاجرہ بی نے اُسکی طرف جوئس کا گلاس بڑھایا تا کہ کچھ دیر ہی سہی اُسکا منہ بند ہو سکے۔

"کوئی ایسا دِن تھا جب تُم نے کسی کی بات مُکمل سنی ہو۔۔؟؟"

ہاجرہ بی نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔

وُہ جوئس سے بھرا گلاس لبوں سے لگائے جوئس حلق سے نیچے اُتار رہی تھی۔

"پاگل لڑکی میرا مطلب تھا ابھی کھانا نہیں بنایا میں نے، کباب رولز فرائی کرتی ہُوں، صبر رکھو۔"

ہاجرہ بی نے اُسے صبر کرنے کی تنقید کی۔

"آج تمھیں شاہ جی کے ساتھ حیدر علی کی طرف دعوت پہ جانا ہے تو اِس لیے میں نے کھانا نہیں بنایا تھا۔"

اب کھانا نہ بنانے کی وجہ بھی بتا دی گئی۔

"ابھی۔۔۔۔۔؟؟؟"

نیہان نے سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔۔!!"

سامنے سے یک حرفی جواب آیا۔

"اچھا۔۔۔کوئی خاص وجہ۔۔۔؟؟"

جانچتی نگاہوں سے تشویشی انداز اختیار کرتے پوچھا گیا۔

"حنظلہ بابا واپس آ گئے ہیں اِس لئے شاید۔"

ہاجرہ بی نے پُر جوش لہجے میں وجہ بتائی۔

"کی۔۔۔کی۔۔۔کیا۔۔۔کیا مطلب وُہ چھچھ۔۔۔چیکو۔۔۔زرافہ واپس آ گیا۔اُسے چاہیے تھا کہ دو، تین سال اور ہماری زندگیوں سے دُور رہتا۔لیکن وُہ بندر اتنی جلدی واپس آ گیا۔"

وُہ گنگ ہوتے ہوئے بڑی بڑی آنکھوں سے ہاجرہ بی کو دیکھتے ہوئے تفرو تاسف سے بولتی جا رہی تھی۔

"میری جان انکے واپس آنے سے اتنی اُداس کیوں ہو جاتی ہو تُم؟"

بغور اُسکے اُترتے چہرے کو دیکھ کر ہاجرہ بی نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"سب پتا ہے آپکو۔۔۔کہ کیوں چڑتی ہُوں میں اُس سے۔وُہ چیکو خان بابا جان سے ایسے چپکتا ہے۔جیسے کوئی بچھڑا ہوا صدیوں بعد مِلا ہو۔بابا کی گُڈ بکس میں رہنے کیلئے اتنی چچھ گری کرتا ہے، اتنی کہ میں کیا ہی بتاؤں۔آپ سب جانتی ہیں کہ وہ چچھ کیا کیا کرتا ہے۔بابا کے آگے پیچھے گھومتا ہے۔ہر وقت اُنکی فکر ایسے کرتا ہے جیسے بابا کوئی چھوٹے پانچ سالہ بچے ہو۔

انکل آپ بہت ویک ہوتے جا رہے ہیں۔آپ اپنا خیال رکھا کریں۔آپ بہت ہمت والے محنتی شخص ہیں۔انکل آپ واقعی قابلِ تعریف ہیں۔مکھن لگاتا ہے، چیکو کہیں کا۔دور رہ کر چین نہیں ملتا اسے۔۔انکل یہ نہیں کریں، وُہ نہیں کریں۔انکل ایسے نہیں ویسے کریں، انکل وُہ غلط ہے، انکل یہ ٹھیک نہیں۔بابا کو یہ بتاتا ہے۔اُنہیں کیا کرنا چاہیے کیا نہیں۔بہت غصّہ آتا ہے جب وُہ پاگل شخص ایسا کرتا ہے۔"

نیہان اپنی ہی دھن میں بولتی ہوئی تمیز کی تمام حدود پھلانگتی جا رہی تھی۔

"صرف تمھارے بابا کی نہیں وہ بچا سب کی بہت پرواہ کرتا ہے۔"

ہاجرہ بی نے اُسے مطمئن کرنا چاہا۔

"جانتی ہوں کتنی کرتا ہے وُہ پرواہ سب کی۔"

بدحواسی میں اس نے طنزیہ کہا۔

"چلو چھوڑو سب باتیں میرا بچہ کھانا کھاؤ تُم۔"

ہاجرہ بی نے مُحبت و ملائمت سے کہا۔

"مجھے نہیں کھانا۔"

نیہان نے اہانت آمیز لہجے میں کہا۔

"میری بوڑھی ہڈیوں نے گرمی میں جھلس کر اتنی مشقت سے پسینہ بہا کر تمھارے لیے اتنی محبت و شفقت سے کھانا پکایا تو ڈرامے نہ کرو اور آرام سے کھانا کھا لو۔"

بولتے بولتے اسے پتا نہیں چلا کہ کھانا بن کر تیار ہو چُکا تھا لیکن حنظلہ خان کی واپسی کا سُن کر اُسکی تو بھوک ہی مر گئی تھی۔

□□□□□

کاٹن کے سفید سوٹ پر سادہ سی سفید واسکوٹ ملبوس کئے چوڑی پیشانی والا وہ آدمی لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ سجائے سامنے کھڑا اس عمر میں بھی خوبرو لگ رہا تھا۔

آدھا سر کالا اور آدھا سفید تھا جبکہ داڑھی میں بھی چاندنی اُتر آئی تھی مگر شخصیت میں وہی رعب اب بھی باقی تھا۔

اور تن بدن گُلاب کی خوشبو سے معطر تھا جیسے وہ آدمی گلاب کے پھولوں سے غسل کر آیا ہو۔

"باباجانی۔۔۔!!"

محبت بھرے لہجے میں نیہان نے سامنے کھڑے اس شخص کو پُکارا۔

"جی باباجانی کی جان۔"

پُر شفقت انداز میں زوریز نے اُسے سینے سے لگایا اور پیشانی پر پیار کیا۔

"آپ مماسے مِلنے قبرستان گئے تھے۔۔۔؟؟"

پھولوں کی مہک اسکی چغلی کھا رہی تھی۔

وہ جواباً کچھ کہتا اتنے میں نیہان کا فون جگمگایا۔ فون پر روبی آنٹی کے نام سے نوٹیفکیشن آیا تھا۔

"نیہان بیٹے حیدر انکل کے گھر چلیں؟"

زوریز نے اجازت لینی چاہی۔

"لیکن باباہم ڈنر پر انوائٹڈ ہیں۔"

نیہان نے احتراماً ملائمت سے کہا۔

"تو کیا ہوا بیٹا آپ اپنی روبی آنٹی کی ہیلپ کر دینا اور میں اپنے بیچارے بھائی حیدر کو کمپنی دے دونگا، بیچارہ اکیلا گھر میں بور ہو رہا ہو گا۔"

زوریز نے خجالت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بابا جو آپکو بہتر لگے۔"

نیہان نے خوش مزاجی سے کہا۔

"بیٹا کھانا۔۔۔"

"بوا جی ابھی کُچھ بھی کھانے کو بلکل دِل نہیں کر رہا۔"

ہاجرہ کے دوبارہ اصرار کرنے پر نیہان نے فوراً انکار کر دیا۔

"کھانا دِل نہیں پیٹ بھرنے کے لئے کھایا جاتا ہے بیٹا۔"

زوریز نے بڑے پیار سے اُسے سمجھایا۔

"ہاں تو ہم پیٹ بھرنے کے لیے آئس کریم کھائیں گے نہ۔ ہمارے گھر سے آنٹی کے گھر کا راستہ چند قدموں کی دوری پر ہے، تقریباًاُس دوران ہماری آئس کریم با آسانی ختم ہو جائے گی بابا۔"

"ہم کھائے گے نہ بابا۔۔۔؟؟"

نیہان نے مُسکراتے ہوئے معصومیت سے دوبارہ سوال اسلئے کیا تھا کیونکہ گھر بالکل قریب تھا۔ اتنا کہ وُہ پیدل چل کر ہی آیا جایا کرتے تھے۔

"جی ہاں ہم ضرور کھائیں گے۔۔۔"

زوریز نے خوش مزاجی سے کہا۔

یہ سُن کر نیہان کے لبوں پر بکھری مُسکراہٹ زرا اور گہری ہوئی تھی۔

۞۞۞۞۞

حنظلہ گھر آ چُکا تھا۔ یہاں روبینہ بے انتہا خوش تھی۔ وہاں نیہان بے تحاشہ ناخوش اور اُداس سی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل مُختلف لوازمات سے سجی ہوئی تھی۔ سب رات کے کھانے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر جمع کھانا کھانے میں مشغول تھے۔ حنظلہ بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ مگر اسکے بر عکس سامنے بیٹھی نیہان کا موڈ کُچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

زوریز اور حیدر اپنی بچپن کی حسین یادیں تازہ کر رہے تھے۔ حیدر کے بلند آواز قہقہے نے سبھی کو اپنی طرف متوجہ کروایا تھا۔

نیہان نے مُسکراتے ہوئے اپنی سرمئی خوبصورت نظریں اُٹھا کر حیدر کی سمت دیکھا۔ پھر انتہائی ناگواری سے ایک نظر حنظلہ پر ڈالی اور دوبارہ کھانے میں مشغول ہو گئی۔

میز پر ہونے والی گفتگو بڑی پُر سکونی سے سنتی ہوئی وہ کھانے پر ایسے ٹوٹی ہوئی تھی جیسے کافی دنوں کی بھوکی ہو۔

~~~~~~

جو کھانا کھائے اس کو تم نہ دیکھو
کہیں گے لوگ لڑکی ہے ندیدی

~~~~~~~

حنظلہ نے پلیٹ سائیڈ پر کھسکا کر دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے ایک کڑی نظر نیہان پر ڈالی۔

"لگتا ہے میرے آنے کی خوشی میں مس نیہان آپ نے آج صبح سے کُچھ نہیں کھایا۔"

حنظلہ نے اُسکو چڑاتے ہوئے ہی سہی مخاطب تو کیا تھا۔

"اوہیلو مسٹر تمھارے آنے کی خوشی میں بھلا بھوکی کیوں رہوں گی۔"خونخوار آنکھوں سے گھورتے ہوئے قدرے ناگواری سے نیہان اُس سے سوال کیا۔

"خیر چھوڑیں یہ بتائیں۔۔۔"

"میں بالکل ٹھیک ہُوں،سٹڈیز بھی اچھی جا رہی ہیں،زندگی سیٹ ہے اچھی خاصی مزے میں گُزر رہی ہے۔"

وہ بول رہا تھا جب اسنے اُسے ٹوکا اور پلیٹ میں چمچ ہلاتے ہوئے بن پوچھے سوالات کے جواب دینے شروع کر دیئے۔

"نیہان بیٹا۔۔۔"

زوریز نے اُسے پُکارتے ہوئے آنکھوں کے اِشارے سے منع کیا۔

بابا جانی یہی تو پوچھنا تھا اس نے کہ کیسی ہُوں میں،میری اسٹڈیز،لائف کیسی گُزر رہی ہے۔یہی تو تین سوال ہوتے ہیں اسکے پاس ہمیشہ مُجھ سے کرنے والے۔ تھکا ہارا آیا ہے بیچارہ۔اِتنی دُور سے اتنا لمبا سفر تہہ کر کے تو کیوں دینی تھی۔اتنی زحمت کسی کو۔تو میں نے سوچا میں خود ہی بتا دیتی ہوں۔"

نیہان نے خوش اخلاقی سے طنز میں جوڈبو ڈبو کے اسے تانے مارے تھے،بیچارے کے تو لب ہی سل گئے تھے۔

اُسکے اچھے بھلے موڈ کا اس لڑکی نے منٹوں میں ستیاناس کر دیا تھا۔اور وُہ حیرانگی سے گھورنے کے علاوہ اور کچھ کر بھی نہیں سکا۔

ٹن،ٹن ٹنننن۔۔۔حیدر علی کا فون بجا وُہ سُننے کے لئے اُٹھ کر ایک سائیڈ پر ہو گئے۔زوریز کھانا کھا چکے تھے اِسی لیے اپنی نشست چھوڑ کر حیدر کی طرف بڑھے۔

"گھورو مت مُجھے اور دھیان سے کھانا کھاؤ میری طرح"

نیہان نے قدرے ناگواری سے چڑاتے ہوئے کہا۔

"کھاؤں یا ٹھونسوں تمھاری طرح"

حنظلہ نے غصیلے انداز میں سوال پوچھا۔

"ٹھونس لو مگر اپنی کھا جانے والی آنکھوں سے گھورو مت"

نیہان نے جواباً ہچکچاتے ہوئے کہا۔

اُسکی آواز میں لغزش تھی۔ جس سے صاف پتا چل رہا تھا۔ کہ وہ ڈر رہی تھی۔ مگر چہرے سے کُچھ اخذ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

نیہان کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو ضرور ڈارک براؤن کلر کے گھنے بالوں والے لڑکے پر فدا ہو جاتی، اوپر سے اسکی رنگت میں آتا ہلکا سانولا پن، ہلکی ہلکی داڑھی، اونچی کھڑی ہوئی تیکھی ناک اور بالوں کی ہم رنگ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں مقابل کا چین اور قرار چھیننے کے لیے کافی تھیں۔

حنظلہ خان کا نام اور اِسکا کام ہمیشہ اپنی مثال آپ ہوا کرتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو زوریز شاہ اور حیدر علی کا مشترکہ کاروبار آسمان کی بلندیاں چھُو رہا ہے تو وُہ اُنکی دولت اور حنظلہ خان کی ان تھک محنت کا نتیجہ ہے۔

'رعب' وہ تو لگتا بنا ہی اِس شخص کے لیے ہے۔

نیہان کے لیے وُہ ڈر کا دوسرا نام تھا۔

پیچھے سے چاہے کُچھ بھی کہتی رہے لیکن اسکے سامنے کچھ بھی کہنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ ابھی بھی جو زبان اُسکی کھلی تھی سبھی کی موجودگی کی بدولت کھلی تھی۔

دولت، علم، شہرت، خُوبصورتی اور شخصیت اِس نے زندگی کا ہر میدان جیتا ہوا تھا۔ لیکن نیہان پر تو جیسے حنظلہ خان کی شخصیت کا ذرا برابر بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔

صبح کے اُجالوں میں سورج کی سنہری کرنیں ہر سو جگمگا رہی تھیں۔

وُہ بالکنی میں کھڑا چائے کا لطف اٹھا رہا تھا۔ یکدم اِسکی نگاہ لہرسی بناوٹ رکھتے وجود پر جا کر ٹھہر گئی۔ بھورے گھنے لمبے بال آبشار کی طرح اُسکی کمر پر پھیلے ہوئے تھے۔ وُہ ٹریک سوٹ میں ملبوس لڑکی سڑک کنارے بھاگتے ہوئے اچانک گُلاب کے کنج کے پاس رُک گئی تھی۔
جُھک کر وہ اپنے کُچھ ہم راز پودوں پر شاید کوئی راز داری بیاں کر رہی تھی۔ تبھی ہلکی آواز میں سر گوشی کرتے ہوئے اب اس نے گلاب کی ادھ کھلی کلی کو اپنے مخملی ملائم لبوں سے چُھوا تھا۔ حنظلہ بے خود اس منظر میں کھویا اسے دیکھ رہا تھا۔ کہ اور اسکے ہونٹوں پر تبسم بِکھر آیا تھا۔ جبکہ وُہ اپنے دھیان میں تھی۔ اب وہ بھی ایک خُوبصورت مُسکراہٹ لبوں پر سجائے آگے بڑھ گئی تھی۔
"انکل ویڈنسڈے کو ہونے والی میٹنگ مُجھے آپ سے ڈسکس کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے بیٹا آپ گھر آجاؤ۔"

جتنی خوش مزاجی سے حنظلہ نے اِس طرف سے کہا تھا اُتنی ہی نرمی و ملائمت سے فون کی دوسری جانب سے جواب مِلا تھا۔

آج موسم خوشگوار تھا۔ نیہان ہاجرہ بِی سے پکوڑوں کی فرمائش کرتی ہوئی لان میں لگے جھولے پر آکر بیٹھ گئی اُور موبائل پر کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

جھولا جھولتے اُسکے دو تین دفعہ ٹرائے کرنے کے بعد دُوسری جانب موجود شخص نے آخراب فون اُٹھالیا تھا۔

"کب باہر آئیں گے آپ سٹڈی روم سے۔۔۔؟؟"

زوریز کے فون اُٹھا کر کان سے لگانے کی دیر تھی کہ کال پر اس سمت بیزار نیہان نے فوراً سوال حاضر کیا۔

ایک ہی گھر میں رہتے ہُوئے یہ فون کر کے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی بیٹا، آپ ہاجرہ بِی سے۔۔۔

"ذراسی بات پر کسی دوسرے کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی بابا۔ اس لیے سوچا میں خودی فون کر کے آپ سے پوچھ لوں۔"

نیہان نے ہمیشہ کیطرح دوسرے کی بات کاٹتے ہوئے اپنی بات رکھی۔

"جی صحیح ہے بیٹا۔"

زوریز نے جواباً ایک مختصر سا جُملہ بڑی حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

جی موسم بہت صحیح ہے، اِن فیکٹ بہت خوشگوار، خوبصورت، ٹھنڈا، اچّھا پیارا اور زبردست، دِلکش ہے۔"

نیہان نے موسم کی تفصیل پیش کرتے بات کو مزید بڑھانا چاہا۔

"جی بیٹا جی پتا ہے مُجھے موسم بہت اچّھا ہے۔"

زوریز نے ذرا مُسکرا کر دھیرے سے کہا۔

"بابا جانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!"

اُسنے نروٹھے انداز میں لفظ بابا جانی کو لمبا کھینچتے ہوئے قدرے ناگواری سے سرمئی آنکھیں گھمائیں۔

"بس بیٹا دس مِنٹ اُور۔۔۔؟؟"

نیہان کے بیزار لہجے میں باپ کو پُکارنے پر زوریز نے مُحبت سے اُسے تسّلی دی۔

"آپ مُجھے دس منٹ کا بول کر گھنٹے دو گھنٹے بعد فری ہونگے کیا میں جانتی نہیں۔"

نیہان نے بے اختیار طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں اپنے بچے کو اِنتظار کیوں کرواں گا۔"

زوریز نے سوال کے بدلے سوال کیا۔

"ہمممممممم۔۔۔"

نیہان نے ذرا سا مُسکرا کر ناک سے آواز نکالی اور فون بند کر دیا۔

اور دس منٹ کا ٹائمر سیٹ کرنے کے بعد گانے لگا کر اُس نے ہیڈ فونز کانوں میں گھسا لیے۔۔۔

باب نمبر 8

شام کی سرد فضا میں بادل نیلے آسمان پر تیر رہے تھے۔
وُہ کشادہ لان کے تر و تازہ سر سبز گھاس پر ننگے پاؤں ٹہل قدمی کرتے گانے کے بول سُن کر لُطف اندوز ہو رہی تھی۔ تبھی اُسکی نظر ہل چل کرتے پودوں پر پڑی جو قدرے مرجھائے اور سکڑے ہوئے تھے جن کا رنگ سڑ کر پیلا ہو چُکا تھا۔ جنہیں پانی سے سرشار کرنے کی اشد ضرورت تھی، یہ خود پودوں کا روکھا سوکھا پن چیخ چیخ کر بتا رہا تھا۔۔

ہاجرہ بِی ہاتھ میں پکوڑوں کی پلیٹ لئے لان میں آئیں تو وُہ پودوں کو پانی دینے میں مشغول تھی۔

"نیہان، نیہان بیٹا۔۔۔،"

"لڑکی پکوڑے بن گئے ہیں آجاؤ،"

کانوں میں ہیڈ فونز لگے ہوئے تھے جس وجہ سے ہاجرہ بِی کی آوازوں کا نیہان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ آوازیں دینے کی ناکام کوشش کرنے اور گلا خُشک ہونے کے بعد ہاجرہ بی اب اُسکی طرف بڑھیں اُور کچھ ہی فاصلے پر آکر رُک گئیں۔

"یار یہ پانی کیوں بند ہو گیا"

اُسنے خود سے سوال کیا۔ پانی بند کیوں ہو گیا اُسنے پائپ پر ہاتھ مارتے پھر سے سوال کیا۔ دائیں بائیں نظریں گھمانے کے بعد اُسنے رُخ پیچھے کو موڑا تو ہاجرہ بِی کھڑی اُسے گھور رہی تھیں۔

"بوا جی پائپ میں پانی نہیں آ رہا کیونکہ آپ پائپ پر کھڑی ہیں۔"

نیہان نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

"آہستہ بولو لڑکی مجھے سنائی دیتا ہے۔"

ہاجرہ بِی نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا کہا۔۔۔!؟ مُجھے کُچھ سنائی نہیں دیا۔"

نیہان نے گلا پھاڑ کر پہلے سے بھی زیادہ آواز میں کہا۔

ہاجرہ بِی سمجھ گئیں کہ اُسے سنائی کیوں نہیں دے رہا۔ وُہ اُسکے ہیڈ فونز نکالنے کے لیے جیسے ہی اُسکی طرف بڑھیں تو پانی اپنے بہاؤ سے یکدم فوارے کی صورت پھوٹ پڑا۔ اور ادھر ہاجرہ بی کی آنکھیں حیرانگی سے کھلی کی کھلی رہ گئی۔

"بوا جی میرے پیچھے کوئی جن کھڑا ہے جو آپ اِسطرح مُجھے گھور رہی ہیں۔"

کوئی جواب نہ ملنے پر وُہ ہاجرہ بِی کی نظروں کے تعاقب میں پیچھے کو گھومی اور بس پھر جزبز سی ہو کر رہ گئی۔

سامنے اونچے لمبے قد اور فٹ کی جسامت والا خوبرو نوجوان سپاٹ چہرہ لیئے اُسے نگل جانے والی نظروں سے کھڑا گھور رہا تھا۔

"ہائے ربّا جن نہیں جنوں کا سردار ہے یہ تو۔۔۔۔"

ہیڈ فونز نکالتے نیہان کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پائپ ہاتھ سے چھوٹ کر گھاس پر اُسکے قدموں میں آن گرا۔

وُہ سفید کرتا پجامہ زیب تن کیے ہُوئی تھی۔ کُرتے کی جیب میں اُسنے اپنا موبائل ڈالا ہوا تھا جبکہ خوبصورت لمبے بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں قید کیا تھا۔ جس میں سے کچھ آوارہ لٹیں نکل کر اُسکے گالوں کو چھُو رہی تھیں۔ چہرے پر معصومیت سجائے بے چارگی کی جیسے اُسنے بھرپور اداکاری کی تھی۔ حنظلہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سچ میں دِل ہار بیٹھتا۔ مگر حنظلہ خان اتنی جلدی کسی پر بھی دِل ہارنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"دیکھیں۔۔۔،

جیسے ہی حنظلہ نے کُچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے اُسنے بولنا شروع کر دیا۔

"آئی سوئیر میں نے کُچھ نہیں کیا۔ بوا جی۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں بوا جی نے بھی کُچھ نہیں کیا۔"

"وُہ میں نے۔۔۔۔ نہیں وُہ۔۔۔ بوا جی۔۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔۔ وُہ میں۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں تُم۔۔۔ تُم تم خود آئے بن موسم برسات میں نہانے۔۔ میری یا بوا جی کی کوئی غلطی نہیں۔

وُہ گھبرائی ہوئی تھی مگر اُسنے سارا اِلزام اُسے دیتے ہوئے چہرے سے کُچھ اخذ نہیں ہونے دیا تھا۔

بلکہ اُسکی بات کو کاٹتے ہوئے اُسنے اپنی صفائی دینی چاہی اور ہاجرہ بِی کو بھی بات میں کھینچ لیا۔

"میں جانتا ہوں ہاجرہ بِی کی کوئی غلطی نہیں لیکِن میں یہ نہیں جانتا تھا۔ کہ آپ عقل سے پیدل ہونے کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے اندھی بھی ہو گئی ہیں۔"

قدرے ناگواری سے طنزیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے اُسنے کہا۔

تبھی نیہان کے چہرے پر توہین کے احساسات سے آگ بھڑک اُٹھی۔

"اگر آنکھوں سے اندھی میں ہُوں تو عقل سے پیدل تُم بھی ہو جن کہیں کے۔

پتہ ہونا چاہیے تمھیں کے جن ویسے بھی نظر نہیں آتے۔"

نیہان نے اُسکا رویہ لوٹاتے ہوئے تقریباً اپنا حساب برابر کر لیا تھا۔ مگر سکون اُسے ابھی بھی نہیں مِلا تھا۔

ہاجرہ بی نے پکوڑوں کی پلیٹ ٹیبل پر رکھی اور آرام سے وہاں سے جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

"ذرا بھی تمیز نہیں ہے آپکو؟ مُجھے اچھّا بُرا کہنے سے بہتر ہے کہ مِس نیہان آپ اپنی غلطی تسلیم کر لیں۔ وُہ زیادہ ٹھیک رہے گا آپکے لیے۔"

حنظلہ نے اُسکی سمت دیکھتے غصیلے انداز میں کہا۔

"کون سی غلطی، کیا غلط کیا میں نے، کون سی غلطی، کُچھ غلط نہیں کیا میں نے۔۔ بوا جی، بوا جی سے پوچھو۔۔۔ وُہ بھی میرے ساتھ ہیں۔ میرا ہی ساتھ دیں گی اُور تمھیں یہی کہیں گی کہ مسٹر تم غلط ہو۔ ہنہ بو۔۔۔ بوا جی کہاں چلیں گئیں"

وُہ اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی پھر اُس سمت دیکھ کر سوال کیا جہاں کُچھ لمحے پہلے ہاجرہ بی کھڑی تھیں۔ لیکِن اب غائب تھیں۔

"آپکی تو۔۔۔۔"

"میری تو کیا۔۔۔؟؟

اپنے عقب سے آتی حنظلہ کی آواز پر وُہ ہمیشہ کیطرح اُسکی بات مُکمل ہونے سے پہلے بولی تھی۔

نیہان کی یہ دوسروں کو رُوکنے ٹوکنے کی عادت شاید کبھی نہیں چھوٹ سکتی تھی۔

"آپ کہنا عزت دینا، عزت افزائی کرنا نہیں ہوتا۔۔ اور ہاں کیا کہہ رہے تھے تُم؟؟ میری تو کیا؟؟؟ کیا میری تو؟؟"

نیہان نے پھترِیلے تاثرات چہرے پر سجائے سوال کرتے ہوئے اُسکی گیلی جِسامت کا جائزہ لیا۔ تبھی اُسکی کانچ سی آنکھیں اپنی شرارت سے بے تحاشہ چمکنے لگیں۔

بے دھیانی میں ہی سہی اُسے سرد موسم میں گیلا کر کے نیہان کی روح تک کو ٹھنڈک پہنچی تھی۔

"آپکی تو زُبان ماشاء اللہ سے آپکا ساتھ بہت دیتی ہے۔ آپکا ساتھ کوئی دے یا نا دے لیکن آپکی زُبان، زُبان آپکی کبھی بھی آپکا ساتھ نہیں چھوڑتی۔"

حنظلہ نے اطمینان سے اپنی بھڑاس نکال دی تھی۔ لیکن اُسکی پُر سکونی نے نیہان کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

"پتا ہے تُم کُچھ بھی کہہ سکتے ہو کیوں کہ پاگلوں کی باتوں کو سیریئس لینا میری عادت نہیں۔"

نیہان نے اپنے آپکو تسلی دیتے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا، لیکن اُسکا غصّہ حنظلہ کی خاموشی اور پُر سکونی دیکھ کر مزید بڑھ رہا تھا۔

"صحیح کہتے ہیں پاگل ہی بے فضول ہنستے ہیں۔ ہنستے رہو بندر کہیں کے۔ تب تک ہنستے رہو جب تک تمھارے بتیس کے بتیس دانت ٹوٹ کر گر نہیں جاتے۔"

حنظلہ کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

نیہان اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ اُسکے اندر لگی آگ کے شولے اِسکی نگاہوں میں دیکھ کر حنظلہ کو بھی سکون مل رہا تھا۔ کیوں کہ جتنا غصّہ اُسے نیہان دلاتی تھی۔ اُتنا غصّہ آج خود وُہ کر رہی تھی۔

"پاگل، جاہل، سٹوپڈ، ایڈیٹ، مونکی۔۔۔ میں تمھیں اتنا کُچھ کہہ رہی ہوں تمھیں غصّہ کیوں نہیں آ رہا۔۔؟؟"

"کیوں کہ آپ نے مُجھ پر ٹھنڈا پانی ڈال کر میرا غصّہ جو ٹھنڈا کر دیا اِس لیے شاید۔۔"

جتنے سرد لہجے میں سوال کیا گیا تھا۔ اتنے ہی سرد لہجے میں اُسے بھی جواب ملا تھا۔

وُہ مزید کُچھ کہتی سُنتی اُسکی نظر زوریز کی جانب گئی جو اِنکی طرف ہی چلا آ رہا تھا۔

"اچھا تو بابا کی سٹڈی روم سے باہر نہ آنے کی وجہ یہ پاگل اِنسان ہے۔"

وُہ کم آواز میں بڑبڑائی اور پھر اور اُسے گھورتے ہوئے غصّے سے بولی۔

"بڑے کوئی فضول اِنسان ہو تُم۔ دِل کر رہا ہے ایک زور دار مُکا ماروں تمھارے منہ پر۔"

حنظلہ کا چہرہ اب غصّے سے لال ہو گیا تھا۔ آخر وُہ اُسے غصّہ دلانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ لیکن زوریز کی وجہ سے وُہ ضبط کا سانس لیتے ہوئے جبڑے کسنے اور نیہان کو گھوری سے نوازنے کے علاوہ کُچھ کہہ نا سکا۔

"نیہان بیٹا۔۔۔بچا کیا ہوا۔۔میری جان۔۔بابا کی شہزادی۔۔میرا بچا کیا ہوا آپکو"

نیہان کے زوریز کو نظر انداز کرنے پر زوریز نے اُسے آوازیں لگائیں۔

"نیند بہت آئی ہے بابا سونے جارہی ہُوں اور کُچھ نہیں۔۔۔"

پکوڑوں کی پلیٹ پکڑے ہر ایک آواز کو پیچھے چھوڑ کر وُہ ننگے پاؤں اندر کی جانب بڑھتے ہوئی بلند آواز میں بولی تھی۔

اُسکی آواز سے صاف ظاہر تھا وُہ تپی ہُوئی ہے۔

حنظلہ کی نگاہیں نیہان کے سینڈلز سے آزاد مرمریں پاؤں پر پڑیں تو اُسکا غصّہ نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

میں ہجر اور وصل دونوں مرحلوں میں ہوں
بیٹھا ہے میرے پاس وہ جانے کے بعد بھی

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

"حنظلہ بیٹا اندر چلیں؟"

زوریز نے سوال کیا تو اُسنے اثبات میں سر کو جُنبش دی اور اندر کی طرف بڑھے۔
پاؤں کے وُہ نشانات جو نیہان کے بھیگے پاؤں کی وجہ فرش پر بنے ہوئے تھے دیکھ کر دونوں رُکے۔
"بے عقل۔۔۔" تبھی حنظلہ زیرِلب کہہ کے مسکرایا۔

"تمھارا حلیہ نہان نے بگاڑا ہے نا۔"
زوریز نے ہنس کر سوال کیا۔
"نہیں انکل آج اُسکی کوئی غلطی نہیں تھی سب بے دھیانی میں ہوا لیکن ہر بار کیطرح مُجھ پر برسی بہت۔"
اسنے اپنے وجود کا جائزہ لیتے ہوئے ہنس کر کہا۔
"وُہ بچوں کیطرح شیطانیاں، کھیلنا، کودنا، لاڈلی ہونے کی وجہ سے ضد کرنا سب باتیں عام سی ہیں اُس میں۔ نظر انداز کرنا بہت مُشکِل ہے اُسکے رویے کو جانتا ہوں میں یہ بات لیکن۔۔۔"
زوریز بات کو ادھورا چھوڑ کر مسکرایا تھا۔
"لیکن نظر انداز کرنے میں ہی میری بھلائی ہے ہنہ۔۔۔۔ ورنہ کون سے ہاسپٹل کی کس وارڈ میں ہُوں گا میں، یہ جاننے سے پہلے ہی شاید اوپر پہنچ جاؤ گا۔"
حنظلہ نے ہنستے ہوئے بات مکمل کی۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

"بوا جی بابا واقعی آفس چلے گئے؟؟ مُجھے مِلے بنا وُہ آفس کیسے جاسکتے ہیں۔"

نیہان نے افسوس سے کہا۔

"نہیں بیٹا وُہ آئے تھے آپکے کمرے میں آپ سو رہی تھی اُور پھِر۔۔۔"

"اور پھر اُنہوں نے میری نیند خراب کرنا مناسب نہیں سمجھا، میرے ہاتھوں سے بک پکڑی۔۔ سائیڈ پر رکھی۔۔ کمبل ٹھیک کر کے میرے اُوپر اچھے سے دیا۔۔ ماتھا چُوما اُور مُجھے ایسے سوتا دیکھ مُسکرا کر چلے گئے۔"

نیہان نے ہاجرہ بِی کی بات مُکمل کی۔

جب تمھیں سب پتا ہی ہے لڑکی تو تُم مُجھ سے کیوں پوچھتی ہو، اُٹھو اُور یونیورسٹی کے لیے تیار ہو ورنہ لیٹ ہوگئی تو بولو گی میں نہیں جا رہی۔۔۔"

ہاجرہ بِی نے اُسکے خراب موڈ کا حساب لگاتے ہوئے بات کو دوسری طرف گھمانے کی کوشش کی۔

"ہاں تو نہیں جا رہی میں، بابا کو دیکھے بنا کیسے گُزرے گا آج کا سارا دِن میرا آپ خود ہی بتائیں۔۔!؟"

اِس بار اُسنے نہ جانے کی وجہ بتاتے ہوئے ہاجرہ بِی سے سوال کیا تھا۔

"کپڑے نکال دوں تمہارے۔۔؟؟"

ہاجرہ بِی نے اُسکی وجہ کو نظر انداز کرتے سوال کے بدلے سوال کیا جس کا کوئی جواب نہ دیتی ہوئی وہ مضطرب انداز میں اُٹھی اور وارڈروب کی طرف بڑھی۔

وارڈروب کھولتے ہی نیہان کی نیند میں ڈوبی آنکھیں حیرانگی سے کھلی کی کھلی رہ گئیں، تبھی تیزی سے وارڈورب بند کرتے وُہ اُسکے دروازوں سے پُشت لگا کر کھڑی ہو گئی اُور ساتھ ہی ایک عجیب مُسکراہٹ کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آنکھیں کر کے ہاجرہ بِی کی سمت دیکھنے لگی۔

اُسکے ایسے رویے پر ہاجرہ بی کو شک ہوا کُچھ تو گڑبڑ ہے اور واقعی گڑبڑ تھی بھی۔ ابھی کل ہی تو ہاجرہ بِی نے اُسکی ساری وارڈروب سیٹ کی تھی جبکہ آج حال دیکھنے والا تھا۔

"بوا جی آپ چلیں میں بھی آتی ہُوں بس ابھی تھوڑی دیر میں یہ سب سمیٹ کے۔"

نیہان نے شرارتی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر پر خلوص لہجے میں کہا تھا۔

گھبراہٹ میں جو نہیں کہنا تھا وُہ بھی اچانک اسکے منہ سے نکل گیا تھا۔

"کیا بِکھرا ہے جو تُم نے سمیٹنا ہے۔۔؟؟"

ہاجرہ بِی نے تشویشی نگاہوں سے گھورتے ہوئے دِل برداشتگی سے سوال کیا۔

"نہیں نہیں کُچھ بھی تو نہیں۔۔۔ ایسا کُچھ بھی نہیں بکھرا جو مُجھے سمیٹنا ہے، بس یونہی ویسے ہی مُنہ سے نکل گیا۔"

نیہان نے بات سنبھالنی چاہی مگر اور بگاڑ دی۔

"تمھارے منہ سے ایسا ویسا اور کُچھ نہیں نکلتا سوائے سچ کے جسے جب تک تم نہیں بتاتی تو تمہارے پیٹ میں مڑوڑ اُٹھنے لگ جاتے ہیں بیٹا جی۔"

ہاجرہ بِی نے سینے پر ہاتھ باندھ کر سوالیہ نگاہیں اُس پر مرکوز کیے دانت بھینچ کر کہا اور آخر میں اُسکی کمزوری بھی بتائی۔

"بوا جی۔۔۔"

آنکھیں میچ کر لفظوں کو لمبا کھینچتے ہوئے اُسنے الماری کے دروازے کھولے ہی تھے کہ چند کپڑے الماری سے نکل کر نیچے زمین پر اسکے قدموں میں آن گرے تھے۔

"لڑکی!!! یہ تم نے الماری کا کیا ستیاناس کر دیا۔۔۔ پورے ایک دِن کی محنت کیسے تُم نے منٹوں میں خراب کر دی۔ کوئی فرق کر سکتا ہے کہ یہ الماری ہے یا کوڑا دان۔۔۔؟؟؟ پورے ہفتے میں کِتنی بار میں تمھاری الماری ٹھیک کر چکی ہوں مگر دیکھنے سے لگتا ہی نہیں ہے کہ ایک بار بھی صاف کی ہو"

"بوا جی۔۔۔ بوا جی۔۔۔"

ہاجرہ بِی تنفر و تاسف سے بولتی جا رہی تھیں جبھی نیہان نے بلند آواز میں اُنہیں پُکارتے ہوئے خاموش کروایا تھا۔

"میں نے بھی تو آپکو ہزار بار بولا ہے کہ مت کیا کریں ٹھیک، اِنہیں ایسے ہی رہنے دیا کریں۔ مُجھے میرے کپڑے خراب، بکھرے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔ دیکھئے نا یہ مُجھے عزت دیتے ہیں۔۔۔ جب بھی میں الماری کھولتی ہُوں دو تین قدموں میں آ کر گر جاتے ہیں۔"

نیہان نے قدموں میں گرے کپڑے اُٹھا کر فخریہ انداز میں ایک ادا سے کہا تھا جس پر ہاجرہ بِی کو بہت غصّہ بھی آیا تھا اور ہنسی بھی۔ جِسے ہاجرہ بِی نے چُھپا لیا تھا۔

"یہ جو اُلٹی سیدھی کتابیں پڑھ پڑھ کے تُم نے جواب دینے سیکھ لیے ہیں نا، آج ہی آگ لگاتی ہوں میں اِنہیں۔ کچھ عقل سیکھو، سلیقہ مند بنو۔ جب دیکھو الٹی سیدھی حرکتیں، فضول باتیں۔۔۔"

"بس بھی کریں میری پیاری سی بوا جی۔۔۔ مت دیکھیں ایسے، ڈر لگتا ہے مجھے۔۔۔ اور یہ بتائیں، پاپا آج جلدی کیوں چلے گئے...؟؟

ہاجرہ بی کے گھور گھور کر ڈانٹنے پر نیہان نے اُنکے گرد باہیں حائل کیں اور اُنہیں اپنے حصار میں لے کر محبت بھرے لہجے میں معصومیت سے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا۔۔شاید حنظلہ بیٹے کی کوئی میٹینگ تھی اِسلیے جلدی چلے گئے ہوں گے۔۔"

ہاجرہ بی کا موڈ اُسکی معصومیت نے ٹھیک کر دیا تھا لیکن وہ ابھی نیہان کو ناراضگی ہی دیکھا رہیں تھیں۔

"اوہ!!!تو یہ وجہ ہے۔۔۔"

زیرِ لب کہتے جینز اور ٹاپ پکڑے وُہ واش روم کپڑے تبدیل کرنے کی غرض سے بڑھی تھی۔

"اب کہاں کی تیاری ہے تمھاری۔۔۔؟؟"

کُچھ منٹوں بعد تیار ہو کر وُہ دبے پاؤں ہاجرہ بی کی نظروں سے بچتی ہُوئی باہر کا دروازہ عبور کر چکی تھی تبھی پیچھے سے ایک آواز بلند ہوئی۔

"کہیں نہیں بوا جی، روبی آنٹی سے کُچھ کام تھا۔بس ابھی واپس آ جاتی ہوں تھوڑی دیر تک۔"

نیہان نے آگے بڑھتے ہوئے ایک نظر پلٹ کر دیکھا اور جواباً نرمی سے کہا۔

ہاجرہ بی اُسے نو دو گیارہ ہوتے ہوے حیرانگی سے دیکھ رہی تھیں۔

خارجی دروازے سے باہر نکلتے گاڑی کیطرف بڑھتے ہوئے اُس قد آور شخص نے اُسکے آگے بڑھتے قدم یکدم منجمند کر دیے تھے۔

جِسے دیکھ کر اسکی تیکھی سی چھوٹی ناک غصّے سے لال اور گلابی رنگت کچھ دہک کر انگارہ ہونے لگی تھی۔

روبینہ کی آواز پر اُس نے رک کر پیچھے کو مڑ کے دیکھا۔

"آآآآآآآآہ۔۔۔۔!!"

یہ زلزلہ خان ابھی اِدھر گھر میں ٹہل قدمی کر رہا ہے جناب اور بابا اِسکے کام کے لئے گھر سے کب کے آفس جا چکے ہیں۔

چھوڑوں گی نہیں اب تمھیں میں، جن کہیں کے، بس دیکھتے جاؤ کیا کیا کرتی ہوں میں تمھارے ساتھ۔۔

چہرے پر پتھریلے تاثرات سجائے لفظوں کو چبا چبا کر بولتے ہوئے وُہ تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی جبکہ حنظلہ روبینہ سے بات کرنے میں مصروف تھا۔

خُفیہ جاسوسوں کیطرح چُھپکے سے گاڑی کے پچھلے ٹائر کے پاس بیٹھتے ہی اُسنے اپنے بالوں سے پن نکالی تو اُسکی آنکھیں اپنی شرارت کی وجہ سے چمکنے لگیں۔

ٹائر کی ہوا نکالنے کے بعد پن دانتوں میں دبا کر وُہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور کام سر انجام دے کر دونوں ہاتھ جھاڑنے لگی۔

"یہ کیا احمقانہ حرکت ہے۔۔۔؟؟"

بھاری اور ذرا بلند آواز جس میں غصّے کی لغزش واضح تھی اسکی سماعتوں سے ٹکرائی تو پن موتی جیسے سفید نوکیلے دانت کی پکڑ سے آزاد ہوتے۔۔۔ ہوا میں لہرتی ہوئی زمین بوس ہوئی اور وُہ یکدم پلٹی۔ حنظلہ اسکے پیچھے کھڑا اُسے غصّے سے گھور رہا تھا۔

"اندھے ہو۔۔ نظر نہیں آتا۔۔ ٹائر پنچر کر رہی تھی۔"

اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کے بجائے وُہ کندھے اُچکا کر بنا کسی ڈر کے بولی تھی۔

"گاڑی کے ٹائر کی ہوا کیوں نکالی آپ نے۔۔۔؟؟"

حنظلہ نے بمشکل غصّہ ضبط کرتے دوسری سمت دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں نے گاڑی کے ٹائر کی ہوا نکالی ہے ناں کہ تمھاری، جو تُم ایسے ہی خامخواہ نیلے پیلے لال ہو رہے ہو۔۔۔"

نیہان نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اُسکی سُرخ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

وہ سختی سے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر حقارت آمیز لہجے میں بولا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے آپکا، یہ کیسی زُبان استعمال کر رہی ہیں آپ۔ اِس سے پہلے میں یہ بھول جاؤں کہ آپ زوریز انکل کی بیٹی ہیں یہاں سے چلی جائیں اور بولنا ذرا سیکھ لیں ورنہ اتنے بڑے بزنس مین کی بیٹی ایک گھمنڈی، انتہائی بد تمیز اور خود سر ہے۔۔ یہ کوئی نہیں مانے گا۔"

حنظلہ نے مدھم لہجے میں اُسے دھمکایا اور کلائی میں بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ٹائم دیکھا۔

"میں اگر گھمنڈی، انتہائی باتمیز اور خود سر ہُوں تو تُم کون ہو، کون ہو۔۔۔؟؟

بس خود کے ہی بارے میں سوچنے والے،

سب سے پہلے خود کو رکھنے والے،

ہر چیز میں خود کا نفع نقصان دیکھنے والے،

کون ہو تُم ایک خود غرض اِنسان۔۔۔؟؟

ہاں تُم ایک خود غرض اِنسان ہو، جو شخص تمھیں پریوریٹی دیتا ہے، اتنا پیار کرتا ہے تمھارے آدھے ادھورے کام ایک باپ کی حیثیت سے مُکمل کرتا ہے، جو شخص اپنی بیٹی پر تمھیں فوقیت دیتا ہے۔ اور تُم، تُم صرفِ اُنکی گڈ بکس میں رہنے کے لیے اُنکی جی حضوری کرتے ہو، آگے پیچھے گھومتے ہو، چمچہ گری کرتے ہو۔ اُور اُنکے پیچھے اُنکی لاڈلی معصوم بچی کو یہ بتا رہے ہو کہ اُسے بولنا نہیں آتا، ذرا تمیز نہیں ہے اسے، انتہائی بد تمیز، خود سر ہے وہ، ایک گھمنڈی لڑکی ہے۔ صحیح کہتے ہیں انگریز کہ بولنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے میاں۔۔۔ اب نہیں بچتے تُم میرے ہاتھوں۔ سیدھی شکایت بابا کو لگاؤں اور پھر دیکھنا کیسے تمہارے بزنس کی ٹانگیں ٹوٹتی ہیں، مسٹر اکڑو خان۔۔۔"

نیہان نے تو اپنی ساری بھڑاس منٹ میں نکال دی بلکہ آخری جُملے میں اُسنے تو بزنس برباد کرنے کی دھمکی تک دے دی تھی اسے۔

"میرے مطابق میری زُبان کٹی تو نہیں۔۔۔؟؟؟الحمداللہ صحیح سلامت لیکن فلحال مُنہ کے اندر ہے۔ہاں مگر انکل کے سامنے اپنی بند زُبان کھولنے میں مجھے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوگی تو ذرا سنبھل کے مِس لڑاکو شاہ۔۔۔اور اگر میں آفس سے لیٹ ہوا۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔میری سالوں کی محنت برباد ہوئی تو چھوڑوں گا نہیں تمھیں۔"

حنظلہ نے اُسکا بازو دبوچ کر خون کے گھونٹ پیتے ہوئے دانت بھینچ کر سختی سے کہا تھا اور آخری جملے میں پہلی بار اُسے تُم کہہ کر مخاطب بھی کیا تھا۔

نیہان کے سینے میں چھپا ڈر اب ہولے سے لرزہ تھا لیکن اُسنے چہرے سے کُچھ اخذ نہیں ہونے دیا تھا۔

"پتا تھا، پتا تھا مُجھے کہ تم جھوٹی چاپلوسی کرکے ایک نہ ایک دِن تنگ ضرور آ جاؤ گے۔"

اُسنے اَپنا بازو اُسکی مضبوط گرفت سے بمشکل آزاد کرواتے ہُوئے طنزیہ مُسکرا کر کہا۔

"ویڈیو بناؤ تم، شاید بابا جانی تمھاری باتوں کا یقّین نہ کریں کہ میں نے تمھاری گاڑی کا ٹائر پنکچر کیا اور تُم میری وجہ سے لیٹ ہوئے اور تب تک میں باقی کے ٹائروں کی ہوا نکالتی ہُوں۔"

اسنے ترکیبی انداز میں حنظلہ کو ویڈیو بنانے کا مشورہ دیتے ہوئے باقی بالوں کو دوسری پن سے آزاد کیا تو اسکے ریشمی خوبصوت بالوں سے کچھ آوارہ لٹیں نکل کر اسکے دودھیا چہرے پر رقص کرنے لگیں۔

وُہ ٹائروں کی ہوا نکالتے ہوئے ساتھ ساتھ بولتی جا رہی تھی۔ جبکہ وُہ دور کھڑا سارا منظر دیکھتا غصّے سے پاگل ہو رہا تھا لیکن خاموش کھڑا اُسے گھورتے ہُوئے بمشکل ضبط کے گھونٹ پی چکا تھا۔

"پتا ہے میں پورے تین سال تُم سے چھوٹی ہُوں اُور تُم پورے تین سال مُجھ سے بڑے ہو۔ لیکن پھر بھی تُم مُجھے 'آپ' اور میں تمھیں 'تُم' بولتی ہوں۔ ایسا صرفِ تُم اِس لئے کرتے تھے کہ تُم بڑے کوئی تمیز دار، اچھے اِنسان نظر آؤ ہنہ۔۔۔!!!ورنہ تُم مُجھے آپ آپ کر کے عزت دو یہ کوئی آسان بات تھوڑی ہے تمھارے لئے۔۔۔ تبھی تو یہ حقیقت بھی کھل گئی آج میرے سامنے۔"

نیہان اب اُسکے تُم کو پکڑ کے بیٹھ گئی تھی اُور بحث وُہ ہمیشہ سے ہی اچھی کر لیتی تھی تو اِسطرح وقت گزرتا جا رہا تھا اُور حنظلہ کو ٹائم کا کُچھ پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔

"توں تراں" کروُہ تمھاری مرضی "مجھ سے تین سال چھوٹی ہو کر تُم مُجھے

اور میں "آپ آپ" دیکھانے کے لئے بولوں یا عادتاً یہ میری مرضی۔۔ تمھیں مجھے رُوکنے ٹوکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ آئی بات سمجھ۔۔۔"

حنظلہ نے دوٹوک سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے طنز کیا تھا۔

"یہ 'آپ جناب' کہہ کر مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں۔۔۔۔؟؟ ذرا بتانے کی زحمت گوارہ کرسکتے ہیں آپ۔۔۔؟؟"

جانچتی نگاہیں اس پر ڈالے "آپ" لفظ پر ذرا زور دیتے وہ طنزیہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

"جی کیوں نہیں گھر آکر بتانے کی زحمت کروں گا نہ۔۔۔!!"

وُہ طنزیہ مُسکراتے ہُوئے جواباً بولا۔

وُہ اصل جواب کی منتظر دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے ہنوز نا سمجھی سے اسے گھور رہی تھی۔

"میری گاڑی آگئی ہے پیچھے ہٹو مجھے جانا ہے اور ہاں اگر آج میں نے تُمہیں "تُم" بولا ہے تو آئندہ تُمھیں "آپ" نہیں بولوں گا۔۔!!"

حنظلہ نے سڑک پر چلتے ہوئے کہا۔

"شائد تمھیں پتا نہیں تُم پچھلے پورے ایک گھنٹے سے میرے ساتھ فضول بحث کر رہے تھے۔ اب تک تو میٹنگ ہو چکی ہو گی۔ کیا فائدہ، اب جا کر کیا کرو گے۔۔۔؟؟ رہنے دو۔۔۔ میری مانو تو گھر جاؤ اور انڈہ بریڈ ختم کرو جو پلیٹ میں آدھا چھوڑ کر اپنی طرف سے آپ جناب جلدی سے آفس کے لئے نکلے تھے۔"

ٹھہرے ہوئے لہجے ذرا بلند آواز میں بولتی ہوئی وہ اُسکے پیچھے تیز تیز چلتی آرہی تھی لیکن حنظلہ نے ایک بار بھی مڑ کر اُسکی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اب وُہ بجلی کی تیزی سے اُسکے مقابل بازوں پھیلائے اُسکا راستہ رُوکے آن کھڑی ہوئی تھی۔

حنظلہ کا ضبط اب ٹوٹ رہا تھا، برداشت جواب دے رہی تھی۔ اگر نیہان کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک شاید وُہ اُسے سبق سیکھا چُکا ہوتا لیکن نیہان کو کُچھ کہنا کسی بڑی مصیبت کو دعوت دینے جیسا تھا سو اِس لیے جب بھی اُسکا سامنا نیہان سے ہوتا یا نیہان اُسکے سامنے آجاتی تو وہ اپنا راستہ ہی بدل لیتا۔ اور اگر اتفاقاً اُسکا

آمنا سامنا نیہان سے ہو بھی جاتا تو وُہ انتہائی ادب، سلیقے اور خلوصِ دل سے اُس سے پیش آتا، وجہ یہی ایک تھی کہ وہ زوریز کی بیٹی ہے، دوسری یہ وُہ ایک بد دِماغ لڑکی ہے۔۔

□□□□□

"بحث میں کر رہا تھا۔۔ یہ اِلزام بھی تُم مجھے ہی دو گی یہ بات میں اچھے سے جانتا تھا اور اگر دوسری بات پر آئیں کہ مُجھے گھر بیٹھ کر انڈہ بریڈ کھانا چاہیئے یا آفس جانا میرے لیے بہتر ہو گا تو اُسکے لئے بہت ٹائم ہے میرے پاس۔۔ فالحال ابھی آٹھ دس ہوئے ہیں میٹنگ نو پندرہ پر ہو گی۔۔۔ میرے پاس پورا ایک گھنٹہ اور پانچ مِنٹ باقی ہیں۔ آفس جانے میں تقریباً مُجھے بیس حد پچیس مِنٹ لگیں گے اُور اگر مزید تمھیں کُچھ دیر اور بحث کرنے دوں تو تیس پینتیس مِنٹ لگ سکتے ہیں۔ یہ سب بتاتے ہوئے دو منٹ اور گُزر گئے یعنی آٹھ بارہ ہو چکے ہیں۔ بارہ اور پینتیس مطلب کے آٹھ سینتالیس تک با آسانی میں آفس پہنچ چکا ہوں گا۔ پھر تین مِنٹ میں ایک نظر اچھے سے سٹاف کو دیکھوں گا یہی کہ کُچھ گڑبڑ کی یا نہیں اُنہوں نے اور پھر نو دس مِنٹ میں پروجیکٹ فائل ایک بار دوبارہ ریڈ کرنے کے بعد پاپا اور انکل سے ڈسکس کروں گا۔ پیچھے پانچ چھ مِنٹ رہ جائیں گے اور کلائنٹ وقت کے کافی پابند ہیں اِسلئے پانچ مِنٹ پہلے آئیں یہ اُمید پوری ہے۔ اُور جو اوپر کے دو تین منٹ بچتے ہیں وُہ میں پہلے ہی تُم پر وقف کر چکا ہوں۔ سو اب پیچھے ہٹو اور راستہ چھوڑو میرا۔ اور یہ سب بتانے کا مقصد یہ تھا کہ محترمہ کے پوچھنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔"

گھڑی دکھاتے اگلے پورے گھنٹے اور پانچ منٹ بناڑ کے روانگی سے اُسنے حساب دیتے نیہان کو ایک طرف دھکا دیا اُور خود اُسکے سائیڈ سے گزر گیا۔

"جاہل، جنگلی، جانور پاگل کہیں کا۔ کوئی اتنی بے رحمی سے دھکا دیتا ہے کیا۔۔؟؟"

نیہان غصّے سے حلق کے بل چیخی تھی۔

"ویسے یہ خرِ دماغ اپنے حساب کا کتنا پکا ہے لیکن میں بھی تو نیہان زوریز شاہ ہُوں اتنی آسانی سے ہار تھوڑی مانوں گی۔"

وُہ زیرِ لب کہتی ہُوئی اُس سے پہلے گاڑی کے دائیں طرف پیسنجر سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

جب وُہ بائیں طرف سے گاڑی میں بیٹھا اور ڈرائیور سے گاڑی سٹارٹ کرنے کا کہا تو صحیح معنوں میں اُسے دھچکا لگا تھا۔

"اترو گاڑی سے۔۔"

حنظلہ نے کم آواز مگر سخت لہجے میں کہا۔

"میں نہیں اُتروں گی، تمھیں اُترنا ہے تو تم اُتر جاؤ۔۔ تمھاری مرضی"

نیہان نے آہستگی سے بولا۔

"تُم اُترو گی۔۔۔ ٹیکسی میں نے بُک کی ہے میں کیوں اُتروں گا۔"

اُس نے تحکم سے کہتے آخری جُملے میں سوال کیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے گاڑی تُم نے ہی بُک کی ہے لیکن بیٹھی پہلے میں ہُوں۔اِس لئے میں تو نہیں اُتر رہی۔"

نیہان نے جواباً پُر سکونی سے کہا۔

جِس پر وُہ حیرانگی سے اُسے یک ٹک دیکھنے لگا۔

کُچھ لمحے خاموشی کے بعد بلآخر وُہ بولی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔۔ کچا چبانے کا ارادہ ہے کیا۔۔؟؟"

نیہان نے شائستگی سے سوال کیا۔

"نہیں!! میرا اتنا خراب ٹسیٹ نہیں ہے"

"اگر جواب مِل گیا ہو تو چلو شاباش اب گاڑی سے جلدی باہر نکلو"

حنظلہ نے جواب دیتے اُسے ایک بار پھر اُترنے کا کہا۔

"ایک بار کا کہا تمھیں سمجھ نہیں آتا یا پھر گونگے ہو تُم جو اتنی دفعہ کا کہا سنائی نہیں دیا تمھیں۔۔۔؟؟ نہیں مطلب نہیں، ایک بار کہا نا میں نے۔۔ نہیں اُتروں گی تو نہیں اُتروں اور ہاں یہ خراب کس کو کہا تُم نے...؟؟؟"

نیہان نے سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی تھی جسے وُہ نظر انداز کر کے تپے ہوئے لہجے میں ڈرائیور کو گاڑی سٹارٹ کرنے کا کہہ چُکا تھا۔

کیونکہ اُسے پتا تھا نیہان کو کُچھ کہنا مکھیوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا پر ہاتھ تو وُہ اب ڈال چُکا تھا۔

"میں اپنی آج کی چھٹی، اپنا ٹائم، اپنے الفاظ، اپنی محنت کسی بھی صورت رائگاں نہیں جانے دونگی جان لو تم یہ بات اچھے سے۔۔ میں نے اپنی زُبان تھکائی۔۔ اپنا وقت، اپنے الفاظ تُم پر یُونہی ضائع نہیں کی ئے۔۔ تمھاری وجہ سے بابا آج مجھے مِلے بنا آفس چلے گئے اور تُم ہو کہ تُم پر کوئی اثر نہیں ہو ابد لحاظ ڈھیٹ کہیں کے۔۔"

نیہان مُسلسل بولتی جا رہی تھی۔ حنظلہ کے چہرے پر چڑچڑاہٹ واضح تھی۔ بلکہ حنظلہ کے ساتھ ساتھ ڈرائیور بھی پریشان ہو چُکا تھا اُسکی نون سٹاپ چپکپ سُن کر۔

ڈرائیور نے منزل تک پہنچا کر اور حنظلہ نے منزل تک پہنچ کر۔۔۔ بلآخر دونوں نے سُکھ کا سانس بھرا تھا۔

"سر آ گئے ہیں"!!

ریسیپشنسٹ نے حنظلہ کے آفس میں قدم رکھتے ہی فوراً فون کر کے آگے خبر کی۔

"سنو سب سر آ گے ہیں۔۔!!"

فون سُننے والے نے باقی سبھی ایمپلائز کو باخبر کیا۔

کُچھ لمحوں کی ایسی افرا تفری کے بعد جو سکونت اختیار ہوئی تھی وہ حیران کر دینے والی تھی۔ نیہان اپنی آنکھوں کے سامنے کا منظر صرف تصور ہی کر سکتی تھی کیُونکہ وُہ گلاس ڈور سے سبھی کو اِدھر اُدھر بھاگتا دیکھ چکی تھی۔

یہ سب اپنی اپنی جگہوں پر ایسے بیٹھے ہیں جیسے اُٹھے ہی نہیں تھے۔۔ نظم وضبط کے ساتھ ساتھ کام، کام تو ایسے کر رہے ہیں جیسے کہ بہت ہی کوئی محنتی ہوں اور سارے سال کا کام اِنہیں ابھی آج ہی ہر حال میں ختم کرنا ہو۔

"یہ افرا تفری بھاگ دوڑ میری آمد کی خوشی میں تھی یعنی مجھے دکھانے کے لئے یا پھر زنزلہ خان کے ڈر سے تھی...؟؟"

نیہان ریسیپشنسٹ کے سامنے ساری بات رکھتے ہوئے وجہ پوچھ رہی تھی۔

"زنزلہ خان (آئی مین ٹو سے) حنظلہ خان کے ڈر سے۔"

ریسیپشنسٹ نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

جِس پر نیہان اپنی ہنسی نہ رُوک پائی اور اُسکا قہقہہ خاموشی توڑتا ہوا فضا میں بلند ہوا۔

"مجھے اپنے آفس میں کسی بھی قسم کی کوئی بھی بد مزاجی نہیں چاہیے۔"

حنظلہ نے پلٹ کر تلخ لہجے میں کہا جس پر نیہان نے اُسے گھوری سے نوازا۔"

روبینہ کو پورا یقین تھا کہ حنظلہ اپنے کام میں کامیاب ہو جائے گا اِس لیے اُسنے کھانا پکانے میں تھوڑی بہت مدد کے لیے ہاجرہ بِی کو اپنی طرف بُلا لیا تھا۔

"بہت بہت مبارک ہو بیٹا۔"

کلائنٹس کے جانے کے بعد زوریز نے حنظلہ کو اپنے مشترکہ کاروبار کی کامیابی پر ہاتھ مِلا کر مبارکباد دی تھی۔

"میرے بھائی تمھیں بھی بہت بہت مبارک ہو۔"

اپنی نشست سے اُٹھ کر بغل گیر ہوتے ہوئے حیدر نے زوریز کو خوش مزاجی سے کہا۔

"ٹننننن۔۔۔"

میسیج کی آواز آتے ہی زوریز کا فون جگمگایا تھا۔موبائل پر آیا نوٹیفکیشن دیکھ کر اُسکے چہرے کی خوشی کہیں غائب ہوگئی تھی،اِسکی جگہ افسردگی کے تاثرات اُمڈ آئے تھے۔

□□□□□

پیار اور اُولاد سے جُدائی کی سزا سُنا کر زوریز نے عالیہ کو ارمینہ کا خون معاف تو کر دیا تھا لیکن اُسے طلاق دے کر جیتے جی مار ڈالا تھا۔

تنہائی سے تن تنہا اکیلے لڑ لڑ کر وُہ نیم پاگل ہو چکی تھی۔ایسے ہی اُور کئی بیماریوں کی شکار آہستہ آہستہ اندر سے بلکل ہی ختم ہوتی جارہی تھی۔

تنہائی جیسے لاعلاج مرض میں مبتلا آخر موت کو گلے لگا کر تین مہینے پہلے وہ اپنے دردوں سے چھٹکارہ حاصل کر کے اپنی ہر تکلیفِ سے آزاد ہوگئی تھی۔

□□□□□

"مم۔۔۔میم آپ اندر نہیں جاسکتیں،سر نے منع کیا ہے۔۔۔آپکو اندر نہیں جانے دینا۔۔۔نیہان مم۔۔میری بات سُنیں۔۔۔مم۔۔۔میری نوکری چلی جائے گی۔۔پلیز۔۔رک جائیں۔۔۔"

ریسیپشنسٹ اُس کے پیچھے چلتے ہوئے اُسے لگاتار رُوکنے کی کوشش کررہی تھی۔

"کُچھ نہیں ہوتا۔۔جاؤ تُم۔۔نہیں جاتی تمھاری نوکری اور اگر ایسا ہوا بھی تو میں خود اِس کھڑوس سے نپٹ لوں گی"

نیہان نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ایک جھٹکے سے وُہ دروازے پر بنا دستک دیئے اندر داخل ہوگئی تھی۔

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو۔۔۔؟؟"

حنظلہ سے سوال کرتے ہی نیہان کی نظریں زوریز پر پڑیں۔

"بابا۔۔۔"

زیرِ لب کہتے ہوئے اُسکی طرف بھاگی۔ زوریز کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی جسے وُہ چاہ کر بھی چُھپا نہیں سکتا تھا۔

حیدر عالیہ کے ڈیتھ سرٹیفکیٹ کی تصویر زوریز کے موبائل میں دیکھ کر خود دنگ رہ گیا تھا۔

" آپ رو رہے ہیں بابا۔۔۔اِدھر دیکھیں۔۔۔ آپ رو رہے ہیں۔"

نیہان نے اُسکے دوسری سمت دیکھنے پر سامنے سے سوال کیا۔

"بیٹا تُم۔۔۔ تمھاری ماں۔۔۔"

جُملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے اُسنے نیہان کو سینے سے لگا لیا تھا۔

"نیہان بچے ارمینہ بھابھی کی یاد آرہی ہے اِسے۔"

حیدر نے زوریز کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

زوریز کے سینے لگے اُسنے بہت سارے ضبط کے آنسو اپنے اندر اُتارے تھے۔

وُہ حنظلہ کے سامنے اپنے آنسو ضائع نہیں کر سکتی تھی لیکن آنسوں تو آنسوں ہیں۔اِن پر کہاں کِسی کا اختیار ہوتا ہے،اپنی مرضی سے پلکوں کی باڑ توڑ کر آجاتے ہیں۔جبکہ اِدھر ذکر بھی اُسکی ماں کا تھا تو کیسے اُسکے آنسو آنکھوں کی قید میں رہ سکتے تھے۔ تبھی ایک آنسو قطار کی صورت بہہ نکلا جِسے اُسنے فوراً پونچھا تھا کہ کہیں حنظلہ نہ دیکھ لے۔

لیکن کسی نے اسکا آنسوں دیکھ لیا تھا۔۔نہ چاہتے ہوئے بھی ایک درد سا دِل میں اُٹھا تھا۔ نجانے کیوں نیہان کے آنسوؤں نے حنظلہ کو بے چین کیا تھا۔

"باباجانی آپکو مما کی یاد آ رہی ہے۔۔۔؟؟"

وُہ باپ سے الگ ہوئی اور اُنکے آنسو پونچھتے ہوئے سنگینی سے بولی۔۔

زوریز نے اسکے سوال پر سر کو اثبات میں جُنبشِ دی۔

"باباجانی جب آپ دُکھی ہوتے ہیں تو مما دُکھی ہوتی ہیں۔ اِسلیئے مما کو خوش ہو کر یاد کیا کریں نا کہ اُنہیں یاد کر کے دُکھی ہوا کریں کیونکہ یقیناً آپکے درد سے ابھی بھی مما کو تکلیفِ پہنچ رہی ہو گی۔"

نیہان کی باتوں سے زوریز کے چہرے پر اطمینانیت کی لہر دوڑی تھی۔ اُس نے صبر کا گھونٹ پی لیا تھا۔

"اپنی ماں کی طرح اچھی اور سمجھدار باتیں کرنا کہاں سے سیکھا ہے۔۔؟؟"

زوریز نے فخریہ انداز میں گردن کو ذرا اُٹھا کر سوال کیا۔

"اُنکی بیٹی ہوں۔۔ انہی کا عکس ہُوں۔۔ ظاہر ہے باتیں بھی تو اُنکی طرح کروں گی۔"

نیہان جواباً مُسکرا کر مُحبت بھرے لہجے میں کہا۔

"چلو گھر چلتے ہیں۔ حنظلہ کی ان تھک محنت اور کامیابی کی خوشی میں روبی نے کھانے میں کافی کُچھ بنایا ہے۔"

حیدر نے سب کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"یقیناً سب اپنے لاڈلے کی پسند کا ہی بنایا ہوگا اُنہوں نے۔"

نیہان نے نظریں پھیرتے ہوئے بےزاری سے کہا۔

"نیہان بُری بات بیٹا۔"

زوریز نے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

"تو ایسا نہیں ہے کیا...؟؟""

نیہان نے حیدر کی سمت دیکھ کر قدرے ناگوری سے سوال کیا۔

"ممکِن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکِن روبینہ کے ساتھ مدد ہاجرہ بِی نے بھی کروائی ہے۔"

نیہان کے بال سُہلاتے ہوئے حیدر نے اُسے بتایا۔

"پھر تو میری پسند کا بھی خیال رکھا گیا ہو گا۔یقیناً میری پسند کا بھی کُچھ نہ کُچھ ضرور بنایا ہو گا اُنہوں نے۔"

وُہ بے اختیار بولی۔

"چلیں...؟؟"

زوریز نے سوال کیا۔

"ہمم چلیں۔۔۔!!"

نیہان خوش اخلاقی سے بولی۔

"ہم اولڈیز میں آپ بور ہو جائیں گی بیٹا جی تو بہتر ہے آپ میرے لال کے ساتھ آجایئے گا۔"

حیدر نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"آپکے لال کی کمپنی تو جیسے بہت انجوائے کروں گی نا میں۔"

نیہان نے حنظلہ کی جانب دیکھ کر طنزیہ کہا۔

"یہ بچے بھی نا۔۔"

حیدر زیرِ لب کہتا ہوا زوریز کے ساتھ باہر نکلا۔ زوریز کے چہرے سے دُکھ ابھی بھی واضح تھا۔

"مسئلہ کیا ہے تُمھیں مُجھ سے۔۔؟؟"

حنظلہ نے چڑ کر پوچھا۔

"مسئلہ تُم سے نہیں۔۔۔ بلکہ تُم ہی تو ایک مسئلہ ہو بہت بڑا۔"

نیہان نے تلخ لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔

""آخر تم میرے بارے میں اتنا غلط کیوں سوچتی ہو۔

نیہان کو سوالیہ نظروں سے گھورتے ہوئے اُسنے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"کیونکہ تُم غلط ہوتے ہو۔۔ شایدِ اسی لیے۔"

نیہان نے آہستگی سے کہا۔

"غلط میں نہیں، غلط تمھاری سوچ ہے۔"

حنظلہ نے لفظوں کی ادائیگی چبا چبا کر کی تھی۔

اُسکی آنکھوں میں اُترتا خون اور چہرے کی سختی دیکھ کر نیہان ہڑبڑا سی گئی۔

"تُمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا میری سوچ کو غلط کہنے کا، جانتی ہوں تُمھیں غلط کہنے کی میں نے بھی کوئی ڈگری نہیں لے رکھی۔ لیکِن تُم غلط ہوتے ہو تبھی تُمھیں غلط کہتی ہُوں ورنہ مُجھے کوئی شوق نہیں کھڑوس جن نما بندر کے منہ لگنے کا۔"

نیہان تنفر سے بولتی جارہی تھی جبکہ حنظلہ کے تاثرات سے عیاں تھا کہ وُہ بس اب پھٹنے والا ہے۔

اور اُسکے ہاتھوں نیہان کی شامت پکی ہے۔

"اُور اب تک کیا غلط کیا میں نے۔۔۔؟؟"

وُہ اپنے غصّے کو ضبط کرتا تشویش چہرے پر سجائے نیہان کی جانب مبذول ہوا۔

"تمھارے پاس باپ ہے، تمھاری ماں بھی ہے۔ میری پاس میری ماں نہیں۔۔۔ماں باپ دونوں کا پیار مُجھے بابا سے مِلا۔۔۔ اب جو ہیں میرے لئے سب وہی ہیں دوسرا کوئی نہیں۔۔ اور میرے بابا صرف میرے ہیں۔۔۔۔"

وُہ نمی آنکھوں میں لیے معصومیت سے بول رہی تھی کہ اچانک اِسکے لہجے میں تلخی اُبھر آئی۔

"اُن پر اور اُنکی مُحبّت و شفقت پر صرفِ اور صرفِ میں اپنا حق سمجھتی ہوں۔ کسی عیرے غیرے کا بِلکُل نہیں اور جو تُم اُنکی چاپلوسی کر کے اُن سے میرے حصے کا آدھا پیار بٹورنے کی کوشش کرتے ہو۔۔ یہ غلط کرتے ہو تُم۔۔"

نیہان بولتی جارہی تھی اور حنظلہ کا غصّہ اب پارے کو چُھو رہا تھا۔۔

نیہان کی جانب بڑھتے ہوئے کئی رنگ اسکے چہرے پر نمودار ہوئے اور جاتے گئے۔ جبکہ نیہان اسکو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہیں اپنی جگہ سیدھی کھڑی پریشانی سے انگلیوں کو مختلف زاویوں میں مڑورتے ہوئے یہ سوچنے لگی کہ شاید اُسنے آج کُچھ زیادہ ہی بول دیا ہے۔

تبھی حنظلہ نے یکدم اُسکا بازو تھام کر جھٹکے سے اُسے خود کے نزدیک کیا۔ وُہ حنظلہ کے قریب ہوئی تو جھینب سی گئی۔

حنظلہ اُسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جبکہ نیہان نظریں جھکائے بہت ہی عجیب احساس محسوس کر رہی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔۔۔!!"

وُہ حنظلہ کو خود سے دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسکی اس زحمت پہ حنظلہ نے اُسکا دوسرا بازو بھی دبوچ کر اپنی پکڑ کو اور مضبوط کرتے ہوئے نیہان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"ایسے تو میرے ماں باپ بھی مُجھ سے زیادہ تُم سے محبت کرتے ہیں، تُمھیں اہمیت دیتے ہیں، اتنا چاہتے ہیں تمھیں لیکن مُجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی تُمھیں یہ کہا ہو کہ وہ میرے ماں باپ ہیں پھر تمہیں مجھ سے زیادہ پیار کیوں کرتے ہیں۔۔۔؟؟ مشورہ بس یہی ہے کہ محترمہ اپنی سوچ کے ساتھ ساتھ آپکو اپنا دل بھی بڑا کرنے کی ضرورت ہے جو قدرے بہت چھوٹا ہے۔"

حنظلہ کی آواز دھیمے لہجے سے بھری ہوئی شدت اختیار کر رہی تھی۔ کیونکہ وُہ سمجھ چکا تھا نیہان کی اُس سے نفرت کس وجہ سے ہے اور وجہ اُسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"چھو، چھوڑ، چھوڑو مجھے درد ہو رہا ہے جلاّد کہیں کے۔۔۔!؟"

نیہان بنا دیکھے نظریں جھکائے ہچکچاتے ہوئے حیوان نما اِنسان کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر بولی۔

"آئندہ مت کہنا مُجھے کہ تمھارے حصے کا پیار میں بٹورنے کیلئے انکل کی چاپلوسی کرتا ہوُں۔"

اپنی مضبوط گرفت سے نیہان کو آزاد کر کے دونوں بازوں کو کمر کے پیچھے باندھے وُہ بڑے تحمل سے اُسکے سامنے گو ہوا۔

"اوہ۔۔ ہیلو مسٹر۔۔!!!"

"شُکر ہے جانوروں سے بھی ہٹ کر سوچا تُم نے کہ میں بھی ایک انسان ہُوں۔۔۔"

پہلی دفعہ نیہان کی بات کو کاٹتے ہوئے مزید زچ کرتے ہوئے حنظلہ اُسکی جانب انگاری نظروں سے دیکھ کر طنزیہ بولا تھا جس پر وُہ آنکھیں گھوما کر جھنجھلا کر بولی۔

"دیکھو۔۔میرا دِل، میری سوچ دونوں ہی بہت وسیع ہیں۔جان لو یہ بات تو اچھا ہے تمھارے لیے کہ میرا دِل بہت بڑا ہے اور سوچ، سوچ بھی۔بہت ہی اونچا سوچتی ہوں میں بہت ہی اونچا۔۔آئی سمجھ۔۔۔!!"``

آخری جملہ اُسنے ڈھٹائی اور اکڑ کر اُنگلی سے تنبیہہ کرتے ایک ادا سے کہا تھا۔

"ہاں ہاں اپنے قد سے اونچا، بہت اونچا سوچتی ہو لیکن تمھاری سوچ ہمیشہ میرے قد سے چھوٹی، بہت چھوٹی ہوتی ہے اِسلیے قد سے اونچا سوچنا بیکار ہے تمھارا کیونکہ چھٹانک بھر کی تو سوچ ہے تمھاری۔۔۔اور ماشاءاللہ دِل کتنا بڑا ہے تمھارا۔۔۔مُجھ پر بیگانہ اِلزام لگا کر یہ بھی ثابت کر چکی ہو تُم۔"

ہونٹ بھینچ کر بمشکل ہنسی دباتے ہوئے حنظلہ نے بھویں اچکا کر اُسے چِڑاتے ہوئے طنز کیا تھا۔

نیہان کی بھویں اپنی جگہ سے اوپر چلی گئیں اور ماتھے پر چند ناگواری کے بل نمودار ہو گئے۔

اُسکے تاثرات سے غصّہ واضح تھا۔

نیہان نے اُسکی بات سُنی تو بولنے لگی لیکن حنظلہ نے باہر کو بڑھتے ہُوئے اُسے بولنے سے رُوکا لیکن وُہ کہاں اپنے الفاظ لبوں پر آنے سے روک سکتی تھی۔

مجھے، میرے قد، میری سوچ کو چھوٹا بول کر اچھّا نہیں کیا آج اِسنے۔

آخر سمجھتا کیا ہے خود کو یہ جراف کہیں کا۔۔۔

اِسکا حساب بھی ضرور پورا کروں گی اِس لمبوترے سے۔۔۔

آخر اپنے حساب کتاب کی بہت پکی جو ہوں میں۔اگر میں نے سود سمیت پُورا وصول نہیں کیا تو میرا نام بھی نیہان شاہ نہیں۔

روہانسی سی شکل بنا کر انگلیوں کو مختلف زاویوں میں مڑوڑتے ہوئے وُہ خود کلامی کر رہی تھی۔

"آ رہی ہو یا چھوڑ جاؤں تمھیں۔۔۔؟؟"

تبھی ایک بھاری آواز جو وُہ سُننے سے اجتناب کر رہی تھی اسکی سماعت سے ٹکرائی۔

"چھوڑ کے جاؤ تو یہ حساب بھی پُورا کر لوں گی تُم سے۔"

زیرِ لب کہتے بیزاری و ناگواری کے مِلے جلے تاثرات چہرے پر سجائے پیر پٹختے ہوئے وُہ اُسکی جانب بڑھی تھی۔

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو

ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

□□□□

باب نمبر 9

"میں نہیں جانتا یہ آزمائش ہے یا پھر سزا۔ اللہ میری مدد کر، اگر یہ کوئی آزمائش ہے تو مُجھے اِس میں کامیاب کر اور اگر سزا ہے تو میرے پیارے ربّ مُجھے مُعاف کر دے، مُجھے دُکھوں سے نجات دے۔۔۔ میرے آنسوؤں کو خُشک کر دے۔۔۔ میرے اللہ میری مدد فرما، میرا درد کم کر دے، پیارے ربّ اپنے حبیب کے صدقے مجھے تکلیفِ سے بچا۔۔۔ مجھے تکلیفِ سے بچا۔۔۔ میرے مالک مجھے تکلیفِ سے بچا۔"

وُہ آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں پر ہاتھ دبائے التجائیہ لہجے میں ربّ تعالیٰ سے خود کو غموں سے پرے رکھنے کی درخواست کر رہا تھا۔
حیدر زوریز کے درد اور اُسکی تکلیفِ سے بخوبی واقف تھا۔

سڑک کے کنارے گاڑی رُوکے وُہ اُسکے دُکھ میں شریک اور ایک جگری دوست ہونے کی حیثیت سے خاموش بیٹھا افسردگی سے اُسے سُن رہا تھا۔

"حیدر میں اُس سے ملنا چاہتا ہُوں، اُسے دیکھنا چاہتا ہوں، اُسکی قبر۔۔۔ قبرستان جانا چاہتا ہُوں۔۔۔ حیدر میں اُسکے پاس جانا چاہتا ہوں یار۔"

زوریز نے بمشکل آنسوؤں پر بند باندھ کر ملول لہجے میں حیدر کو اپنا حالِ دل سنایا تھا۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

یہ تو آدھا بھی نہیں جِس پہ تڑپ اُٹھے ہو
تُم نے دیکھا ہی نہیں ہجر مُکمل جاناں

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

وُہ زوریز جو اپنے اندر کی تکلیفیں تک لوگوں پر عیاں ہونے نہیں دیتا تھا، آج دوست کے سامنے بکھر گیا تھا۔

جبکہ حیدر کی ہمت خود جواب دے رہی تھی۔ دوست کو تڑپتا دیکھ کر اُسکی آنکھیں بھی اشک بار ہونے لگی تھیں۔

"اُسکے پاس جانا ہے، ملنا ہے، قبرستان جانا۔۔۔"

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم۔ یار وُہ تھوڑی یہاں پاکستان میں دفنائی گئی جو میں تمھیں۔۔۔"

"جِس شہر میں اُسکی مُحبت کا بسیرا تھا، یقیناً اُسی شہر کی خاک میں خاک ہونا___ آخری خواہش بن کر اُسکے لبوں پر ضرور آئی ہو گی۔ میں جانتا ہُوں میں نے غلط ۔۔۔بہت غلط کیا میں نے اُسکے ساتھ لیکِن جو اُسنے میرے ساتھ کیا وُہ بھی تو نا قابلِ برداشت تھا۔۔۔"

"ایک بے قصور کی جان لے کر کیا پا لیا اسنے۔۔۔؟؟"

ارمینہ کے ذکر سے اسکی مکدر آواز میں اب سختی در آئی۔

"کیا میرا اللہ نہیں جانتا کہ مجھے چند ماہ پہلے روح پوش ہونے والی ذات سے کبھی بھی انسیت نہیں تھی بلکہ میری چاہت سراپا محبت تھی جو آج بھی میرے دل کے ایک ایسے کونے میں زندہ درگور کی ہوئی ہے جو ہر شام ہلکی تاریکی کے اترنے سے کالی رات کی گہری تاریکی سے سہمی صبح زوال تک بری طرح میرے سینے میں چیختی ہے۔۔۔!!"

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

اِتنے حصوں میں بٹ گیا ہوں میں

میرے حصے میں کچھ بچا ہی نہیں

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

خیر اب مُجھے نہیں سوچنا کسی کے بھی بارے میں۔۔""

حیدر بول رہا تھا جب زوریز نے اُسے ٹوکا اور غمگین ورنجیدگی سے بات مکمل کی۔

"کسی کے بارے میں نہیں سوچنا۔۔ ٹھیک ہے، مت سوچو۔۔ لیکن اپنی بیٹی کا تو سوچو، نیہان کا سوچو۔۔"

"میں آفس سے نکلتے ہی تمام معلومات حاصل کر چکا تھا، غلط ہو تم اِس بار۔۔۔ ایلی کی آخری آرام گاہ یہاں نہیں ہے۔"

لفظ بہ لفظ طمینانیت سے کہتے اُسنے بیٹی کا ذکر چھیڑتے ہوئے کوئی دوستانہ مشورہ دیا تھا۔

"نیہان۔۔۔؟؟"

بے اختیار زوریز کے منہ سے نیہان کا نام نکلا۔۔۔ باقی کی بات تو اُسنے شاید ہی سُنی ہو۔

اچانک نیہان کا چہرہ آنکھوں کے سامنے گردش کرتے ہی وُہ تھر تھرا اُٹھا تھا۔

اپنوں کی موت کا غم نجانے اور کتنے غموں کو تازہ۔۔۔ اور کتنے زخموں کو دوبارہ ہرا کر دیتا ہے۔

لیکِن اُولاد اِنسان کے وجود کا وُہ حصہ ہے جو اپنے والدین کو اندر سے پورا خالی ہونے سے بچاتا ہے اور انہیں کبھی ٹوٹنے نہیں دیتا۔۔۔

اور اگر وہ انسان ٹوٹ بھی جائے تو اولاد کے ہوتے کبھی بکھرتا نہیں کیونکہ بیٹیاں وہ قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں جو ایک باپ کے تمام دُکھوں اور پریشانیوں کا حل بنتی ہیں ۔۔۔

"تم واقعی بڑے امیر انساں ہو یار۔۔۔"

"کیونکہ۔۔۔۔؟؟"

"تُم ایک بیٹی کے باپ ہو۔ اللہ نے تمھیں رحمت سے نوازکے جو کرم تُم پر کیا ہے، تمھیں دکھی یا پھر پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

حیدر نے اُسکے کندھے پر ہاتھ رکھے اُسے سمجھانا چاہا۔ اولاد کے ذکر نے واقعی زوریز کی ہمت کو باندھ کر ایک بار پھر سے اُسے اتنا مضبوط کیا تھا کہ وہ خود کو سنبھال سکتا تھا۔

"گھر چلتے ہیں۔۔ بچوں سے پہلے نکلے تھے، اگر بچے پہلے پہنچ گئے تو خوامخواہ پریشان ہوں گے۔"

زوریز نے اضطرابی کیفیت میں حیدر سے کہا۔

جِس پر حیدر نے سر کو اثبات میں جُنبشِ دیتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔

کھانے کی میز جتنی کُرسیوں پر مشتمل تھی اِسی مناسبت سے ہر کُرسی کے آگے میز پر کھانے کی پلیٹ کے ساتھ ایک چھوٹی پلیٹ، کانٹا، چمچ، گلاس جِس پر ٹشو پیپر رکھے تھے ساتھ مُختلف لوازمات سے کھانے کی میز پوری طرح اچھے سے سجی ہوئی تھی۔

با آسانی دیکھنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کھانا کِتنی دِل لگی، محنت اور مُحبت سے تیار کیا گیا ہے۔

آج کا کھانا خاص طور پر حنظلہ کی کامیابی کی خوشی میں تھا اِسی لئے زیادہ کھانا اُسکی پسند کا بنا تھا جبکہ نیہان کے ساتھ باقی سب کی پسند کا خیال بھی بخوبی رکھا گیا تھا۔

"بچو!! کھانا صحیح سے کھانا اور اگر آپ سب کو کُچھ اور چاہیئے ہو تو بتا دینا۔"

"اُور اگر کھانا اچھّا لگے تو بھی بتا دینا۔"

روبینہ کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ جو اُس نے اتنی محنت کی ہے اُسکے بدلے وُہ اپنی تعریف سُننا چاہتی ہے۔

"کھانا اتنا اچھّا نہیں بنا۔۔۔ اِسلئے نہیں، کُچھ اور نہیں چاہیئے۔۔۔ اتنا بہت ہے، تم کھاؤ اچھے سے۔"

حیدر نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے روبینہ کو تنگ کرنے کے لیے نہایت سنگینی سے کہا۔

"حد ہے ویسے اتنی محنت کرو، جل بھن کر تم لوگوں کے لئے کھانا پکاؤ، لیکن تم مرد کبھی راضی نہ ہونا ہم محنتی بھلی عورتوں سے۔۔۔"

"اُور ہاں ایک اور بات کھانا میں نے تمھارے لئے نہیں بچّوں کے لیے بنایا ہے۔"

غصّے کی شدت سے روبینہ کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے، اُسنے اُنگلی سے اپنی طرف اِشارہ کرتے ہمراہ بیٹھے شخص کو اُکتاہٹ بھرے لہجے میں طنزیہ کہا۔

بمشکل سب نے اپنی ہنسی دبائی تھی۔

"نیہان__ حنظلہ، بچّو تُم دونوں اتنے کنجوس نہیں ہو سکتے۔"

"آفکورس آنٹی میں تو بِلکُل بھی کنجوس نہیں۔"
"آپکے صاحب زادے کا تو پتہ نہیں البتہ انکل سچ میں اتنے کنجوس ہیں یہ مُجھے پتا نہیں تھا۔"

نیہان نے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ سجائے بے تاثر انداز میں کہا۔

"کیوں بیٹا جی میں نے کونسی کنجوسی کر دی؟؟"

"یار۔۔۔۔ مطلب آنٹی نے اتنی محنت سے کھانا بنایا ہے اور کباب تو آپکو بہت پسند ہیں، وُہ بھی بنائے ہیں لیکِن آپ نے ایک بار بھی اُنکے کھانے کی تعریف نہیں کی جبکہ کھانا اتنا اچّھا اتنے مزے کا بنا ہے۔"

حیدر کے سوال کرنے پر نیہان نے جواباً پُر سکونی سے کہا۔

"بِلکُل ٹھیک کہا بیٹا تُم نے، اب بندے کو اتنا بھی کنجوس نہیں ہونا چاہیۓ۔"

روبینہ نے چیچ کو پلیٹ میں رکھ کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے تنفر و تاسف سے کہا جیسے ناراضگی کا اظہار کر رہی ہو۔

میں مذاق کر رہا تھا، کھانا اچھا بنا ہے ہمیشہ کی طرح۔""

حیدر نے مُسکراتے ہوئے خوش مزاجی سے کہا۔

"بس اچھّا۔۔۔؟؟"

"ہمیشہ کیطرح وُہ بھی۔۔۔؟؟"

نیہان بے اختیار فوراً بولی۔

"مطلب آپ کہہ رہے ہیں کہ ہر بار کھانا زیادہ اچھّا نہیں بنتا بس اچھا بنتا ہے۔۔۔"

حنظلہ کے گھورنے پر نظریں چرا کر اسنے حیدر کی جانب ہاتھ کا اِشارہ کرتے ہوئے تیزی سے اپنی بات مُکمل کی تھی۔

"نہیں ہر بار بہت اچھا بنتا ہے اور آج بھی بہت اچھا بنا ہے۔"

ہوا میں قہقہ بلند کرتے ہوئے حیدر علی نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"ہاں...!!اب صحیح ہے۔ویسے آنٹی چھوٹا سا شُکریہ کرنا تو بنتا ہے نا اب آپکا بھی انکل کو۔"

نیہان نے روبینہ کو مخاطب کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

"نہایت باتونی لڑکی ہے یہ۔۔۔نجانے بولتے تھکتی کیوں نہیں کب سے چپڑ چپڑ بولتی جا رہی ہے۔۔۔رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔"

پلیٹ میں چمچہ ہلاتے ہمکلام حنظلہ نے دل برداشتگی سے زیرِ لب کہا۔

"چھوٹا سا شکریہ تعریف کے لئے۔"

رسماً مسکرا کر روبینہ نے خوش مزاجی سے حیدر کو کہا۔

"میرے خیال سے نیہان تمھیں اپنا شُکریہ ادا کرنے کا کہہ رہی ہے اُور ویسے بھی تُمھیں اسکو ہی شُکریہ کہنا چاہئے جس نے زور زبردستی ہی صحیح لیکِن مُجھ سے تمھارے کھانے کی تعریف اُگلوائی۔"

حیدر گھوما پھرا کر بات پھر وہاں لے آیا تھا جہاں سے بات شروع ہوئی تھی۔

نیہان کی ہنسی کی آواز بلند ہوئی تو حنظلہ دانت پر دانت جما کر کمال مہارت سے اُسے ایسے گھورنے لگا جیسے ابھی اُسکو آنکھوں سے ہی جلا دے گا۔

کیونکہ یہ فضول کی بحث اُسکی وجہ سے شروع ہُوئی تھی۔

"ماں اگر کھانا اتنا اچھا نہیں ہوتا تو ہم سب کی پلیٹس خالی نہیں ہوتیں اور کھانا بھی ختم نہیں ہوتا ابھی تک۔۔"

حنظلہ لامحالہ بول پڑا۔ زوریز جو خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا اب دھیرے سے مُسکرایا تھا۔ اور روبینہ کو بھی اپنی تعریف سُن کر خوش ہوئی جیسے اُسکی آدھی تھکاوٹ اُتر گئی ہو۔

◈◈◈◈◈

"زوریز بھائی سب خیر تو ہے، آپ جب سے آئے ہیں میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ایک لفظ بھی بولے ہو۔"

روبینہ نے پریشانی کے عالم میں سوال کیا۔

"جب تم لوگ بول رہے تھے تو میں سُن رہا تھا اب میں چاہتا ہُوں میں بولوں اور تُم لوگ سنو مجھے بلکل خاموشی اور توجہ سے۔"

مصنوعی سنجیدگی سے انہوں نے سبھی کی توجہ اپنی طرف کھینچی۔

"جی بھائی بولیں ہم سُن رہے ہیں۔"

روبینہ نے سادگی سے کہا۔

"روبینہ یہ میرا اور حیدر کا مشترکہ فیصلہ ہے، اِس معاملے میں تمھاری رائے بھی ضرور لی جائے گی اُور جہاں تک بچّوں کی بات ہے تو مُجھے نہیں لگتا ہمارے بچوں کو ہمارا فیصلہ غلط لگے گا یا پھر انہیں کوئی مسئلہ ہو گا، یقیناً ہمارے بچے ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔"

وہ اطمینانیت سے بول رہے تھے۔ نیہان نے گلاس میں پانی بھرا اور اُن پر نظریں مرکوز کیے حنظلہ کی ہمراہی میں آکر کھڑی ہو گئی۔

کھانے کے بعد سبھی بات کرنے کے لیے ٹی وی لاؤنج میں جمع ہوئے تھے۔

صحیح کہتے ہیں لوگ کہ دوستی ہی اِنسان کی پہچان بنتی ہے۔""

حیدر نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"باتوں کو گول مول، توڑ مڑوڑ کر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیدھی طرح بتائیں جو بھی بات ہے۔"

روبینہ مُتجسس ہوئی۔

"بات بس یہی ہے یہ کہ ہم اب، اپنی دوستی کو رشتے داری میں بدلنا چاہتے ہیں۔"

نیہان کے مُنہ میں جمع پانی جو وُہ ابھی نگلنے ہی والی تھی، حیدر کے مزید تجُسس پھیلانے پر اُسکے مُنہ سے فوارے کی صورت چھوٹا اور حنظلہ کی شرٹ پر چھلک پڑا۔

تبھی حیدر کے باقی کے الفاظ اُسکے لبوں پر ہی ٹھہر گے۔ اور آنکھیں حیرانگی سے پھیل گئیں۔

"یہ کیا کیا تم نے...؟؟"

خونخوار نظروں سے تذبذب کا شکار منہ کھلے سامنے کھڑی نق زدہ سی لڑکی کو گھوراتے ہوئے حنظلہ نے جبڑے کستے تلخی و برہمگی سے لفظ بہ لفظ چبا چبا کر اس سے سوال کیا۔

"اوہ۔۔۔سوری۔۔۔"

نظریں اطراف میں دوڑا کر اس نے جلدی سے اُنگلی دانتوں میں دباتے ہوئے معذرت کی تھی۔ پھر نگاہیں گیلی شرٹ پر مرکوز کی تو آنکھیں حیرانگی سے تھوڑی پھیل گئی تھیں لیکن شرارت ہنوز قائم تھی۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔۔پاپا آپ اپنی بات مُکمل کریں۔"

حنظلہ نے دانت بھینچتے ہوئے کم آواز مگر سرد لہجے میں کہا۔

غصّہ ابھی بھی اُسے بہت زیادہ تھا لیکن زیادہ وُہ حیدر کی بات سُننے کا مُتجسس تھا۔

"ہم نے تم دونوں کا رشتہ تہہ کر دیا ہے۔"

حیدر نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

"کیا۔۔۔؟؟؟"

حنظلہ اُور نیہان ہم آواز چلائے اور حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"میں بتا نہیں سکتی مجھے کِتنی خوشی ہو رہی ہے، میری برسوں پُرانی خواہش، میری دوستی۔۔۔واقعی ہی بچے دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں کے سامنے کب اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ وُہ شادی کے قابل کب ہو گئے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔۔!!"

روبینہ خوشی سے نیہان اور حنظلہ کی جانب بڑھی اور انکے چہروں پر اپنے ہاتھ رکھے تو بے اختیار سے اُسکی آنکھیں بھر آئیں مارے خوشی کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اُسنے اپنی بات مُکمل کی تھی۔

"ویسے تو لڑکے والے لڑکی کے گھر باقاعدگی سے لڑکی کا ہاتھ مانگنے جاتے ہیں لیکِن یہاں تو بچی اپنے ہی گھر کی ہے اسلئے ہمیں ضرورت ہی نہیں پڑی کہیں بھی کِسی بھی گھر جانے کی۔"

حیدر نے زوریز سے بغل گیر ہو کر خوش مزاجی سے کہا جس پر ہلکی سی مُسکراہٹ لبوں پر بکھیرتے ہوئے زوریز نے محض سر کو اثبات میں جُنبشِ دی۔

"دُنیا میں کیا یہ آخری لڑکا ہے جس سے میں شادی کروں یا پھر اچھے لڑکوں کا قحط پڑ گیا ہے جو میں اِس جھمورے سے شادی کرونگی۔ چاہے کُچھ بھی ہو جائے میں ہر گز اِس لنگور سے شادی نہیں کروں گی۔ کہاں میں پیاری معصوم ننھی بچی اور کہاں وُہ لمبو، لمبوترا، کھڑوس، اکڑو، سڑیل، نک چڑا کہیں کا۔ جن نہ ہو تو ہر وقت مرچیں چباتا رہتا ہے۔ بدلحاظ۔۔۔۔ نہ بات کرنے کی تمیز ہے جسے اور نہ ہی زِندگی گزُارنے کا کوئی ڈھنگ۔۔ مُجھے تو یہ اِنسان کم حیوان جنگلی، جانور، جلاد کوئی مشین یا روبوٹ زیادہ لگتا ہے جس نے بابا قائد اعظم کی ""کام، کام اور کام"" والی بات بہت اچھے سے ذہن نشین کر رکھی ہے۔"

وہ اس لڑکی کی جرات پر حیران رہ گیا اُس نے اپنے لیے ایسے الفاظ اس سے قبل نہ سنے تھے۔

تذلیل کے احساسات سے اسکے چہرہ کا رنگ دہک کر انگارہ ہونے لگا۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس لڑکی کا آخر مسئلہ کیا ہے۔

لیکن پھر بھی خود کے غصے کو ضبط کرتے وہ

مسکراہٹ کے ساتھ انتہائی تحمل مزاجی سے بات کرنے کے ارادے سے آگے بڑھ کر بولا تھا۔ مصنوعی

"اگر مُجھ پر پی ایچ ڈی ختم ہو گئی ہو تو میں کُچھ اِرشاد کروں؟"

نیہان ایک ٹانگ پر لان میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے ہوئے حنظلہ بیچارے کی پوری طرح واٹ لگا رہی تھی کہ اپنے عقب سے آتی حنظلہ کی آواز سُن کر ایک جگہ ٹھہر گئی اُور پھر سر جھٹک کر اُسکی طرف مڑی۔

"جی کیوں نہیں۔۔۔ فرمایئے اب آپ کون سی مصیبت نازل کرنے آئے ہیں۔"

نگل جانے والی آنکھوں سے گھورتی پیر پٹختی ہُوئی وُہ اُسکے قریب آکر بے زار لہجے میں بولی۔

"اتنی عزت۔۔۔ وُہ بھی مُجھے۔۔۔ واہ بڑی بات ہے ابھی سے۔"

حنظلہ نے طنزیہ مُسکرا کر اُسے چڑاتے ہُوئے کہا۔

"میر اپارا پہلے بہت ہائی ہوا ہے، تو تُم یہ اُلٹی سیدھی بکواس کر کے مُجھے مزید غصّہ نہیں دلاؤ ورنہ یونہی میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔"

نیہان دانت پیستے ہُوئے تلخ لہجے میں بولی۔

"اچھّا۔۔۔اگر میں تمھاری بات نہ مانوں تو۔۔۔"

"تو مَیں اپنے کہے پر عمل کرونگی، اپنے ہاتھوں سے تمھارا گلا گھونٹ کر تُمھیں مار دونگی۔"

"پِھر نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری....!!!"

حنظلہ کے سوال کرنے پر نیہان نے جواباً سنگینی سے کہا۔

"صحیح ہے یہ بھی...!! لیکن تمھارے ہاتھ میرے گلے تک پہنچیں گے بھی یا نہیں شاید یہ نہیں سوچا تُم نے۔"

حنظلہ نے سپاٹ چہرہ بنائے اسکے چھوٹے قد کا تنقیدی جائزہ لیتے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

"بس تمھاری اِنہیں کڑوی بے معنی اور بے مقصد باتوں اور فضول حرکتوں سے میرا دل نہیں چاہتا تُم سے شادی کرنے کو۔"

نیہان تیز دم تیز لہجے میں حلق کے بل چیخی۔

"لیکن میں تو مرا جارہاہُوں تم سے شادی کرنے کے لئے، تمھیں سرخاب کے پر جو لگے ہیں۔"

طنز سے بھری مُسکراہٹ چہرے پر سجا کر وُہ اسے مزید زچ کرتے ہوئے بولا۔

"مُجھے سرخاب کے پر نہ سہی تُمھیں سینگ ضرور لگے ہیں۔۔۔کم تو تُم بھی کِسی سے نہیں۔۔"

وُہ بول رہی تھی جب حنظلہ سے اُسے ٹوکا، وُہ کُچھ کہتی۔۔۔اُسنے موقع ہی نہیں دیا۔

پتا نہیں سب گھر والوں کو کیا ہو گیا آخر کیوں مِل کر مجُھے تمھاری جیسی باتونی، سر پھری، بدمزاج، کم عقل بلا سے باندھ رہے ہیں۔"

بغیر لگی لپٹی رکھے حنظلہ نے اُسے سُنانا شروع کر دیا۔نیہان کو تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔

"تم نے مجُھے باتونی، سر پھری، بدمزاج، کم عقل، بلا بھی کہا....؟؟"

اُسکا غصّہ اپنی شدت اختیار کر رہا تھا تبھی اُسنے سوال کیا۔

"جن، جانور، حیوان، جلاد، جنگلی، لمبو، لمبوترا، کھڑوس، اکڑو، سڑیل، نک چڑا، روبوٹ نجانے اور کیا کُچھ نہیں کہا ہو گا میرے آنے سے پہلے تُم نے مجُھے...؟؟"

بڑے انداز سے بارعب لہجے میں حنظلہ نے سوال کے بدلے سوال کیا۔

"میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے تمھیں کیا کہا اور کیا نہیں کہا__ میں نے تُم سے یہ پوچھا کہ تُم نے مجُھے کیا کہا۔"

نیہان نے اپنے غصّے کو ضبط کر کے پہلے کئے گئے سوال کو تفصیل سے دہرایا۔

"مجُھے صرف شک ہے یا پھر واقعی ہی محترمہ کے کانوں کی صفائی ہونے والی ہے جو ایک بار کا کہا سُنا نہیں گیا بیچاری سے۔"

"تمھاری بے تکلفیاں کُچھ زیادہ ہی نہیں بڑھ رہیں۔۔؟؟"

بھویں اچکا کر تفتیشی نظروں سے گھورنے کے ساتھ سوال کرتے ہوئے نیہان نے چہرہ تھوڑا سا حنظلہ کی طرف آگے کیا۔

اُسکے چہرہ قریب کرنے پر دونوں کو ایک عجیب سا احساس محسوس ہوا تھا۔جو بھی تھا وُہ اتنا خوبرو ضرور تھا کہ سامنے کھڑا بندہ ایک لمحے کے لئے اِسکا اسیر ہو جائے لیکِن نیہان پر تو جیسے کسی کی بھی شخصیت کا ذرّہ برابر اثر نہیں ہوتا تھا البتہ جتنی وُہ خُوبصورت اور سرکش تھی سامنے والے پر اپنی ہی شخصیت کا اثر ضرور چھوڑتی تھی۔

اور ویسے بھی حُسن افسردہ ہو تو اُسکی کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

"کی۔۔۔کک۔۔۔کیا کیا کہنا چاہتی ہو تم کون سی بے تکلفیاں۔۔۔۔؟؟اُور کب بے تکلفی سے پیش آیا میں تمھارے ساتھ۔۔۔؟؟"

حنظلہ نے بڑی مُشکل سے آواز کو مدھم ہونے سے روکا تھا۔ آخر وُہ کمزور کیوں پڑے اُسکے سامنے۔

"شروع سے ہی پسند نہیں ہو تُم مُجھے۔"

"بچپن میں کھیلتے کودتے نہیں تھے، سائیڈ پر لگے کتابوں میں گھسے بیٹھے رہتے تھے بچے چڑاتے تھے تُمھیں اور تُم کُچھ کہتے نہیں تھے بِالکُل ہی خاموش رہتے تھے۔ آسٹریلیا سے واپس آئے تو کیسے آپ آپ کیا کرتے تھے اور اب۔۔۔اب دیکھو ذرا جناب کو ایسی زُبان لگی ہے کہ بنا کسی تکلف کے بغیر سوچے سمجھے جو مُنہ میں آتا ہے بک دیتا ہے۔"

نیہان نے گردن اکڑا کر لفظوں کی ادائیگی چبا چبا کر کی تھی۔

'بات پکی' کا جو بم اس پر یکدم پھوٹا تھا حنظلہ کی شخصیت کا اس پر مسلط سارا ڈر خوف اب سب ختم کر گیا تھا۔

"جب تمھاری یہ گز بھر لمبی زُبان قینچی کیطرح اتنی تیز تیز چل سکتی ہے

تو کیا میری زُبان میں بل پڑا ہے جو میں بولنے سے قاصر ہوں۔ یا پِھر میں نے مُنہ میں چنے ڈال رکھے ہیں جسے چبانے میں میں مشغول ہوں جو تمھاری بے تکی فضول باتوں کا جواب دینے کے لئے میرا مُنہ نہیں کھل سکتا۔ اُور رہی بات۔۔۔میرے آپ آپ کرنے سے تمھیں ہی عجیب کوئی اُلجھن ہوتی تھی تبھی تو محترمہ مجھے مجبوراً تمھیں تُم کہہ کر مخاطب کرنا پڑتا ہے۔"

حنظلہ کے لہجے میں ناصرف تضحیک بلکہ دِل برداشتگی کے ساتھ ناعاقبت اندیشی بھی تھی۔

"یااللہ!! کوئی اتنا بھی ناقابلِ برداشت کیسے ہو سکتا ہے جتنا کہ یہ پاگل اِنسان۔۔۔"

سر اُٹھا کر آسمان کو اُداس اور مضمحل نظروں سے دیکھتے وُہ گویا ہوئی۔

"کسی بھی ناقابلِ برداشت اِنسان کو تُمھیں جھیلنے کی کوئی ضرورت نہیں، سیدھی طرح آسان اور صاف الفاظ میں اندر جا کر منع کر دو اِس رشتے سے۔"

وُہ بغیر کِسی تاثر کو چہرے پر رونما کیے دوٹوک انداز میں بولا۔

وُہ خود پر ضبط پاتے ہوئے نیہان سے کبھی غصیلے، طنزیہ تو کبھی مجبوراً شرارت بھرے انداز میں بحث کر رہا تھا۔

وُہ نا صرفِ اُسے رشتے سے انکار کرنے کے لیے اُکسا رہا تھا بلکہ اُسکے ہر سوال کے بدلے برابر کا جواب دیتا ہوا اپنے آج کے پُورے دِن کا حساب بھی ساتھ ساتھ برابر کر رہا تھا۔

اُور رہی بات رشتے شادی بیاہ کی پریشانی تو وُہ نیہان ہی کی وجہ سے اُسکی سوچ سے کوسوں دور تھی۔

کیُونکہ نیہان اِس رشتہ کو تڑوانے کے لئے کوئی ایسی بیوقوفی، غلط حرکت یا پھر ان بچگانہ چیزوں سے پرے اپنی عقل کو استعمال میں لاتے ہوئے کوئی نہ کوئی جُگاڑ ضرور لگائے گی وُہ اچھی طرح جانتا تھا۔

"اچھّا تو میں کیوں کروں منع۔۔۔؟؟"

نیہان نے اپنی طرف اُنگلی کا اِشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں تُم کرو گی منع۔۔۔!!"

حنظلہ نے جواباً سنگینی سے کہا۔

"مسئلہ مُجھے، تُمھیں ہم دونوں کو ہی ہے نہ ایک دوسرے سے۔۔؟؟ اِسکا مطلب تُم، میں۔۔ ہم دونوں ساتھ میں منع کریں گے، میں اکیلی ہرگز نہیں۔۔۔ یا پھر ایسا کرو تُم بڑے ہو جاؤ اِس رشتے سے انکار کر کے۔"

نیہان نے تحکم سے اُسے منع کرنے کا کہتے ہوئے آخر میں مشورہ دیا۔

"میں پہلے ہی بڑا ہُوں، مُجھے شوق نہیں اور بڑے ہونے کا میں جتنا ہُوں اُتنا ہی ٹھیک ہوں، میرے خیال سے تمھیں بہت ضرورت ہے بڑے ہونے کی کیونکہ قد کاٹھ، سوچ اُور اپنی حرکتوں سے تُم ہی چھوٹی ایک بچی کیطرح ہو اُور۔۔۔۔۔۔"

"آئندہ مجھے چھوٹا مت کہنا اور بڑے پن کے علاوہ بھی کُچھ اُور بکواس کی تھی میں نے کہ تُم اِس رشتے سے منع کر دو آگے میں سنبھال لونگی خود ہی۔"

وُہ بول رہا تھا جب نیہان اُسے ٹوکتے ہوئے جھنجلا کر بولی۔

"چلو اِس نے مانا تو صحیح یہ بکواس ہی کرتی ہے بس۔۔۔ ویسے اور اسے آتا بھی کیا ہو گا۔"

حنظلہ نے دِل میں سوچا اور لبوں کو مُسکرانے سے رُوکا تھا۔

"ابھی تو تُم نے کہا، مسئلہ ہم دونوں کا ہے ہم مِل کے منع کریں گے پھر میں اکیلا کیوں۔۔۔؟؟"

حنظلہ نے ہنسی دباتے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں کہ میں منع نہیں کر سکتی اِسلئے۔"

نیہان نے دانت پیستے ہوئے غصیلے انداز میں کہا۔

"کیوں؟؟ تُم کیوں نہیں کر سکتی منع...؟؟"

قدرے چونکتے ہوئے حنظلہ نے سوال کیا۔

سوال ایسا تھا کہ اُسکی گُلابی رنگت کُچھ اُور بھی دہک کر انگارہ ہونے لگی۔

"آنٹی کی آنکھوں کی نمی، انکل کی پریشانی اُور پاپا کا اُترا ہوا چہرہ نہیں دیکھا تھا شاید تُم نے۔ کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے جو بیٹھے بیٹھائے نا جانے اِنکو کیا سوجھی جو اِسطرح ایسے ہی بنا سوچے سمجھے بغیر ہمیں پوچھے ہمارا رشتہ طے کر دیا انہوں نے حلانکہ یہ ہم دونوں کے لیے سراسر غلط ہے، بِالکُل ہی ہمارے خیالات کے برعکس ہے، کیسے گُزاریں گے ہم ساری زندگی ایک ساتھ۔۔۔؟؟"

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

ِانکار کی جو لذت ہے وہ اقرار میں کہاں۔۔

بڑھتا ہے شوق "غالب "اُنکی نہیں نہیں سے

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

ماتھے پر بل ڈالے سینے پر ہاتھ باندھ کر وُہ بڑے رعبّ سے گویا ہُوئی تھی اُور ہمیشہ کیطرح بات مُکمل کر کے ہی خاموش ہوئی تھی۔

جبکہ حنظلہ کی اُسکے چہرے پر ٹھہری پر سوچ نگاہوں میں اب تفکر بھی اُتر آیا تھا۔

"ہمارے جذبات بُلکل ایک جیسے ہیں محترمہ۔"

حنظلہ نے نیہان کو طنز کرتے ہوئے کہا

"ہمممممم۔۔۔ٹھیک کہا۔"

نیہان نے پر جوشی سے سر کو ہلاتے ہوئے بھویں اچکا کر نظریں اُس پر جمائے بڑے مغروری انداز میں کہا۔

"اب۔۔۔۔۔"

حنظلہ نے بات اُدھوری چھوڑی۔

"اب۔۔۔۔؟؟"

نیہان نے سوالیہ لہجے میں اُسکا ایک حرف دہرایا۔

"تُو اب۔۔۔ آگے مطلب کیا۔۔؟؟"

حنظلہ نے ٹوٹے پھوٹے الفاظوں کو چھوڑتے ہُوئے سوال کیا۔ اُسکا لہجہ بتا رہا تھا کہ وُہ چاہتا ہے کہ نیہان اُسکی بات مُکمل کرے۔

"اب آگے ہمیں معاملے کی تہہ تک پہنچنا ہے۔"

"ہم۔۔۔ مطلب صورت حال جو بھی ہے مسئلہ ہمارا بھی کوئی چھوٹا موٹا نہیں میرے تو رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں یہ سوچ کر کہ تُم اور میں۔۔۔۔"

"نہیں نہیں نہیں ہر گز نہیں۔۔۔، مُجھے تو سوچنا بھی نہیں ہے۔۔، بالکل نہیں سوچنا اِس بارے میں۔۔۔، مُجھے ذرا سا بھی نہیں سوچنا۔۔۔ ذرا سا بھی نہیں۔"

نیہان نے خود کو تسلی دیتے ہوئے جواباً اُسے بتایا کہ آگے اُنہیں کیا کرنا چاہئے کیونکہ وُہ اتنا تو ضرور جان چُکے تھے کہ کوئی بات ایسی ضرور ہے جو اُن سے ڈھکی چھپی ہے، جو کافی گہری ہونے کے ساتھ درد بھری بھی بہت زیادہ ہے۔

نیہان اپنی دُھن میں بولتی جا رہی تھی جبکہ حنظلہ کا ذِہن صورتِحال (لفظ) پر اٹکا ہوا تھا۔

نیہان کے چُپ ہونے سے پوری طرح خاموشی جو ہوئی تھی وُہ حنظلہ کے کانوں کو واقعی ہی راحت فراہم کر رہی تھی۔

"صورتِحال۔۔۔؟؟"

حنظلہ نے لمبا سانس کھینچتے ہوئے مدھم لہجے میں سوالیہ نظریں اُس پر مرکوز کیے پوچھا۔

"ہاں صورتِحال۔۔۔"

نیہان نے خوبصورت مُسکراہٹ لبوں پر رقص کرواتے اُسے چڑانے کی خاطر کہا۔

"ہم۔۔ مطلب تُم، میں، ہم صورتِحال۔"

حنظلہ نے نہایت تحمل و بُردباری سے خود ہی جواب دیا۔

"ہاں۔۔ تُم، میں، ہم صورتحال اور مسئلہ بھی ہمارا کوئی چھوٹا نہیں۔"

نیہان نے اُسکا جواب دہراتے ہُوئے بعد میں بولے گئے جُملے پر ذرا زور دیا جو وُہ پہلے بھی ایک بار بول چکی تھی۔

"ہاں مسئلہ تو کوئی چھوٹا نہیں بلڈوزر کی طرح بڑا ہے، اور رہی بات آپکی محترمہ تو آپ اپنا مسئلہِ بلڈوزر اپنے اور میرے پیرنٹس کے ایموشنز پر چڑھا کر اُنکے جزبات کو توڑنا نہیں اُنکے جذبات کو چُرچُر" کرنا چاہتی ہیں۔"

لفظ 'چُرچُر" پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔ اس نے

"حالانکہ میں ایسا بِالکُل نہیں چاہتا اور نہ ہی اپنی چار دِن کی چھوٹی سی زندگی کو تمھارے ساتھ جوڑ کر برباد کرنے کا مطلب کہ تُم سے کسی بھی طرح کا کوئی بھی ایگریمنٹ سائن کتنا چاہتا ہوں۔"

حنظلہ نے ایک معنی خیز نظر اُس پر نئے رشتے کے حوالے سے ڈالتے ہُوئے ہر لفظ کی ادائیگی چبا چبا کر کرتے ہوے بمشکل اپنی ہنسی کو دبا کر مصنوعی سنجیدگی سے اُسے اپنے جذبات سے آگاہ کرنے کی کوشش میں روہانسا ہو کر بتایا تھا۔

نیہان سے بحث کرنے کے چکر میں وُہ یہ تک بھول گیا تھا وہ کہہ کیا رہا ہے لیکِن در حقیقت حنظلہ نے نیہان کو جو حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا اُسکی بدولت وُہ حنظلہ کے آگے سراسیمہ ہونے لگی تھی۔

"مطلب تُم اِس رشتے سے منع نہیں کرو گے۔"

نیہان جزبز سی ہو کر بے اختیار بولی۔

"پر سوچ انداز میں ہنکارا بھرتے ہوئے حنظلہ نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن کیوں۔۔۔؟؟"

دانت بھینچ کر رنجیدگی سے نیہان نے سوال کیا۔

"جب تم منع کر دو گی میرے منع کرنے سے کیا ہو گا۔"

"جب تمھارے یا میرے کسی ایک کے ہی منع کرنے سے انکار ہو جائے گا تو کیا ضرورت ہے کسی دوسرے کو اپنے الفاظ ضائع کرنے اور اتنی زحمت کے باوجود بُرا بننے کی، سو تم بڑی ہو جاؤ اس رشتے سے منع کر کے۔"

حنظلہ نے جواباً اُسکے کانوں میں زہر اگلا تھا۔

اُور نیہان کے تاثرات چیخ چیخ کر اب یہ بتا رہے تھے کہ حنظلہ کی کہی تمام باتوں سے اُسکا غصّہ کس قدر شدت اختیار کر چکا ہے لیکن نیہان خاموشی سے بمشکل اُس غصے کو پی چکی تھی جبکہ اِس جلال کو ہضم کرنا تھوڑا مُشکِل تھا اُسکے لئے تبھی تو گہری سوچ میں غرق وُہ کسی مطلب کی تلاش میں تھی۔

وُہ مطلب جو حنظلہ کی کہی گئی باتوں میں چُھپا صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"اوہ ہیلو مِس اینگری برڈ۔۔۔ اپنی خیالی دُنیا سے حقیقی دُنیا میں جلدی ہی واپس لوٹ آنا۔۔ آخر کو اپنے بابا کی لاڈلی اکلوتی اولاد جو ہو تُم۔"

حنظلہ نے قدم مین انٹرینس دوڑ کی جانب بڑھاتے ذرا بلند آواز میں کہا تو اُسکی سوچوں میں خلل پیدا ہوا اور وہ حقیقت میں واپس لوٹی۔

"ارے اوئے۔۔۔!!"

اتنا کہتے نیہان فوراً جارحانہ انداز میں اُسکی طرف بڑھی اُور پیچھے سے اُسکا بازو سختی سے دبوچتے ہوئے اُسے رُوکنے میں کامیاب رہی۔

لیکن حنظلہ کیلئے نیہان کی یہ حرکت خاصی حیرانگی کا باعث بنی تھی اور غصّے کا بھی۔

جبھی وُہ کھولتا پلٹا ہی تھا کہ کُچھ کہتا نیہان نے اُسے اپنی طرف کھینچتے دوبارہ اُسی جگہ جہاں وُہ چند لمحے پہلے کھڑا تھا وہاں لا کر کھڑا کرنے کے مقصد سے ایک چھوٹی سی غلطی دوبارہ دہرائی جو کافی بھاری پڑی تھی۔

یعنی کھینچنے کے دوران خود کو سنبھالنا نیہان کے لیے ذرا مُشکِل ہو گیا تھا اور جیسے ہی اُسکے قدم لڑکھڑائے وُہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور جِسم کا ساتھ چھوڑتے ہی وہ دھڑام سے زمین پر جا گری۔

"آوچ۔۔۔"

بے اختیار درد میں اُسکے مُنہ سے نکلا جبکہ سامنے کھڑے خوبرو نوجوان پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ نیہان نے نظریں اُٹھا کر دیکھا تو وُہ سپاٹ چہرہ لئے پُشت پر ہاتھ باندھے کھڑا اپھرتیلی نگاہوں سے اُسے ہی گھور رہا تھا۔

"اگر کچھ کہنا سُننا باقی رہ گیا تھا تو اِنسانوں کیطرح طریقے سے پکار کر بھی رُوکا جا سکتا تھا لیکن نہیں، تُم تو۔۔"

بغیر تاثرات کے وُہ انتہائی تحمل مزاجی سے فِکر مندانہ لہجے میں بولا ہی تھا کہ کُچھ سوچ کر چُپ ہو گیا اور بات کو اُدھورا چھوڑ کر دُوسری سمت دیکھنے لگا۔

جبکہ وُہ تیوری چڑھائے زمین پر بیٹھی غصیلی نظروں سے اُسے گھور رہی تھی، آخر بول پڑی۔

"میں تو کیا ہاں...؟؟ جُملہ مُکمل کرو۔۔۔"

وُہ سوالیہ نگاہیں اُس پر گاڑے تیزی سے بولی جب کہ دُوسری سمت دیکھتے اُسنے نیہان کی بات کو ان سُنا کیے اُسے نظر انداز کرنے کی شعوری کوشش کی۔ شاید اِس لیے کہ وُہ سمجھ چکا تھا کہ نیہان کو سمجھانا دیوار میں سر مارنے کے برابر ہے۔

تبھی تو وُہ مزید بحث کرنا نہیں چاہتا تھا اُس سے۔

"دیکھو میری طرف۔۔۔"

اُسکے کہتے ہی حنظلہ نے نظریں اُسکے تعاقب میں گھمائیں جبکہ وہ بنا رُکے اپنی دھن میں بولتی جا رہی تھی۔

کیا اتنا غلط تھا کہ تُم اچانک خاموش ہو گئے۔۔۔؟؟"بتاؤ مجھے میں سُننا چاہتی ہوں آخر کیا کہنا چاہتے تھے تُم۔۔۔؟؟"

معصومیت سے سوال کرتے ہی وُہ جواب سُننے کے لیے بے تاب اُس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جبکہ سامنے والا جواباً لبوں پہ تبسم بکھیرے، لب بستہ کھڑا تھا۔

اُسے مسکراتا دیکھ کر وہ جھنجھلا گئی۔کُچھ کہتی تبھی وُہ اُسکے سامنے رکوع کی صورت جُھکتے ہوئے بے توقع مدد کے لیے ہاتھ آگے بڑھا چُکا تھا تا کہ اُسکے سہارے وُہ اُٹھ سکے لیکن زمین پر جمی نیہان کی آنکھیں حیرانگی سے پھٹ گئیں اُور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا کیونکہ مدد کی توقع کم از کم وُہ اس شخص سے تو بِلکُل بھی نہیں کر سکتی تھی جو چہرے پر مصنوعی سنجیدگی لیے مدد کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے اُسکے سامنے جھکا ہوا تھا۔

اُسکے ہاتھ کی چوڑی ہتھیلی پہ ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے اُسنے فوراً نظریں اُسکے چہرے کی طرف گھمائیں تو سامنے والے کی نظریں اُسکے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

حنظلہ کے یُوں دیکھنے پر وُہ جزبز سی ہوئی، خود میں سمٹنے لگی اور اُسکی خوبصورت لمبی گھنی سرمئی مژگان مُسلسل جُنبشِ کرنے لگیں۔وُہ نیچے جھکے بِلکُل اُسکے قریب جو تھا شاید اِس لئے وُہ تھوڑا عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔

گرنے سے تو بچا نہیں سکے، اب آئے بڑے مددگار۔۔۔ہٹو پیچھے۔۔۔اُٹھ جاؤں گی میں خود ہی اپنے بل پر۔۔۔ضرورت نہیں ہے مجھے اُٹھنے کے لئے تمھارے سہارے کی، ان فیکٹ کِسی کے بھی سہارے کی۔"

حنظلہ کا ہاتھ غصّے سے پیچھے کو جھٹک کر قدرے ناگواری سے کہتے ہوئے وُہ بجلی کی تیزی سے زمین سے اُٹھی اور ہاتھوں کو جھاڑتے ہُوئے استہزائیہ ہنسی کے ساتھ اُسے باور کرواتے ہوئے بولی۔

"کیونکہ میں نیہان زوریز شاہ ہوں!!!۔"

"تم نیہان زوریز شاہ ہو یا کوئی بھی ہو، اِس سے فرق نہیں پڑتا محترمہ۔۔۔فرق پڑتا ہے تو بس اِس سے کہ گرنے والا شخص اپنے بل پہ دوبارہ کھڑا ہوا ہے یا کسی کے سہارے۔۔۔کیُونکہ اپنے بل پر دوبارہ اُٹھنے والا اِنسان لڑکھڑائے بھی گرتے گرتے ہی سہی لیکن بروقت خود کو گرنے سے سنبھال لیتا ہے۔کیونکہ ایسا اِنسان خود مختار ہوتا اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے خود ہی گرنا، اُٹھنا، اور خود ہی سنبھلنا ہے تو وہ کبھی دوسروں کا محتاج نہیں رہتا۔۔۔!!

جبکہ اِس کے بر عکس۔۔۔۔؟؟

کِسی کے سہارے اُٹھنے والے اِنسان کو یہ معلوم نہیں ہو تا کہ اب کی بار وُہ گرا تو شاید اُسکے پاس سہارا موجود ہو یا نہ ہو۔ ایسا اِنسان دوسروں کا، اُنکی مدد، اُنکے سہاوں کا عادی بن جاتا ہے۔ پھر ہمیشہ لوگوں کا محتاج رہتا ہے اور اُنہیں اپنے خیالات کا محور بنالیتا ہے۔ جو سراسر غلط ہے، خود کو تباہ و برباد کرنا ہے، اپنے آپکو دوسروں پر لوٹانا، خرچ کرنا ہے۔"

حنظلہ کے الفاظوں کے سحر میں مبتلا وُہ ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھ رہی تھی کہ اُسکی بات ختم ہوتے ہی وُہ یکدم اُسکے حصار سے نکلی۔

"حضرت کیا آپ بتاسکتے ہیں مُجھے جو آپ نے ابھی فرمایا اُسکے پیچھے کیا مقصد چھپا ہے آپکا۔۔۔؟؟"

نیہان نے اُسے عزت دیتے ہوئی نہایت خوش مزاجی کی بھرپور اداکاری سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

جبکہ لہجے میں نا صرف ملائمت اور مٹھاس تھی بلکہ تضحیک اور تاسف بھی شامل تھا۔

ضروری تو نہیں کہ ہر بات کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد چھپا ہو۔۔۔؟؟""

خاصی سمجھداری کا مظاہرہ کرتے حنظلہ نے سوالیہ انداز اختیار کیے انتہائی تحمل مزاجی سے جواب دیا۔

"بات کرنے کا مقصد تو ضرور ہوتا ہے کیونکہ میرے نزدیک بغیر مقصد کوئی بات نہیں ہوتی۔"

اُسنے بے اختیار بولتے ہُوئے اپنا نظریہ اُسکے سامنے رکھا۔

"میری اِس بات کا مقصد تو نہیں البتہ وجہ ضرور ہے۔۔!!"

حنظلہ نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیا ہے وجہ تمھاری۔۔۔؟؟ معلوم ہے مُجھے۔۔۔اُور جن بھی چکروں میں ہو نہ تم، وُہ سب بھی اچھے سے جانتی ہوں۔ تمھاری چالاکیوں، تمھاری مُکاریوں سے بخوبی بہت اچھی طرح واقف ہوں میں میاں تو کسی بھُول میں۔۔۔۔

"اچھابتاؤ۔۔۔!! مجھے بھی تو پتہ چلے آخر میں کن چکروں میں ہوں۔۔۔؟؟"

وُہ ایک ایک لفظ پر زور دے دے کر بول رہی تھی جب حنظلہ نے اُسے ٹوکا اور دوٹوک اور سخت لہجے میں سوال کیا۔۔

"ٹھیک ہے تو سُنو۔۔۔۔!!"

"پہلے تُم نے مُجھے بتایا کہ میری طرح تُم بھی اِس رشتے سے نہ خوش ہو۔۔۔۔"

(وُہ اُنگلیوں پہ گن کے بتانے لگی)

"پھر۔۔۔ تم نے میرے کندھے پر بندوق رکھ کے چلانی چاہی، طرح طرح کی مُختلف بھرپور کوششیں کیں، مُجھے اُکسایا، منایا کہ میں اکیلی ہی اِس رشتے سے انکار کر دوں۔"

(اس نے درمیانی اُنگلی اُٹھاتے ہوئے کہا۔)

"اور سب کی نظر میں بُری بھی بن جاؤں جو کہ مُجھے بِلکُل بھی منظور نہیں تھا۔"

(سر کو نفی میں ہلکی سی جُنبشِ دیتے ہوئے بولی۔)

"لیکن میں راضی ہو گئی، اِس رشتے سے منع کرنے کے لئے مان گئی۔

صرف اور صرفِ اپنے لیے، اپنے فائدے، اپنے زندگی کے لئے۔"

(اُنگلی کا اِشارہ اُسکا اب خود کی طرف تھا۔)

"اور اب جب میں اپنی طرف سے انکار کرنا چاہتی ہوں تو تُم مُجھے گھر والوں کے احساسات، جزبات بتا رہے ہو احسانات گنوا رہے ہو۔"

وُہ دم سادھے سُن رہا تھا۔ جب وُہ تپشِ بھری نگاہیں اس پر گاڑتی اُسکے تھوڑے قریب ہو کے دھیمی آواز لیکِن سرد لہجے میں بولی

"عجیب چکروں اُلجھنوں میں اُلجھا رکھا ہے تُم نے مُجھے۔ جنہیں سُلجھانے کی کوشش میں خود اُلجھتی جا رہی ہوں۔ اس نا سمجھی کی کیفیت میں تو چکرا کر رہ گئی ہوں۔ بتاؤ مُجھے آخر تُم چاہتے کیا ہو۔۔۔؟؟"

دھیمی آواز اب ذرا بلند ہوئی تھی۔ جبکہ لہجے میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ البتہ گھبراہٹ اور پریشانی چہرے کے پھرتیلے تاثرات بدل کے اُنکی جگہ اُمڈ آئی تھی اُور کئی خدشات اُسکے ذِہن میں جنم لے چکے تھے۔

"کہیں تُم مُجھ سے۔۔۔"

چور نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے وُہ زیرِ لب رازداری سے بڑبڑائی۔ جو وُہ باآسانی اچھے سے سُن چُکا تھا۔

"نو نو نو۔۔۔ پلیز ڈونٹ سے۔۔۔ کہ تُم مُجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔۔۔"

ٹو ایکس سپیڈ میں وُہ ہربڑاتے ہوئے بولی۔

"میں جانتی ہوں یہ بات اچھے سے کہ تُم پہلے بھی اور اب، اب بھی تُم صرفِ مُجھ سے مزاق کر رہے ہو۔ ایسا ہی ہے ناں۔۔۔"

جُملہ مُکمل کرتے ہی اُسنے تصدیق چاہی۔

"دیکھو مُجھے پتا ہے کہ میں کتنی اچھی ہُوں۔"

وُہ دُھن میں بولے جا رہی تھی۔

"اوئے... رُکو ذرا، آرام سے!! عجیب کوئی بیوقوف پاگل قسم کی لڑکی ہو۔۔۔

میرے کہنے کا مطلب کچھ اور تھا۔۔۔ تُم سمجھ کُچھ اور رہی ہو، اور بغیر سوچے سمجھے کہہ کُچھ اور رہی ہو۔ آخر بار بار خیالی دُنیا میں مگن کیوں ہو جاتی ہو تُم۔۔۔"

تپتے لہجے میں طنز کرتے ناچاہتے ہوئے ایک بار پھر حنظلہ نے اُسکی کی تذلیل کر ہی دی تھی۔

اگر آپ "نیہان زوریز شاہ" ہیں تو میں بھی "حنظلہ حیدر علی خان" ہوں۔""

"یعنی اپنے نام کا ایک۔۔۔۔۔ مطلب کہ میرا نام، میرا کام اپنی مثال آپ ہوا کرتا ہے مِس نیہان زوریز شاہ۔۔۔!!!"

اُسنے فخریہ اپنا کولر جھاڑا اور تپشِ بھرے لہجے میں بہت کُچھ جتایا تھا۔

اور اگر آپکو یاد ہو تو۔۔۔ پہلے بھی بتایا تھا میں نے آپکو۔۔۔ اور اب پھر بتا رہا ہوں کہ آپکی طرح لمبی نہ سہی لیکن الحمدللہ ایک عدد چھوٹی سی زُبان میں بھی اپنے مُنہ میں رکھتا ہوں جو "ہاں"، "ناں" کرنے کے لیے تقریباً کافی ہے لیکن اپنی فیملی کی وجہ سے فلحال منہ کے اندر بند رکھی میں نے۔"

ایک لمحے میں اُسکی خوش فہمی ہوا بنا کے اُڑا دی تھی حنظلہ نے۔

"جب نشانہ ہی صحیح لگنے سے رہا۔۔، تُو کیا ضرورت کسی کے نازک کندھوں کا سہارا لیے بندوق چلانے کا۔"

نیہان کو عزت دیتے بظاھر تو اُس نے نرمی سے کہا تھا مگر۔۔۔ اُسکے لہجے کی کاٹ نیہان سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔

"تمھارے بقول جن چکروں اُلجھنوں میں، میں نے تمہیں الجھا رکھا ہے، اُنہیں سُلجھانا بھی بہت آسان کام ہے، جاؤ اور جا کر اندر منع کر دو اس رشتے سے۔

کہو کہ مُجھے اعتراض ہے۔۔ میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

اُسنے تھوڑا پیچھے ہٹ کر راستہ چھوڑا اور ہاتھ کے اشارے سے اندر جا کر منع کرنے کا مفت میں مشورہ بھی دیا۔

نیہان غصے سے لال چہرہ لیے وہیں کھڑی اُسے گھورتی رہی اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی تو وہ بڑے انداز سے بارعب لہجے میں دوبارہ گویا ہوا۔

"تُمھیں منع کرنا ہے تو شوق سے کرو لیکن میری طرف سے معذرت۔۔۔

میں منع نہیں کروں گا کیونکہ مُجھے ماں کی پسند سے ہی شادی کرنی تھی۔

تو جھیل لُوں گا تمہیں عمر بھر۔۔۔ صرفِ ماں، پاپا لیے۔ کر لوں گا برداشت، دے دوں گا اپنی زندگی، اپنی عمر کے بچے کچے باقی سال کر دوں گا ہنسی خوشی زوریز انکل کی خطر قربان۔

بڑے لاپرواہ انداز میں اُسنے کہا تو سامنے کھڑی نیہان کے جیسے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمھارا کہ۔۔۔ جھیل لوں گا، کر لوں گا برداشت۔۔۔؟؟؟"

دانت پیس کر اور آنکھیں سکیڑ کر اُسنے سوالیہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے مطلب صرف اُنہیں ہی سمجھایا جاسکتا ہے جو کہ سمجھدار ہو، سمجھ کی صالحیت یا سمجھنے میں دلچسپی رکھتا ہو۔ یا پھر اُسے جو سمجھنے کی تھوڑی بہت کوشش کرتا ہو۔۔۔۔"

وُہی پُرانے لہجے اور اُسی ناعاقبت اندیش انداز میں جوابًا ایک بار پھر سے سامنے والے کی تذلیل کی گئی تھی۔

جبھی نیہان کے چہرے پر توہین کے احساسات سے آگ بھڑک اُٹھی۔

اُور وُہ اپنی سلگتی ہوئی نظروں سے اُسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے ابھی ہی آگ لگا کر جلنا دینا کا اِرادہ رکھتی ہو۔

"ایکسکیوز می ڈیئر۔۔۔ بُہت امپورٹنٹ کال ہے ذرا دو منٹ ہاں۔۔۔"

جیسے ہی نیہان نے کُچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اُسی لمحے حنظلہ کا موبائل بجا تو فون پر چمکتا نام دیکھ کر بظاہر میٹھے لہجے میں اُس سے بڑے شائستگی سے کہتے رُخ دوسری سمت موڑتے چند قدم اُس سے دور لیے اور پہلی ہی بیل پر کال پک کر کے اب اُسنے نیہان کو نظر انداز کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور خوش گوار لہجے میں فون کی دوسری جانب موجود شخص سے بات کرنے میں مصروف ہو گیا۔ جو ابھی اُسکے لئے فرشتہ بن کر آیا تھا نیہان جیسی مصیبت سے چھٹکارا دلانے کیلئے۔

لیکن اتنا آسان کہاں تھا اُس کا نیہان سے بچنا، اپنی جان چھڑانا۔ وُہ کال اینڈ ہونے کے انتظار میں کُچھ دیر وہیں کھڑی اُنگلیاں مڑوڑتی رہی۔

مگر جب گفتگو طویل ہو گئی تو وہ شکست خور ہوئی، دانت پیستے غصّے سے بڑبڑاتے عجیب اُلٹی سیدھی دھیمی آوازوں اُور گھٹی گھٹی چیخوں کا گلا گھونٹ کر پیر پٹختے ہوئے اندر کیطرف بڑھ گئی۔

اُسے ایسے جاتا دیکھ کر حنظلہ نے گردن ذرا اکڑائی تو لبوں پر تبسم بکھر آیا جبکہ جیت کی وجہ سے چمکتی اُسکی شرارتی آنکھوں نے نیہان کے بناوٹی وجود کا دور تک پیچھا کرتے اپنے لبوں کی مسکراہٹ رقصاں رکھی۔

"ہیلو۔۔۔ تُم سُن رہے ہو مُجھے۔۔۔؟؟ ہیلو حنظلہ۔۔۔ آواز آرہی ہے کیا۔۔؟"

ادھر فون کی دوسری جانب موجود شخص نے بمشکل اُسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔۔۔

"ہاں ہاں یار ہاں آرہی ہے تمھاری آواز مجھے۔۔۔"

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

؎ چل پڑی ہیں دعائیں عرش کی جانب

تم بس میرے ہونے کی تیاری کرو۔۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

باباجانی سے بات کروں یا نا کروں۔۔۔؟؟"

کروں یا ناں کروں۔۔۔؟؟"

؎

(وُہ "ہاں"، "ناں" کی جنگ میں بری طرح اُلجھ سی گئی تھی)۔۔

۔

"پوچھوں کیا اُن سے کہ بغیر مجھ سے پوچھے اُنہوں نے اپنی دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کا فیصلہ اچانک اتنی جلد بازی میں کیوں اور کس وجہ سے کیا۔۔؟؟ کیا مطلب کیوں اور کس وجہ سے کیا۔۔۔؟ بابا جانی ہیں وہ میرے۔۔۔ جیسے چاہیں، جِس سے چاہیں میرا رشتہ طے کرنے کا حق رکھتے ہیں۔۔!!"

(وہ خود کلام تھی اور یہ اُسکی ہمیشہ کی عادت تھی کہ اِسے بات کرنے کے لیے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، وُہ خود کافی تھی اپنے لیے)۔

"لیکن مُجھ سے پوچھے بنا حامی کیسے بھر سکتے ہیں وہ۔۔۔؟؟

پوچھنا تو چاہیئے تھا ناں ایک دفعہ اُنہیں مُجھ سے کہ میں اُنکے لاڈلے اُس چمچے میں انٹرسٹڈ ہوں بھی یا نہیں۔۔۔؟؟"

۔

۔

"اگر نہیں پوچھا تو ضرور کُچھ سوچ سمجھ کر ہی نہیں پوچھا ہو گا اُنہوں نے۔"

(منہ کی عجیب و غریب اشکال بناتے ہُوئے اُسنے خود سے سوال کیا)۔

"اور میں پریشان کیوں ہو رہی ہُوں۔۔۔؟؟؟ بابا جانی میرا غلط تھوڑی ناں سوچیں گے۔"

(چہرے پہ جھولنے والی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے ہُوئے جوابًا اسنے خود سے ہی کہا)۔

"نہیں تو میں پریشان اِس وجہ سے تھوڑی ناں ہو رہی ہوں۔۔۔۔؟؟ کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟ میرے لئے صحیح یا غلط کیا ہے۔۔۔۔؟؟ میں تو پریشان اِنکے ایکدم سے ایسے یُوں بم پھوڑنے پر ہو رہی ہوں۔۔۔!!!"

(وُہ ایک ٹانگ پر اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے ہوئے بدبدا رہی تھی)۔

"وُہ چچپہ، لمبوترا، لنگور پہلے نمبر بڑھانے کیلئے تھوڑی 'جی حضوری'، 'چچپہ گری' کرتا تھا جواب مُجھ سے جوڑ کے میرے حصے۔۔۔ نہیں، نہیں، نہیں۔۔۔۔"

وُہ آگے سوچتی کہ سوچ کے ساتھ اسکے آگے بڑھتے قدم بھی ایک جگہ منجمد ہو گئے تھے۔

"ایسا ہرگز نہیں ہونے دونگی میں۔۔ پھر چاہے میں بری بنوں۔ لیکن۔۔۔۔ بابا جانی سے بات ضرور کرونگی۔۔۔!!"

ٹھہر کر اتنا کہتے ہی اسنے تیزی سے قدم دروازے کی جانب بڑھائے لیکن کچھ سوچ کر رک گئی۔

"ابھی کچھ ہی دیر میں بوا جی آئیں گی میرے کمرے میں مجھے چیک کرنے کہ میں سو گئی ہوں یا جاگ رہی ہوں ابھی تک اُور اگر میں اُنہیں کمرے میں دکھائی نہ دی تو اُنکے خود سے اندازے شروع ہو جانے ہیں۔ اور وُہ اندازے تو جان لے کر ہی چھوڑیں گے مُجھ بیچاری بچی کی۔"

وُہ ہاجرہ بی کا سوچتی ہوئی منہ بسور کے اب اپنے بیڈ پر آن پڑی تھی۔

"بہتر ہے کہ بوا جی کے جانے کے بعد جب بابا جانی حسبِ عادت میرے کمرے میں میرے چاند سے روشن چہرے کا دیدار کرنے آئیں تو ہی اُن سے بات کروں۔ ادروائز اُنہیں یہی لگے گا کہ وہ مجھے جواب دہ ہیں۔ میں اُن سے جواب مانگنے سپیشل اُنکے روم تک آئی ہوں۔ ایسا وُہ سوچیں، میں یہ ہرگز نہیں چاہتی۔"

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

اطراف میں مکمل خاموشی کا راج تھا اور وُہ رات کے اِس پہر اپنے کمرے میں اندھیرا کر کے کھڑکی کے پاس افسردہ بیٹھا تھا۔

مگر چاند کی ہلکی نیلی روشنی کمرے کے در و دیوار اور کھڑکی سے پھلانگتی اندر داخل ہوتی ہوئی کمرے کو مُکمل تاریکی میں ڈوبنے سے بچا رہی تھی۔

ہال میں لگے وال کلاک کی ٹک ٹک کی آواز پورے گھر میں اپنا واحد اثر چھوڑے اِس بات کی یقین دہانی کروا رہی تھی کہ گھر میں موجود باقی سب لوگ سو چکے ہیں۔۔۔۔

اِدھر اُسکے کانپتے ہوئے ہاتھ سامنے میز پر پڑی کِسی کی آدھ جلی تصویر کو چھونے کی کوشش میں تھے۔

لیکن وُہ تصویر تھی کِس کی۔۔۔ اتنی کم روشنی میں اندازہ لگانا ذرا مشکل ہو رہا تھا۔

مگر بغور دیکھنے پر با آسانی پتا چل رہا تھا کہ وہ تصویر کس کی ہے۔۔۔

آخر کار کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسنے تصویر کو ہاتھوں میں لیا تھا اور پھر کاغذ کے اُس موٹے ٹکڑے پر نزاکت سے اُنگلیاں پھیرتے ہوئے اب اُس نے عالیہ کے احساس کو محسوس کیا تھا۔

تبھی اُسکی سہمی ہوئی آنکھیں ندامت سے بھریں اور چہرے پر اذیت کے رنگ ابھر آئے تھے۔۔

"کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا ایلی۔۔۔۔؟؟"

نچلا لب کاٹتے ہوئے اُسنے رندھی ہوئی آواز۔۔۔۔ ہارے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔۔۔

اور پھر فوراً تصویر کو اُلٹا کر میز پر دوبارہ اُسی جگہ رکھا اور جیب سے سگریٹ نکالی۔ سگریٹ کا لمبا کش لیتے ہوئے اُس نے اب ارمینہ کی فریم میں سجی خوبصورت فوٹو پہ ایک نگاہ ڈالی جو اسنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔

سگریٹ سے نکلتے دھویں کے مرغولے عجیب وغریب اشکال بناتے ہوئے کمرے میں محورقص تھے۔ اُور اسکی سوچوں کا محور اُنکا ماضی تھا۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

آج کے سارے دِن کے تماشوں کے بعد سوچوں کے محور میں چکرتی نیہان کی کب آنکھ لگی اُسے خود پتا نہیں چلا۔

جبکہ نیہان کے کہنے کے مطابق اُسکی آج رات بے چینی میں گزرنی تھی کیونکہ بات طے کرنے کا جو بم اُس پر پھوڑا گیا تھا، رات میں اُسکا سونا محال تھا۔ لیکِن وُہ تو گدھے گھوڑے ہاتھی سب بیچ کر بڑی بے فکری سے سو رہی تھی۔

باقی سب بھی اپنے کمروں میں اطمینان کی نیند سو رہے تھے۔

لیکِن کوئی تھا جو جاگ رہا تھا۔

نیند جِس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

رات کا آدھا پہر گُزر چُکا تھا۔ وُہ ماضی کی تلخ یادوں میں بھٹکتے بھٹکتے گُمراہ ہو چکا تھا۔

بہت دنوں میں محبت کو یہ ہوا معلوم
جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی

اِدھر نیہان کو نیند میں سوتے ہوئے اپنے کمرے میں کھٹر کھٹراہٹ کی آواز سنائی دی تو سب سے پہلے انہی خوابوں نے ذہن پر وزن ڈالا۔۔۔

آنکھوں کو بامشکل کھولتے ہوئے اندھیرے میں گھومایا تو کسی کو بھی نہیں پایا۔

پھر نیند میں ڈوبی آنکھیں گھوما کر کھڑکی کیطرف دیکھا جو آدھی کھلی ہوئی تھی جِس سے ہوا کے یخ بستہ جھونکے ٹکراتے ہوئے کمرے میں پھیل کر تازگی کا احساس دلا رہے تھے۔

اب واپس سر گرائے اُسنے نیند کی چادر پھِر سے اوڑھ لی تھی۔

باب نمبر 10

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کُچھ سوچ کے اُسنے پاس پڑا اسائیڈ لیمپ جلایا۔

"میں کب سوئی۔۔۔؟؟ بابا سے بغیر بات کئے، مِلے میری آنکھ کیسے لگ گئی۔۔۔؟؟ بابا میرے کمرے میں آئے تھے کیا۔۔؟؟"

اُسنے گھڑی کیطرف دیکھا اور اپنے دِماغ میں اٹھنے والے تمام سوالات وہ اب باری باری اپنی زُبان پر لا رہی تھی۔

گھڑی تین کا ہندسہ عبور کر چکی تھی۔

اُسنے دوبارہ سونا ہی صحیح سمجھا لیکِن تبھی زوریز کا پریشان حال چہرہ اُسکی نظروں کے سامنے اچانک گردش کرنے لگا اور گردش کرتا ہی چلا گیا۔

وہ بیڈ سے اُٹھی چہرے پہ پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وُہ زوریز کے کمرے تک آئی۔

بغیر دستک دیئے اب وہ اندر داخل ہوئی۔

تقریباً سارا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

مشکل تھا مگر پھر بھی زوریز کی موجودگی کا علم ہو رہا تھا۔

وہ چُپ چاپ بیٹھا کھڑکی سے باہر پورے چاند کو دیکھ رہا تھا۔ہاتھ میں عالیہ کی تصویر اور گود میں ارمینہ کی تصویر تھی۔

"بابا۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟ آپ جاگ رہے ہیں۔۔۔؟؟"

(ہلکی سی آواز نے اسے خیالوں سے نکالا)۔

"سوئے کیوں نہیں آپ ابھی تک۔۔۔؟؟"

(سوئچ بورڈ کیطرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے نیہان نے پریشانی کے عالم میں پوچھا)۔

"اتنا اندھیرا اور یہ دھواں کس چیز۔۔۔"

(کھانسی نے اسکی بات مکمل ہونے سے روکی تھی)۔

(خیالوں سے نکل کر ہڑبڑاتے ہوئے اُسنے فوراً پہلے عالیہ کی تصویر ٹیبل پر پڑی چند ایک دو فائلوں میں کہیں پر غائب کی اور سلگتی ہوئی سگریٹ کشدان میں جھونکی)۔

اتنے میں ایکدم پورا کمرہ روشن ہوا اور وہ دور کھڑی سوالیہ نظروں سے باپ کو بغور دیکھنے لگی۔

زوریز نے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑیں اور زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجا کے اسکی سمت پلٹ کر دیکھا۔

"بابا جانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

(زوریز کی سوجی متورم آنکھیں دیکھ کر اُسنے شائستگی سے پکارا)۔

"آپ رو رہے ہیں۔۔۔؟؟"

(کُچھ دیر خاموشی کے بعد اسکی آواز میں شکستگی در آئی جب اُسنے کشدان میں سلگتی ہوئی سگریٹیں دیکھیں اور سوال کیا)۔

وہ مضطرب انداز میں کھڑا ہوا تو ارمینہ کی خوبصورت فریم میں سجی تصویر زمین بوس ہوئی اور کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔

"سنبھال کر بابا جانی۔۔۔۔لگ جائے گی آپکو۔۔"

(نیہان نے آگے بڑھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں تائید کی تو زمین پر بیٹھے شخص نے فریم کے پرزوں اور کانچ کے ٹکڑوں کیطرف بڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ روکے اور آنسوؤں سے لب لبا آنکھیں اُٹھا کر اسکی طرف اضطرابی سے دیکھا)۔

"مما کی یاد آ رہی ہے۔۔۔؟؟"

(نیہان نے زوریز کے روبرو بیٹھ کر ارمینہ کی تصویر اسکی طرف بڑھائی اور ایک سادہ سا سوال معصومیت بھرے لہجے میں کیا)۔

زوریز نے دماغی اُلجھنوں میں جکڑے محض سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دی اور اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے زمین سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

جبکہ نیہان وہیں بیٹھی کانچ کی کرچیاں چننے لگی تبھی آنکھوں سے نکلتے اسکے آنسوں ارمینہ کی تصویر پر ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"بابا۔۔۔۔"

(اسنے زوریز کو ملائمت سے دوبارہ پُکارا)۔

"وہ چلی گئی، چھوڑ گئی، اس بار واقعی ہی مجھے چھوڑ کر چلی گئی وہ، حقیقت میں اب وہ بہت دور چلی گئی، بہت دور اتنا دور کہ اگر میں اپنی انا ضد چھوڑ کر اُسے پکاروں بھی تو وہ میری پکار شاید ہی اب کبھی سن سکے۔۔۔

وہ تو کہتی تھی کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔۔۔ پھر وہ چلی کیوں گئی بغیر مجھے معاف کیے وہ جا کیسے سکتی ہے۔۔۔ وہ اتنی ظالم نہیں ہو سکتی کہ معافی مانگنے کا موقع دیے بغیر زندگی بھر کا پچھتاوا دے جائے۔۔۔۔؟؟؟"

بظاہر ایک زندہ اِنسان پل پل مرتا ہے لیکن ان پتھر کے مجسموں کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔

افسوس جب مر جائے اِنسان تو مرے ہوئے کیلئے یہ پتھر بھی پگھل جاتے ہیں۔

(عالیہ کی موت کی خبر سے زوریز کے دل کے کسی کونے میں احساسِ ندامت نے اپنا پہلا قدم جمایا تھا۔

جبکہ اسکے چہرے پر ٹھہری نیہان کی سوالیہ نگاہوں میں اب تفکر بھی اُتر آیا تھا)۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

عجیب ہے تیری چاہت کا سلسلہ بھی۔
کبھی ایک پل، کبھی پل پل، کبھی ہر پل۔
ہر وقت تیری یاد کے محور میں ہُوں۔
سوچوں تو بکھر جاؤں، نکلوں تو کدھر جاؤں؟؟
ایک عجیب سی بے تابی ہے تیرے بن۔
رہ بھی لیتے ہیں اور رہا بھی نہیں جاتا۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

وہ تڑپ کر زمین سے اُٹھی اور زوریز کی سمت بڑھی۔

"کیا ہوا آپکو بابا۔۔؟؟؟ آپ رو کیوں رہے ہیں۔۔؟؟ اور کون چلا گیا چھوڑ کے بغیر معاف کیے۔۔۔۔؟؟"

اُسنے بے چینی سے ایک ہی سانس میں کئی سوالات ایک ساتھ کئے جو زوریز کو دماغی اُلجھنوں سے کھینچ کر باہر نکالنے کیلئے قدرے کافی تھے۔

وہ ہڑبڑا کر انتہائی حیرانگی سے نیہان کی جانب دیکھنے لگے۔۔۔

وہ سمجھ نہیں پارہے تھے کہ کیا کہنا مناسب ہے۔

مگر جواب کی منتظر نیہان کی نگاہوں کی تپش جب خود پر محسوس کی تو انہوں نے ذرا ہمت کر کے اپنے لب ہلائے۔۔

"امریکہ میں میرے بہت ہی اچھے بزنس پارٹنر کی بیوی کا چند روز پہلے اِنتقال ہو گیا۔"

"انا اللہ وانا الیہ راجعون"۔

نیہان نے موت کی خبر سنتے ہی مرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کی۔

"انکے آپسی تعلقات کچھ ٹھیک نہیں تھے۔ جدائی کے فیصلہ نے انکے درمیاں اختلافات کی جو دراریں ڈالیں اسکے بعد وہ آپس میں کبھی مل نہیں سکے۔ جبکہ وہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔۔۔ لیکن دونوں نے بہت برا کیا ایک دوسرے کے ساتھ۔۔۔ ایک دوسرے کو گناہوں کی دلدل میں اس قدر دھکیلا کہ وہ ایک روز ایک دوسرے سے ہی بیزار ہو گئے۔۔ اور اب جب اسکی چاہت میں مبتلا مریضہ اسے ہمیشہ کیلئے تنہا چھوڑ کر چلی گئی ہے تو احساسِ ندامت نے اسے آن گھیرا ہے۔۔۔ اب وہ کیا کرے اُسے کچھ سمجھ نہیں آرہا کیوں کہ اب وہ ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھنس کر زندگی سے ہار رہا ہے۔۔۔"

(زوریز نے خود کو سنبھالتے ہوئے آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کیا اور گلا کھنکار کر مرے مرے قدم بیڈ کیطرف اُٹھائے اور نظریں چُراتے ہوئے اُسنے کسی شخصیت کا سہارا لیتے ہوئے اپنی ابتری کمزور کیفیت لفظ بہ لفظ اسے بتائی)۔

رہا کر دے قفس کی قید سے گھایل پرندے کو

کسی کے درد کو اس دل میں کتنے سال پالے گا

"بابا اللہ کے الف اور انسان کے الف میں سب سے اول و اعلیٰ فرق ہی یہی ہوتا ہے انساں کبھی بھولتا نہیں اور نہ کبھی معاف کرتا ہے۔۔

جبکہ اللہ سچے دل سے توبہ کرنے والے کو اسی وقت معاف فرما دیتا ہے۔

وہ معافی مانگیں، بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات درگزر کرنے والی ہے۔۔۔"

نیہان بڑی محبت سے اللہ کی تعریف میٹھے لہجے میں بیان کرتے انہیں بتا رہی تھی کہ اسکی ذات سے منسلک اُس شخص کو کیا کرنا چاہئے۔۔۔

"بیٹی تمہیں علم تو ہو گا نا کہ جب تک بندہ خود معاف نہیں کرتا تب تک ربّ معاف نہیں کرتا"

زوریز نے افسردہ ہوتے ہوئے روگ سے کہا۔

"اگر کوئی انسان اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے نیک اور سچے ارادے سے اس انسان سے معافی مانگے جس کا اس نے دل دکھایا ہے، تو پھر چاہے وہ انسان معاف نا کرے لیکن اللہ اسکی صاف دلی اس کی نیک نیتی اور اس کا حقیقی پچھتاوا دیکھتے ہوئے اس کی تکلیف اور بے چینی میں کمی ضرور کر دیتا ہے۔۔۔ بابا۔۔۔ آپ یقین رکھیے اللہ پر کیونکہ الجھے ہوئے ذہنوں اور دلوں کو سجدے سلجھا دیتے ہیں۔۔۔"

نیہان نے دوبارہ تسلی دیتے ہوئے مسکرا کر انکی سمت دیکھا۔

"بالکل صحیح کہا بیٹا۔۔۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان دنیا میں خسارے ہی بٹورنے آیا ہے۔۔۔پچھتاوے کی آگ میں سلگتا انسان اللہ سے توبہ کر لے تو ہزار درجے بہتر ہے۔۔۔"

آواز میں نمی کی لغزش کی وجہ سے زوریز کی آواز مغموم اور لہجہ مضطرب سا تھا۔

ایک لمحے کیلئے تو نیہان کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ اپنی کیفیت بیان کر رہا ہے

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت

یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

"باباب۔۔۔؟؟؟"

(وہ ہاتھوں میں اپنا سر گرائے بیڈ پر بیٹھا تھا جب نیہان نے انکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کپکپاتی آواز میں پوچھا)۔

غیر کی موت کا سن کر اسے جو جھٹکا لگا تھا وہ ایسا تھا جیسے کوئی اپنا، کوئی بہت اپنا تھا جو اُنہیں ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر جا چکا تھا۔

تھا تو اپنا، بہت اپنا سا۔ وہ جس سے زیادہ کوئی اپنا تھا ہی نہیں۔ وہ جس سے رشتہ اپنائیت بھرا۔۔۔ بہت خوبصورت، پیارا سا تھا۔

لیکن افسوس وہ انجان تھی۔۔۔ بیگانہ تھی اس رشتے سے جدا تھی۔

"بچے اب مجھے امریکہ جانا ہو گا۔۔۔!!"

زوریز نے اسکا چہرہ ہاتھوں کے پیالوں میں بھرا اور قدرے ملائمت سے کہا۔

"بابا جانی آپ نے میری تربیت ایسی نہیں کی کہ میں آپکو کسی کے دُکھ میں شریک ہونے سے کبھی روکوں۔۔ آپ جائیے۔۔۔"

نیہان نے احتراماً کشادہ دل سے کہا۔

"میرے ساتھ حیدر بھی جائے گا۔۔۔!!"

نیہان کے خاموش ہوتے مختصر سا جُملہ کہہ کے اُنہوں نے حیدر کے ساتھ چلنے کی اطلاع دی۔

جس پر نیہان نے رسماً مسکرا کر زور و شور سے سر ہلایا۔

"جہاں آپکے ساتھ ہاجرہ بی، روبینہ اور حنظلہ۔۔۔"

حنظلہ کے نام پر نیہان کے تاثرات ناگواری میں بدلتے دیکھ کر وہ خاموش ہوئے۔

"نیہان بیٹا۔۔۔!!!"

زوریز نے میٹھے لہجے میں اسے پکارا۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟؟؟"

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

(زوریز کے پکارنے پر جب نیہان نے انہیں نظرانداز کیا تو وہ اسے تھوڑی سے پکڑ کر اسکا چہرہ اپنی سمت گھوماتے ہوئے سوال گو ہوئے)۔

"ایک باپ ہونے کے ناطے میں اپنی بچی کا مستقبل اپنی مرضی سے طے کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا کیا۔۔۔؟؟؟"

(زوریز نے تیر بہدف طریقہ اپنائے تاسف سے پوچھا)۔

"نہیں نہیں باباجانی میں نے ایسا کب کہا۔۔۔؟؟؟"

(نیہان نے قدرے چونکتے ہوئے حقارت سے سوال کے بدلے سوال کیا)۔

"کہاتو آپ نے کچھ بھی نہیں بیٹا جی۔۔۔!!ہم نے خود ہی اپنے بچے کا معصوم، ننھا سا چہرہ پڑھ لیا۔۔"

(اب انہوں نے اپنے لہجے میں تبدیلی لائے فخریہ انداز اختیار کرتے ہوئے شفقت بھرے لہجے میں کہا)۔

"بابا جانی آپ پوچھتے تو ایک بار۔ بنا پوچھ آپ نے اپنے چچے اُس جن کے ساتھ باندھ دیا مجھے۔۔۔"

(نیہان کے چہرے پر مصنوعی ناراضگی جبکہ لہجہ شکووں سے بھرپور تھا)۔

زوریز کے لبوں پر تبسم بکھر گیا۔

"یہ جن چراغ کے جن کیطرح میری تمام باتیں مانتا ہے۔۔۔۔"

"جی جی بلکل۔۔۔۔چمچہ گری جو کرنی ہوتی ہے اُس روبوٹ کو آپکی۔!!"

(نیہان نے ایک لمبا سانس بھرا اور قدرے ناگواری سے کہا)۔

زوریز نے اپنے ہونٹوں پر اُبھرتی ہنسی کو ہاتھ سے چھپایا تھا۔

"اور کیا کیا نام دے رکھے ہیں آپ نے میرے چچے۔۔ میرے پیارے عزیز کو۔۔۔۔۔۔۔؟؟"

زوریز نے اسکے چہرے کی سنگینی دیکھ کر مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"بابا جانی آپ جانتے ہیں اچھی طرح کہ وہ کام کو اتنی پریورٹی دیتا ہے۔ اتنی کہ جیسے اُس روبوٹ کی زندگی میں کام کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہے کرنے کو۔ اور غصّہ۔۔۔۔ غصّہ تو اُسکی اونچی ناک پر ہر وقت سجا رہتا ہے۔ کسی کی بات برداشت نہیں کرتا وہ شخص۔۔۔ تو آپ ہی بتائیں میری باتیں کیسے برداشت کرے گا وہ کھڑوس۔۔۔۔؟؟"

نیہان نے بے مروتی سے کہا تو زوریز شاہ کے چہرے کی اطمینانیت، رنجیدگی میں بدل گئی اور خفت کے احساس نے انہیں آن گھیرا۔

"بچے مجھے بہت خوشی ہے کہ میں نے آپ کیلئے ایک ذمے دار ہمسفر کا انتخاب کیا۔"

(انہوں نے فخریہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا)۔

جو آپکا خیال رکھے گا، آپکی تمام ضروریات پوری کرے گا۔""

(سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے بڑی نرمی سے کہا)۔

"اور میرا بچہ۔۔۔برداشت!!!اس میں اتنی برداشت ہے کہ وہ غلط تک برداشت کر سکتا ہے۔مگر خود دار اتنا ہے کہ برداشت کرتا نہیں۔"

(پر سکونی سے مگر تاسف سے کہا گیا جبکہ وہ بغور باپ کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہے جانے والے جملوں کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی)۔

"ایک بات اور سب سے بڑھ کر کہ وہ کام سے زیادہ اپنی ذات سے منسلک رشتوں کو پریورٹی دیتا ہے۔۔۔اور میرا یہ یقین ہے اُس پر کہ وہ اپنے وجود سے جڑے اپنے ہمسر رشتے کو برداشت نہیں بلکہ اسکے لئے برداشت کی آخری حد تک جا سکتا ہے۔"

(اب کی بار نظریں اُٹھا کر اعتماد سے کہا گیا تھا)۔

باپ کے منہ سے اسکی تعریف سُننا اُسے پہلی بار بُرا نہیں لگ رہا تھا بلکہ اُسے بہت متاثر کر رہا تھا یا شاید ہپنو ٹائز۔جو بھی تھا وہ ان باتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

کچھ لمحے باپ بیٹی کے درمیان خاموشی حائل رہی۔

جِسے زوریز احمد شاہ کی بھاری آواز نے آخر توڑا تھا۔

"اگر میں آپ سے پوچھتا تو آپ 'ناں' کر دیتی تو پھر میں حامی کیسے بھرتا اپنے بھائی کو۔۔۔؟؟؟"

سوالیہ انداز میں ملائمت بھرے لہجے میں پوچھا۔

مگر سامنے والے نے جیسے خاموش رہنے کی قسم کھار کھی تھی۔

"مجھے یقین تھا اگر میں حامی بھر دونگا تو آپ ناں نہیں کر پائیں گی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ میرا مان کبھی نہیں توڑ سکتی، اسلئے میں نے آپ سے بغیر پوچھے یہ رشتہ طے کر دیا۔"

وہ ابھی بھی خاموش رہی۔

"نیہان۔۔۔۔۔"

(میٹھے لہجے میں پکارا گیا)۔

"جی بابا جانی۔۔۔۔۔؟؟"

(جواباً اس نے خاموشی توڑتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں سوالیہ نگاہیں اُٹھا کر باپ کی سمت دیکھا)

"حنظلہ بہت ہی اچھا اِنسان ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے پلا بڑھا ہے، دیکھا بھالا بچہ ہے۔ سمجھدار، پڑھا لکھا اور ایک قابل بزنس مین بھی ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک ہمارے سامنے رہا ہے۔۔۔ شیشے کیطرح صاف۔۔۔ اپنے گھر کا بچا ہے۔۔۔۔ بہت اچھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ جنگلی جانور، جاہل حیوان نہیں۔۔۔ اور نہ آپ کبھی کہیں گی۔۔۔"

تنبیہہ کرتے ہوئے سنگینی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔؟؟؟؟"

"جی ٹھیک بابا۔۔۔!!"

(جواباً مصنوعی ناراضگی و ناگواری سے کہا گیا)

اگلے ہی لمحے بیٹی کو سینے سے لگا کر اُنہوں نے سر چُوما تھا۔

"نیہان بیٹا میں اپنی مرضی آپ پر مسلط نہیں کرنا چاہتا لیکن حنظلہ جیسا لڑکا چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے نکلو تو نہیں ملے گا۔۔۔"

انہوں نے بیٹی کے دل میں اسکے ہمسفر کے لیے جگہ بنانی چاہی۔

"آپ جارہے ہیں۔ آپکو لگتا ہے میں اپنی حفاظت خود نہیں کرسکتی اس لیے آپ نے۔۔۔"

(بات اُدھوری چھوڑتے ہوئے اُسنے سینے سے سر ہٹا کر باپ کے چہرے کو سوالیہ نظروں کے حصار میں لیا)۔

"نہیں میرا بچہ۔۔۔۔ میرے جانے کے بعد وہ کہیں تھوڑا بہت لاپرواہ نہ ہو جائے صرف اِسی ڈر سے۔۔۔"

(زوریز نے مزاحیہ انداز میں کہا تو وُہ بھی نم آنکھوں سے مُسکرا دی)۔

باتوں ہی باتوں میں وقت کا کچھ پتا نہیں چلا کہ کب سورج کی ریشمی کرنوں نے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا جبکہ پرندے ہلکی ہلکی آوازیں نکالتے محو اللہ کی حمد وثناء میں مصروف صبح کے سناٹے کو ختم کر رہے تھے۔۔۔۔

نیہان کمرے سے نکلی تو زوریز واش روم کی جانب وضو کی غرض سے بڑھے۔

نماز کے بعد جب دعا کیلئے ہاتھ بلند کیے تو آنسو مژگان پر جگنو بن کر ایک بار پھر سے چمکنے لگے تھے۔۔۔

پورا گھنٹہ انگلیوں کے پوروں پر نظریں مرکوز کیے لب بستہ ہوئے وہ جائے نماز پر بیٹھے رہے۔

اللہ کے ذکر سے وہ دل کو سکون دینا چاہ رہے تھے، شاید وہ غم سے نجات کی بھیگ مانگنا چاہتے تھے لیکن مانگ کیوں نہیں رہے۔۔ آخر خاموش کیوں تھے۔۔۔۔

خود کو پڑھتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں

ایک ورق روز موڑ دیتا ہوں

کانپتے ہونٹ، بھیگی پلکیں

بات ادھوری ہی چھوڑ دیتا ہوں

صاف آسمان کے چوڑے سینے پر آگ اگلتا سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

رزق کی تلاش میں آسمان پر اڑتے مجبور پرندے بمشکل پرواز کر رہے تھے۔

چلنے والی گرم ہواؤں سے کملائے پودے اور درختوں کے پتے ہولے ہولے لرز رہے تھے۔

اور وہ اتنی سخت دھوپ میں اپنے وجود کو ڈھیلا چھوڑے گیٹ سے پشت ٹکائے ایسی تپتی زمین پر پیروں کے زور پر بیٹھی ہوئی تھی۔

جبکہ اُسکی سرمئی آنکھیں مسلسل سورج سے تکرار کرنے کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں۔

حنظلہ ہاتھوں میں ٹکٹیں تھامے گاڑی سے باہر نکلا تو ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈال کر اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

شاید اسلیے کہ وہ اُس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اُسکے آگے بڑھتے قدم نجانے اتنے بھاری کیوں ہو رہے تھے کہ انکو اٹھانا اُسکے لیے اتنا مُشکِل ہو رہا تھا کہ وہ وہیں منجمند ہو گیا لیکن پلٹا وہ پھر بھی نہیں۔

"ادھر بیٹھی کیا کر رہی ہو۔۔۔؟؟"

(اُسنے وہیں کھڑے کھڑے سوال پوچھا)۔

"جل بھن رہی ہوں۔۔۔!!"

(حنظلہ کے یُوں پوچھنے پر وہ چڑ گئی اور اسکی پشت کو گھورتے ہوئے اُکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی)۔

"وہ تو نظر آ ہی رہا ہے۔۔۔"

(وہ پلٹ کر اُسکی سمت دیکھ کر بولا)۔

"لیکن بیٹھی کیوں ہو یہ پوچھا ہے میں نے۔۔۔؟؟"

(چہرے پر ہاتھ کی چھاؤں کرتے ذو معنی انداز میں سوال کی گہرائی بتاتا ہوا وہ اسکے مقابل آن کھڑا ہوا)۔

"تم سے مطلب۔۔۔؟؟؟"

(نظریں چراتے ہوئے اُسنے دوٹوک انداز اختیار کرتے سوال کیا)

"سوال کے بدلے سوال وہ کرتے ہیں جن کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔۔"

(حنظلہ نے جواباً نہایت سنگینی سے کہا)۔

"تمھاری یہ خوامخواہ کی تشویش مجھے زہر لگ رہی ہے اور نہ میں تمھیں بتانا مناسب سمجھتی ہوں۔میں جہاں بھی بیٹھوں اور جو بھی کروں میری مرضی۔تمھیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے۔آئی سمجھ۔۔۔۔؟؟؟؟"

نیہان نے لفظ بہ لفظ چبا چبا کر کہا۔

جبکہ اُسکی آواز میں نمی کی لغزش سامنے کھڑے شخص سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

جبکہ اس خوبرو نوجوان کا وجود اس سرکش لڑکی کے وجود کو سورج کی تپش سے چھاؤں فراہم کر رہا تھا۔

"اتنی تیز دھوپ میں ربّ کی زمین پر

گیٹ کے باہر یوں منگتوں کیطرح بیٹھو گی

تو۔۔۔۔ مطلب ناں بھی ہوتے ہوئے ظاہر ہے میں تو پوچھے بنا نہیں رہ سکونگا۔"

(وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے اور بلاوجہ اس پر کیوں گرج رہی ہے۔ مگر وہ اسکے منہ سے سننا ضروری سمجھ رہا تھا)۔

"توناں رہو۔۔۔۔۔ مر جاؤ پھر۔۔۔۔۔!!"

(اس نے بالکل نہ سوچا تھا کہ نیہان بغیر سوچے سمجھے اسے مرنے کا مشورہ بھی دے سکتی ہے۔۔۔وہ بھی سر اٹھا کر اتنے تلخ اور مضطرب لہجے میں کہ وہ خاموش ہو گیا تھا)۔

اتنا کہا ہی تھا کہ نیہان کی آنکھوں سے اپنی بدزبانی اور الفاظ کی فہرست پر آنسوں چھلک کر گالوں پر لکیروں کی صورت بہنے لگے۔

"بابا کو تو بڑی ہمت سے کہہ دیا۔۔۔ کہ۔۔۔ اُنہیں کسی کے دُکھ میں شریک ہونے سے میں نہیں روکوں گی۔ لیکِ، تُم بھی یہ جانتے ہو کہ۔۔۔۔ بچپن کے دو سالوں کے علاوہ۔۔۔۔۔۔

زندگی میں بابا کے بغیر میں کبھی نہیں رہی۔۔۔۔ اور نہ ہی رہ سکتی ہوں۔۔۔ کہیں کمزور پڑ کر اپنا ارادہ نہ تُرک کر دوں اِسلئے بیٹھی آنسوں سو کھا رہی ہوں۔"

وہ شرمندگی سے سر جھکائے کچھ تذبذب کی شکار لگ رہی تھی تبھی تو رک رک کے بول رہی تھی جبکہ اُسکی نظریں زمین پر مرکوز پتہ نہیں کس چیز کی تلاش میں تھیں۔

اسکے آنسوؤں سے آج دوسری بار حنظلہ کے دل میں ایک عجیب سا درد اٹھا تھا، نجانے اُسکے آنسوں حنظلہ کو اتنا بے چین کیوں کرتے تھے۔

"میرے خیال سے آنسو سو کھاتے نہیں آنسو پونچھتے ہیں۔"

جیب سے نکالا رومال مقابل بیٹھ کر اُسنے نیہان کیطرف بڑھایا

جبکہ شائستگی سے کہتے حنظلہ کے لبوں پر ہلکی سی مُسکراہٹ بکھر آئی تھی۔

تبھی پنکھڑی جیسے گلابی لبوں کو باہم بھینچے گلابی پیشانی پر دو بل ڈالے وہ معصومیت کی انتہا پر تھی جب اُسنے ہوا میں اڑتے اپنے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے گھنی پلکوں کی باڑ اٹھائی تو مقابل کو پہلی مرتبہ اپنے دل کی دھڑکنوں کا شور سنائی دیا۔

نیہان نے رومال لینے کے لئے اپنا ہاتھ اُسکی طرف بڑھایا تو وقت اُسکے لیے جیسے تھم سا گیا۔

جب حنظلہ نے اپنے ہاتھ پر اُسکے مرمریں ہاتھ کی تپش محسوس کی تو اُسے یوں محسوس ہوا کہ اسکا دل ابھی پنجرہ توڑ کر باہر آجائے گا۔

بے اختیار حنظلہ نے اب اُسکے گلابی ہوتے عارض کو اپنے دوسرے ہاتھ کی پُشت سے چھوا تو نیہان کو جیسے وُہ اپنا سا لگا۔۔ساتھ ہی اسکی قربت اور لمس کے احساس سے عجیب سا محسوس کیا تھا اس نے۔۔

حنظلہ بھی اسے اتنی نزدیکی سے دیکھ رہا تھا۔

اُسے خود اپنی حالت کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

نیہان نے اپنا مرمریں ہاتھ اُسکے ہاتھ کی نرم گرفت سے آزاد کروایا تو اگلے ہی لمحے وہ اپنے حواسوں میں لوٹ آیا۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

اور ہم اپنی نظر کو ہر شخص پر

ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

وہ دونوں قدم بہ قدم ایک دوسرے کے ہمراہ چلتے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ انھیں ایک ساتھ دیکھ کر زوریز کے لبوں پر تبسم اور چہرے پر خوشی اُمڈ آئی تھی۔

"انکل پاپا آپکی ٹکٹس بک کروادی ہیں میں نے۔۔۔ اگلے ایک گھنٹے میں آپکی امریکہ کی فلائٹ ہے تو آپکو ابھی ایئرپورٹ کیلئے روانہ ہونا ہوگا۔"

حنظلہ نے قریب پہنچ کر ٹکٹس زوریز کی جانب بڑھاتے ہوئے خوش مزاجی سے کہا۔

آنکھوں کو جنبش دیتے انہوں نے حنظلہ سے ٹکٹس لیں اور اُنکا بغور معائنہ کیا۔

پھر نظریں اُٹھا کر نیہان کی سمت دیکھا جو بظاہر چہرے پر مسکراہٹ سجائے اداسی چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر بڑے پیار سے بیٹی کا سر سہلایا۔

نیہان کی نگاہیں دروازے سے باہر کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

جب زوریز نے اسکا معصوم گرم نرم گلابی چہرہ ہاتھوں کے پیالوں میں بھرا تو اُسکی آنکھیں ایک بار پھر سے برسنے کے لئے بے تاب ہونے لگیں۔

"کسی سے بھی لڑنا جھگڑنا نہیں، اپنا بہت سا خیال رکھنا اور کسی طرح کی کوئی بھی لاپروائی اور شرارتیں تو بلکل بھی نہیں کرنا ٹھیک ہے میرا بچہ۔۔۔"

زوریز نے نصیحت آموز لہجہ اختیار کرتے کم آواز میں سب ایک ساتھ روانگی سے کہا۔

نیہان نے محض سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دی تو آنکھوں میں نمی اُتر آئی ساتھ ہی ایک مدھم سی مسکراہٹ اُسکے لبوں پر بکھر گئی۔

"حنظلہ، سعد اکاؤنٹس اور آفس دونوں کے کام اچھے سے سنبھال لے گا۔ تُم آفس کی ٹینشن بلکل نہیں لینا۔۔

بس دھیان رہے کہ ہر طرح کی سگنیچر فارملیٹی تمھارے انڈر سکیورٹی ہی ہونی چاہیئے۔

اور اگر کسی طرح کی کوئی بھی پریشانی ہوئی تو حیدر یا مجھ سے ڈسکس کرنا۔"

نیہان کو خود کے سینے سے لگا کر انہوں نے اسکا سر چوما تھا اور حنظلہ سے مخاطب ہوئے تھے۔

"آپ ٹینشن نہیں لیں انکل میں سب اچھے سے سنبھالنے کی کوشش کروں گا آپ بے فکر رہیں انشاءاللہ سب بہتر ہو گا۔"

حنظلہ نے بڑی دھیان سے انکی بات سُنتے ہاں میں ہاں ملاتے قدم انکی جانب بڑھائے اور قریب پہنچ کر نہایت دھیمے مزاج میں اطمینانیت سے انہیں تسلی دی۔

"نیہان کا بھی خیال رکھ۔۔۔"

"بابا جانی ہاجرہ بی ہیں نہ میرا خیال رکھنے کیلئے اور تو اور روبی آنٹی بھی میرے پاس میرے ساتھ ہیں۔ ویسے بھی میں بڑی ہو گئی ہوں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔"

نیہان نے بے ساختہ باپ کے سینے سے سر اٹھا کر انکی بات کو کاٹتے مقابل کھڑے خوبرو نوجوان کی جانب دیکھتے اضطرابی سے کہا اور پھر نگاہیں باپ کی سمت گھمائیں۔

"بیٹا تمھارے بابا اسکو صرف تمھارا خیال رکھنے کا کہہ نہیں رہے بلکہ خیال رکھنے کی ایک ذمے داری سونپ رہے ہیں اسکے سپرد۔ اور یہ کتنا ذمے دار ہے یہ ہم سب اچھے سے جانتے ہیں۔۔۔ اور اپنی زمے داریاں کیسے نبھائی جاتیں ہیں، یہ تو بہت اچھے سے جانتا ہے۔۔۔"

بیٹے کے ہمراہ آن کھڑے ہو کے حیدر علی نے فخریہ انداز میں حنظلہ کی تعریف کرتے ناصرف اپنے رفقائے پہلو کی ادھوری رہی بات تفصیل سے مکمل کی بلکہ پوری طرح سب کے ذہن نشین بھی کروائی تھی۔

"ہم سب مل جل کے ایک ساتھ ایک ہی گھر میں رہیں گے۔

اور جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے پاس ہیں تو ضرورت ہی کیا ہے آپکو یہ نصیحتیں کرنے، ذمے داریاں سونپنے کی کہ ہم اپنا خیال رکھیں ۔۔۔ ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔۔۔؟؟؟"

روبینہ نے تاسف و خفگی سے مصروف انداز میں کہا تو حیدر علی اور زوریز خجالت سے مسکرائے اور اُسکی طرف متوجہ ہوئے۔

ہمیں یقین تھا کہ تم میں سے کوئی بھی اپنا خیال خود نہیں رکھ سکتا اسلیے ہم دم سادھے سبھی کو ایک دوسرے کا خیال رکھنے کی نصیحتیں کر رہے ہیں۔"
حیدر علی نے اپنی زوجہ محترمہ کا اداس لٹکا ہوا اترا چہرہ فرصت سے دیکھتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔
"اچھا روبی، حیدر کو بتا دیا کہ تمھیں وہاں سے کیا کیا چاہئے۔۔؟؟"

زوریز نے اس بنے ہوئے غمگین ماحول کا اثر کم کرنے کے لیے پر اخلاقی سے بات کو دوسری طرف کھینچنا چاہا۔

"جی بھائی میں انہیں لسٹ واٹس ایپ کر دوں گی۔"

روبینہ نے نہایت خوش اسلوبی اور پرجوش لہجے میں بے اختیار کہا تو نا چاہتے ہوئے بھی سبھی کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"چلیں انکل چلیں پاپا۔۔۔ وقت گزر رہا ہے آپ لوگوں کو وقت پر پہنچنا ہے ورنہ آپکی فلائٹ مس ہو جائے گی۔۔۔"
حنظلہ نے معنی خیز لہجے میں نرم گوئی سے باور کرایا۔۔۔

دو بڑے کالے بریف کیس سفید گاڑی کی ڈگی میں رکھ کر کے ڈگی ٹھاک سے بند کر کے وہ اب فرنٹ ڈور کھول کے کھڑا نیہان کو دیکھ رہا تھا جو حیدر علی سے محو گفتگو تھی۔

"بابا کا دھیان رکھیے گا انکل اور اپنا بھی۔۔۔"

نیہان نے ملائمت بھرے لہجے میں ذرا پریشانی سے کہا۔۔

"اداس نہیں ہو، میں ہوں تمھارے بابا جانی کا خیال رکھنے کیلیئے انکے ساتھ۔۔۔

دھیان رکھوں گا اپنا بھی اور انکا بھی۔۔۔ تم پریشان نہیں ہو۔۔۔"

حیدر علی نے اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اسکا گال تھپتھاتے ہوئے اسے تسلی بخشی تھی۔

جیسے حیدر علی گاڑی میں آکے بیٹھے تو حنظلہ نے اسٹیئرنگ سنبھالا۔۔۔

مایوسی سے ہاتھ ہلاتے انہیں الوداع کہتی اس لڑکی کا بیک ویو مرر میں نظر آتا عکس دیکھ کر حنظلہ کا دل زور و شور سے پھڑ پھڑایا تھا۔

گاڑی گیٹ سے نکلی، روڈ پر چڑھی اور اگلے ہی پل نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

انہیں ایئرپورٹ تک چھوڑ کر آنے کی نیہان کی واحد ضد تھی جو زندگی میں آج پہلی بار زوریز شاہ نے پوری نہیں کی تھی۔۔۔

اسکے علاوہ کوئی ضد یا خواہش ایسی نہیں تھی جو کبھی اسکے باپ نے پوری نہ کی ہو۔

۞۞۞۞۞

باب نمبر 11

ایئرپورٹ سے نکلتے اُس نے گاڑی کو گھر کی راہ پر ڈالا۔ نجانے اچانک ذہن میں کیا بات آئی کہ اسنے کچھ سوچتے ہوئے گاڑی کا رُخ آفس کی سمت موڑا۔

اِدھر روبینہ اپنے کہے پر عمل کرتے اپنا روزمرہ کا استعمال کنندہ ضروری سامان ہاجرہ بی اور نیہان کی مدد سے انکے ہاں شفٹ کر رہی تھیں۔

آفس پہنچ کر حسبِ معمول اُسنے خود کو کام میں مصروف رکھنے کی بے حد کوشش کی تھی لیکن کل سارے دِن کی نیہان اور اسکی ایک دوجے سے ہوئی بحث بار بار اُسکی توجہ کام سے ہٹا کر اسے بے چین کر رہی تھی۔

اوپر سے نیہان کا اسکے بارے میں اس قدر غلط سوچنا نجانے کیوں اسے اتنی تکلیف پہنچا رہا تھا۔

【خیال】

- تُم کون ہو، کون ہو۔۔۔؟؟☆

بس خود کے ہی بارے میں سوچنے والے،

سب سے پہلے خود کو رکھنے والے،

ہر چیز میں خود کا نفع نقصان دیکھنے والے،

کون ہو تُم ایک خود غرض اِنسان۔۔۔؟؟

ہاں تُم ایک خود غرض اِنسان ہو۔۔۔۔۔۔

« » « » «

حنظلہ کی آنکھوں کی سرخی اسکی نگاہوں میں اترتے غصّے کو عیاں کر رہی تھی۔ بار بار تبدیل ہوتی چہرے کی رنگت اسکے دل کے بوجھل ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

میز کے گرد بیٹھے ایمپلائز کاروباری معاملات پر محوِ گفتگو تھے۔

"آپ سب ابھی جائیں، ہم بعد میں ان معاملات پر ڈسکشن کر لیں گے"

ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے قدرے ناگواری و بیزاری سے تحکم بھرے لہجے میں کہتے وہ بڑے مضطرب انداز میں اپنی کرسی پر ڈھے سا گیا۔

ایمپلائز تو اُسکے تیور دیکھ کر حیران ہی رہ گئے تھے کیونکہ آج سے قبل ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ حنظلہ خان نے اپنا کام کل پر چھوڑا ہو۔۔

سبھی ایمپلائز اُسکے حکم کی تعمیل کرتے اپنی نشستیں چھوڑ کر باہر کی سمت بڑھے تھے۔

کچھ لمحوں کی سکونیت کے بعد دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک نے اطراف میں پھیلی خاموشی کو توڑتے ہوئے۔۔۔اسے دوبارہ چڑچڑاہٹ کے کنویں میں ایک جھٹکے سے دھکیلا تھا۔

تبھی ایک لمبی چوڑی جسامت والا خوش شکل نوجوان لبوں پر تبسم سجائے اندر داخل ہوا۔

۞۞۞۞۞

روبینہ اور ہاجرہ بی مسلسل پچھلے دو گھنٹوں سے نیہان سے بات کرنے کے بہانے تلاش کر رہی تھیں۔۔۔لیکن وہ لڑکی چپی کی قسم توڑنے کیلئے کسی بھی صورت تیار ہی نہیں تھی۔

سامنے دیوار پر شاندار وجاہت کے مالک کی سجی خوبصورت تصویر جس میں اُسکا ہنسنا جان ڈال رہا تھا، وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ حنظلہ کا کھلکھلا کر ہنستا ہوا صرف عکس ہی ہے یا محض اسکی آنکھوں کا ایک دکھاوا ہے۔۔۔

"واقعی۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟"

حیرانگی سے اسنے اپنی بڑی بڑی آنکھیں جھپکائیں جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر شک تھا شاید۔۔۔

"یہ زنزلہ خان ہے کیا۔۔۔؟؟؟"

وہ خود سے سوال گو ہوئی۔۔۔

۞۞۞۞۞

فون کی اسکرین پر دوڑتی اُسکی انگلیاں ساکت ہو گئیں جو کسی کا نمبر ڈائل کرنے ہی والی تھیں۔

اشعر چائے کی چسکیوں سے لطف اٹھا رہا تھا کہ اب اپنے مقابل کرسی پر بیٹھے شخص کا آنکھ بھر جائزہ لینے کے بعد اصل پریشانی پر آیا۔۔۔۔

"ابھی تو بس شروات ہے۔۔۔۔

میرے یار ڈرنے کی کیا بات ہے۔۔۔"

"بکواس نہیں کرو۔۔۔ میں یہاں پریشان حال میں بیٹھا ہوں۔۔۔ اور تم میری پریشانی کم کرنے کے بجائے مزید بڑھا رہے ہو۔"

حنظلہ نے بارعب آواز میں آنکھیں سکیڑ کر جلال سے کہا تو اشعر کے بقیہ الفاظ اسکے منہ میں ہی رہ گئے۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ تھا۔۔۔ کہ۔۔۔ پریشان ہونے کے لیے جب پوری زندگی پڑی ہے۔۔۔ جو غالباً تُم نے اس پریشانی کے ساتھ گزرنی ہے۔۔ تو۔۔۔۔ کیا ضرورت ہے۔۔۔ ابھی سے اس دُشمنِ جاں کے بارے میں سوچ سوچ کر جناب کو اپنا دل ہلکان کرنے کی۔۔۔؟؟"

سوالیہ انداز میں دوٹوک لہجے میں پوچھتے اشعر نے چائے کا کپ خالی کرتے ٹیبل پر رکھا۔

"مجھے غالباً نہیں یقیناً اب اُسی کے ساتھ ہی زندگی گزارنی پڑے گی۔۔۔اور رہی بات، میں اسکے بارے میں نہیں بلکہ اُسکی بچگانہ حرکتوں اور فصول باتوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔۔۔"

"ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ سوچ تو اُسی کے بارے میں رہے ہو نہ۔۔۔"

حنظلہ نے کمزور صفائی پیش کی جس پر اشعر بمشکل اپنی ہنسی دباتے زیرِ لب بڑبڑایا۔

کیا کہا تم نے۔۔۔۔؟؟؟""

"ابھی کل ہی تو تم مجھے بتا رہے تھے کہ اگر تم اس رشتے سے منع نہیں کرو گے تو وہ ہر حال میں اس رشتے سے انکار ضرور کر دے گی۔۔

تو پھر ایسے کیسے تم میرے غالباً کو اپنے یقیناً میں اتنی پُر یقینی کے ساتھ بدل سکتے ہو۔۔؟؟"

جواباً سوال کے بدلے سوال کیا گیا۔۔

"کیونکہ وہ بظاھر مضبوط لڑاکا لڑکی اندر سے بہت کمزور، نازک دل اور اپنے باپ کی اس قدر فرمابردار ہے کہ اُنکے خاطر وہ اپنی خوشیوں کو قربان کرنے کیلئے ہنسی خوشی تیار ہو سکتی ہے۔

تو پھر مجھ سے شادی کرنے لیے راضی کیوں نہیں ہو سکتی۔۔۔؟؟"

"جب تم دونوں کو ہی پتا ہے کہ شادی تم دونوں کی ایک دوسرے سے ہی ہونے ہے۔۔۔ تو۔۔۔ کس بات کو لے کر تُم دونوں ایک دوسرے سے اتنا لڑتے جھگڑتے ہو۔۔۔؟؟"

"مجھے لڑائی کرنے کی کوئی فضول عادت نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں لڑتا ہوں۔۔۔ لڑنا جھگڑنا انہیں کم عقل محترمہ کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔۔۔

پہلے تو وہ ایسی بلکل نہیں تھی۔۔۔

بچپن گزارا ہے ہم نے ایک ساتھ۔۔۔۔۔۔

نجانے اب کیا ہو گیا ہے اُسے۔۔۔ ہر وقت کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے اور پھر سارے کا سارا اِلزام مجھے دے دیتی ہے۔۔"

« » « » « »

نیہان دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی تصویر کے عین مقابل آن کھڑی ہوئی اور بغور تصویر کا معائنہ کرنے لگی۔

【خیال】

"پتہ نہیں سب گھر والوں کو کیا ہو گیا ہے۔ آخر کیوں مِل کر مُجھے تمھارے جیسی باتونی، سر پھری، بد مزاج، کم عقل بلا سے باندھ رہے ہیں۔"

"بد تمیز، گھمنڈی، بدلحاظ، مِس لڑاکو شاہ کہنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے پن کے تانے۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔باتونی، سر پھری، بد مزاج، کم عقل بلا جیسے القابات دیتے ہوئے جو تم نے مجھے عزت بخشی ہے نہ اب میں قیامت تک تمھیں نہیں بخشوں گی مسٹر اکڑو خان۔۔۔"

حنظلہ کا کڑوا خیال اسکے ذِہن میں سرایت کرتے ہی اسکی زبان زہر اگلنے لگی تھی۔

«»«»«»

"وہ انوکھی مخلوق مجھے انسان کم حیوان، جنگلی، جانور، جلاد، کوئی مشین یا روبوٹ زیادہ سمجھتی ہے۔۔اُسکے بقول میں نے بابا قائد اعظم کی 'کام، کام اور کام' والی بات بہت اچھے سے ذہن نشین کر رکھی ہے۔"

"یہاں پر اُسنے کچھ غلط نہیں کہا تمھیں۔۔ائیر پورٹ سے سیدھا گھر جانا تمھارے لیے زیادہ بہتر تھا۔ تمھیں یہاں آفس نہیں آنا چاہئے تھا۔"

کم توجہی سے بات سنتے اشعر بات کے درمیان پہلی بار بولا۔

"میں لڑائی سے بچنے کے لیے گھر کی بجائے ایئر پورٹ سے سیدھا آفس اسلیے آیا ہوں کہ خود کو توہینِ ذات سے محفوظ رکھ سکوں۔۔۔اور تم ہو کہ کہہ رہے ہو گھر جانا میرے لیے زیادہ بہتر ہے۔۔۔؟؟؟"

اس آتش فشاں کے اگلتے لاوے نے اپنے رفقائے پہلو کو بڑی بے دلی سے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

"حنظلہ۔۔۔نیہان انکل کو لے کر ذرا پوزیسو ہے۔اور میرا یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ انکل کے جانے کے بعد وہ سبھی کے درمیان ہوتے ہوئے بھی خود کو تنہا ہی محسوس کر رہی ہو گئی۔ایسے میں تمھیں اُسکے ساتھ ہونا چاہئے۔صرف اسی لیے بولا ہے یار میں نے۔۔"

پاس آکر ٹھنڈے لہجے میں بولتے ہوئے اشعر نے حنظلہ کو سمجھاتے ہوئے اسکے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دی۔

【خیال】

"تمھارے پاس باپ ہے، تمھاری ماں بھی ہے۔میری پاس میری ماں نہیں۔۔۔ماں باپ دونوں کا پیار مجھے بابا سے مِلا۔۔۔اب جو ہیں میرے لئے سب وہی ہیں دوسرا کوئی نہیں۔۔اور میرے بابا صرف میرے ہیں۔۔۔"

»«

"تُم بھی یہ جانتے ہو کہ۔۔۔۔ بچپن کے دو سالوں کے علاوہ۔۔۔۔۔۔۔ زندگی میں بابا کے بغیر میں کبھی نہیں رہی۔۔۔"

(نیہان کے بولے گئے غمگین جملے جس میں رنجیدگی کی لغزش عیاں تھی اسکی سماعتوں سے ٹکرائے اور تبھی اُسکی آنکھوں کے سامنے نیہان کی آنسوؤں سے تر آنکھیں، افسردہ چہرہ گھومنے لگا اور پھر گھومتا ہی رہا)۔

حنظلہ اشعر کے سامنے مزید کچھ نہیں بولا اور پھر ایک نظر اسکی سمت دیکھ کر میز پر پڑی گاڑی کی چابیاں اُٹھا کے نیہان کی پریشانی میں باہر کو دوڑا۔

تیزی سے آتی حنظلہ کی گاڑی اسکے اپنے اور نیہان کے گھر کے عین وسط میں آن رکی۔۔۔

وہ گاڑی میں بیٹھا عجیب کیفیت میں مبتلا تھا۔

اسکی نگاہیں کسی انجان بے قراری میں بھٹک بھٹک کر اس دُشمنِ جان کے گھر کی سمت اُٹھ رہی تھیں۔ کہ تبھی ہاجرہ بی کو اپنے گھر کا خارجی دروازہ عبور کرتا دیکھ کر یُونہی اُسکی کشمکش ختم ہوئی۔ وہ گاڑی سے نکل کر اپنے آشیانے کیطرف لپکا۔۔۔

"بوا جی 'وہ' کہاں ہے۔۔۔۔؟؟؟"

اسنے دھیمی آواز میں پوچھا۔۔۔۔

"وہ کون۔۔۔۔؟؟؟"

ہاجرہ بی نے بڑا سا کارڈ بورڈ جس میں ترتیبی سے مخصوص چیزیں جڑی ہوئی تھیں دروازے کے باہر رکھتے جواباً سوال کیا۔۔

"وہ 'پاپا کی شہزادی' کہاں ہے۔۔۔؟؟"

"پتا نہیں یہیں کہیں کسی کونے میں گھسی بیٹھی ہو گی۔۔۔"

ہاجرہ بی اسکی تلاش و پریشانی میں مزید اضافہ کرتے خود واپس سے اپنے کام میں مشغول ہو گئیں۔

۞۞۞۞۞

وہ ایک لمبے عرصے کے بعد اُسکے کمرے میں قدم رکھ رہی تھی۔

خوبصورت کمرہ سلیقے اور نفاست سے سجا ہوا تھا۔ ہر چیز اتنے اچھے سے اپنی جگہ پر رکھی ہوئی تھی کہ دیکھنے والے کا دل خوش ہو جاتا۔

لیکن وہ واحد ذی روح تھی جو کمرے کا شتاب کاری سے جائزہ لے کر قدرے بے زاری سے پلٹی تھی۔

کہ تبھی کسی سے ٹکرائی مگر سامنے والے نے اسے گرنے سے پہلے ہی تھام لیا تھا۔

وہ کہیں زمین پر ہے یہ سوچتے ہوئے نیہان نے ڈر کے مارے سر ہی نہیں اٹھایا مگر تکلیف کے احساس سے خود کو محفوظ پا کر جب اُسنے آنکھیں کھولیں تو حنظلہ کا پر نور چمکتا چہرہ اسکی نظروں کے سامنے لہرایا۔

" کبھی لڑتی ہو کبھی گرتی ہو۔۔۔

خیر توہے۔۔۔؟؟"

حنظلہ نے سرمئی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

وہ ابھی تک اسکی باہوں میں جھول رہی تھی۔

حنظلہ کی ساری بیقراری اسے دیکھ کر اب کہیں رفو چکر ہو گئی تھی۔

"خیر تو اب ذرا تم اپنی مناؤ جراف کہیں کے۔۔۔"

نیہان نے خود کو حنظلہ کی نظروں کے حصار میں محسوس کیا تو اُسے خود سے دور کرتے ہوئے جھنجھلا کر کہا۔

حنظلہ سوالیہ نظریں اُس پر گاڑے اب شرٹ کی آستینیں اوپر چڑھانے لگا۔

"ویسے تو بہت بڑے بنتے ہو تم۔۔۔۔ بڑا پتا ہوتا ہے تمھیں۔۔۔ کہ کیا بات بتانا لازمی ہے اور کیا بتانا ضروری نہیں۔۔۔۔ تو کیا اتنا نہیں پتا تھا تمھیں۔۔۔۔ کہ۔۔۔ کوئی گھر بیٹھا پاگلوں کیطرح انتظار کر رہا ہے یہ جاننے کیلئے کہ انکل بابا کو چھوڑ آئے ہو تم۔۔۔؟؟ کوئی مسئلہ تو نہیں بنا راستہ میں۔۔۔؟؟؟ بابا نے میرا پوچھا۔۔۔۔؟؟؟ یا کچھ کہا ہو میرے لیے۔۔۔؟؟"

وہ سامنے پنجابن لڑکی کمر پر ہاتھ ٹکائے سوالوں کی بوچھاڑ کرتے کِسی شیرنی کی مانند لگ رہی تھی۔ اور کاٹ کھانے کا ارادہ بنائے کھڑی تھی۔

"اول تو یہ کہ میں اپنے کام اتنے اچھے سے سر انجام دینا جانتا ہوں کہ کسی بھی طرح کی کوئی تفشیش کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور دوسرا۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ انکل نے تمھارے بارے میں کُچھ کہا یا نہیں۔۔۔ کیونکہ جہاں تمھارا ذکر آتا ہے میں اپنے کان بند کرنے میں ہی عافیت سمجھتا ہوں۔۔۔"

حنظلہ نے بازوؤں کو کمر کے پیچھے باندھے پر سکونی سے کہا اور پھر ایک حسین شرارتی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ لاؤنج کیطرف بڑھا۔۔۔

"حنظلہ آ گیا کیا۔۔۔؟؟"

حنظلہ کی باہر کھڑی گاڑی دیکھ کر روبینہ نے ہاجرہ بی سے پوچھا۔

"جی تھوڑی دیر پہلے ہی آئے ہیں۔ نیہان بی بی کا پوچھ رہے تھے۔"

ہاجرہ بی نے رسماً مسکرا کر مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

چلو اچھا ہے حنظلہ آ گیا۔۔""

"حیدر اور زوریز بھائی کا پوچھ کر نیہان کو بھی اب سکون مل جائے گا۔۔"

روبینہ نے مسکرا کر خوش دلی سے کہا۔

"باجی۔۔۔ نیہان بی بی اندر ہیں اور حنظلہ بابا بھی آ گیا ہے تو کیوں نا تب تک ہم شبیر بھائی کی مدد سے یہ سارا سامان شفٹ کر لیں۔۔۔!!"

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد ہاجرہ بی نے احتراماً روبینہ سے اجازت چاہی۔

"جی ٹھیک ہے ہاجرہ بی جیسے آپکو بہتر لگے۔۔۔"

ہاجرہ بی اب سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے روبینہ کی پیروی کرتے ہوئے نیہان کے گھر کی جانب بڑھیں۔

نیہان اسکو جاتا دیکھ کر کمرے میں کسی بچگانہ ارادے سے گھسی اور ڈریسنگ ٹیبل کے پاس پہنچ کر ترتیب سے جڑی چیزوں کو ایک ہی جھٹکے میں زمین بوس کرتے ہوئے بجلی کی تیزی سے بیڈ کی جانب لپکی۔۔۔حنظلہ کے آگے بڑھتے قدم یکدم ساکت اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وہ جلدی سے کمرے کی سمت بھاگا تاکہ اس پاگل لڑکی کو اپنے کمرے کا برا حال کرنے سے روک سکے۔ قریب پہنچا تو موقع پر کھینچی جانے والی بیڈ شیٹ نیہان نے بڑے نروٹھے پن سے اُسکے منہ پر زور سے دے ماری۔۔۔۔

تذلیل کے احساسات سے حنظلہ کے چہرے پر جلال اُبھر آیا۔

بے دلی سے اُسنے بیڈ شیٹ چہرے سے ہٹائی تو ایک انداز سے سنوارے گئے اسکے سارے بال خراب ہو گئے جس کی پروانہ کرتے ہوئے اُسنے بے دردی سے بیڈ شیٹ زمین پر پٹخی۔۔۔

اُسکا چہرہ ایسے سُرخ ہو گیا جیسے سارے جسم کا خون اُسکے چہرے پر آکر جمع ہو گیا تھا۔۔۔

اسکے غصّے کو بھانپتے ہوئے وہ پھر بھی توڑ پھوڑ سے باز نہیں آئی۔

"یہ سب کیا بدتمیزی ہے۔۔۔۔؟؟؟"

حنظلہ سپاٹ چہرہ بنائے غرّاتے ہوئے بولا۔

"کیوں تمھیں کیوں بتاؤں میں۔۔۔۔؟؟؟"

ڈھٹائی سے اُلٹا سوال کیا گیا۔

حنظلہ نے نیہان کی جانب سے کیے گئے سوال پر اُسکا بازو تھاما اور اسے خود کے نزدیک کیا۔

وہ حنظلہ کے قریب ہوئی تو ڈر کے مارے خود میں سمونے لگی۔

بمشکل اپنے نازک بازو کو حنظلہ کی مضبوط گرفت سے آزاد کرواتے اسنے وہاں سے جانے میں ہی دانائی سمجھی۔

"میں نے کچھ پوچھا تھا تم سے۔۔۔؟؟؟"

حنظلہ کی گرجتی آواز نے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جبکہ نیہان کے قدم وہیں رک گئے۔

وہ ہمت نہیں کر پا رہی تھی قدم آگے بڑھانے کی کیونکہ حنظلہ کا غصّہ اپنی حد پار کر رہا تھا۔

وہ مختلف رنگوں کو اپنے چہرے پر بکھیرے اسکی سمت قدم بڑھا رہا تھا۔

جبکہ وہ اسے خود کی جانب آتا دیکھ کر بے ساختہ پیچھے کی جانب الٹے قدم اٹھا رہی تھی۔

جیسے جیسے وہ قدم آگے کو بڑھاتا ویسے ویسے وہ قدم پیچھے کو اٹھاتی۔

بے دھیانی میں نیہان کی پشت اب دیوار سے آکر ٹکرائی جبکہ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اسکے سر پر آپہنچا تھا۔

نیہان نے اپنے دودھیا چہرے کو بے اختیار اپنی نرم و ملائم روئی مانند ہتھیلیوں میں چھپا لیا تھا۔کچھ دیر بعد چہرے کے سامنے بنائے ہاتھوں کے پیالے سے باہر جھانکتے ہوئے اسنے انگارے چباتے شخص کو دیکھا تو مانو جیسے اسکی سیٹی ہی گل ہو گئی ہو۔

پھر کچھ لمحوں بعد لرزتی پلکیں اُٹھا کر دیکھا تو وہ بلکل اسکے نزدیک کھڑا تھا وہ تھوڑی سی شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگی تو حنظلہ نے ہاتھ دیوار سے ٹکا کر اسے یہ کرنے سے باز رکھا۔

اب وہ اسکے بازؤں کے حصار میں سر جھکائے کھڑی تھی۔

"اب بتاؤ کیوں بگاڑی میرے کمرے کی حالت۔۔۔؟؟"

وہ مصنوعی غصّہ چہرے پر سجائے دوبارہ سوال گو ہوا۔

وہ سانس روکے خاموش وہیں کھڑی رہی۔۔۔

"بتاؤ۔۔۔۔۔۔؟؟"

وہ دوبارہ حاکمانہ لہجے میں بولا تو اس نے بمشکل سر اٹھایا اور لب کچلنے لگی۔۔

"نہیں بتاؤں گی۔۔۔!!"

اسنے جان چھڑانی چاہی۔

وہ کیوں۔۔۔۔؟؟؟""

اس انجان کی سوالیہ پر سوچ نگاہوں میں یکدم تفکر بھی اُتر آیا۔

"کیونکہ تم نے بھی میرے سوالات کے جوابات نہیں دیے۔۔۔ اور تو اور یہ تک کہہ دیا مجھے کہ۔۔۔ جہاں میرا ذکر آتا ہے تم کان کسیٹے (کان کا کچا) بننے میں عافیت سمجھتے ہو۔۔۔"

بنا ہچکچائے وہ تیزی سی بولتی ہوئی اسکے بازوؤں کے نیچے سے ہو کر نکل گئی۔

"ہیں۔۔۔۔کیا۔۔۔؟؟؟"

لاوے کی مماثلت لیے جب اسنے جملے کی گہرائی کو جانچا تو "ہیں ہیں" کر تارہ گیا۔

تب تک وہ بھاگتی ہوئی کمرے کا دروازہ عبور کر چکی تھی۔۔

جبکہ حنظلہ کو اب اپنے ہی کمرے سے کوفت ہو رہی تھی۔۔

"شبیر۔۔۔۔۔۔"

اسنے چیخ کر ملازم کو پکارا

وہ بوکھلا کر مڑی لیکن حنظلہ کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر اسنے رکنے کی غلطی بلکل نہیں کی۔

جبکہ حنظلہ کی پر سوچ نگاہوں نے اُسکا دور تک پیچھا کیا تھا۔۔۔

"آل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔۔۔"

منہ میں بڑبڑاتے دوڑتی ہوئی وہ لاؤنج میں آئی تو اچانک آنکھیں کے سامنے شبیر کو دیکھ کر وہ اپنی چیخوں کا گلا نہ گھونٹ سکی۔

"کک، کی، کیا ہوا بی بی جی۔۔۔؟؟؟"

"آپ ٹھی۔۔۔۔۔"

"اب اس آفت نے کون سی بڑی تباہی مچا دی۔۔۔۔؟؟؟"

قدرے چونکتے حنظلہ نے جب بلند آواز میں سوال کیا تو شبیر کے بقیہ الفاظ اسکے منہ میں ہی دبے رہ گئے۔۔۔

"شبیر چاچا روبی آنٹی اور ہاجرہ بی کہاں ہیں۔۔۔ اور آپ، آپ کہاں تھے۔۔۔۔؟؟؟"

"باجی اور ہاجرہ بی آپکی طرف ہیں۔۔۔ اور میں انکے ساتھ یہاں سے وہاں سامان شفٹ کروا رہا تھا۔۔۔ کیوں کیا ہوا سب خیر ہے۔۔۔؟؟؟"

شبیر نے پر خلوص لہجے میں جواب دیتے آخر میں سوال کیا۔۔۔

【خیال】

کبھی لڑتی ہو کبھی گرتی ہو۔۔۔

خیر تو ہے۔۔۔؟؟

« »

"خیر ہی تو نہیں ہے۔۔۔!!!"

بر اسامنہ بناتے ہوئے وہ بدبدائی تھی۔

"بی بی۔۔۔جی"

شبیر نے سوالیہ لہجے میں پکارا تو وُہ خیالی کیفیت سے باہر نکلی۔

"جج۔۔۔۔۔۔جی شبیر چاچاسب خیر ہے۔۔۔۔بس وہ۔۔سلیقہ شعار جن آپکو یاد کر رہا ہے، جلدی جائیں اور اسکی بات سنیں ورنہ وہ آپکی حالت اپنے کمرے کی طرح بری کر دے گا۔۔۔۔"

"آپ تشریف لا رہے ہیں شبیر احمد کہ میں زحمت کروں آپ کے پاس آنے کی۔۔۔۔"

وہ دوبارہ غصّے سے پھنکارا تو شبیر اگلے ہی لمحے کسی چراغ سے نکلے جن کیطرح اسکے سامنے حاضر ہو گیا۔۔۔۔

"اللہ، اللہ کمرے کی یہ حالت کس نے کی۔۔۔۔؟؟؟"

سوالیہ نگاہیں اطراف میں دوڑاتے ہوئے شبیر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"وہ جو خود تو پاگل ہے ہی۔۔۔۔مجھے بھی پاگل کرنے پر تلی ہے۔۔۔۔"

زیرِ لب کہتے ناچاہتے ہوئے بھی وہ مسکرایا تھا۔

اور اسکا غصّہ اب بھاپ بن کر اس سے کہیں کوسوں میل دور اُڑ چکا تھا۔۔۔۔

اکثر ہی وہ اُسے نظروں کے سامنے پا کر غصے سے پاگل ہو جاتا تھا۔۔۔۔

اور اتفاقاً اگر وُہ کبھی نظروں سے دور رہتی تو حنظلہ کو سکون روح سے جدا سا لگتا تھا۔ عجیب تھی اُسکی یہ کیفیت بھی جسے وہ خود سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔۔

⟐⟐⟐⟐⟐

ایک مسئلہ ہے جس کا حل تلاش۔۔۔۔۔ کرنا ہے
مجھے تیرے ساتھ اپنا کل تلاش۔۔۔۔۔ کرنا ہے
سنا ہے ہر روز قبولیت کا ایک۔۔۔۔ لمحہ آتا ہے
دعا سوچ رکھی ہے بس وہ پل تلاش کرنا ہے

⟐⟐⟐⟐

امریکہ ایئرپورٹ پر وہ دونوں اترے اور اپنا سامان لے کر باہر آئے۔۔۔

ایئرپورٹ سے باہر قدم رکھتے ہی زوریز کو کچھ عجیب سا احساس ہونا شروع ہو گیا۔۔۔

کیونکہ کبھی اسکا اس شہر سے بڑا گہرا تعلق تھا۔

تبھی تو یہاں کی سرد فضائیں اسے اپنا اندر چیرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔۔۔

کتنے سالوں بعد اس نے آج امریکہ میں قدم رکھ تھا۔۔۔لیکن ماضی کی کچھ سر دیادوں نے موقع ملتے ہی اسکی آنکھوں کے سامنے رقص کرناشروع کر دیا تھا۔۔۔

جبھی اسکی آنکھیں برسنے کے لیے بے تاب ہو رہی تھیں۔

سر بہت عرصے بعد آپ کا یہاں آناہوا۔۔۔؟؟

ڈرائیو کرتے شخص نے ساتھ ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے حیدر علی سے سوال کیا۔۔۔

ہاں کافی عرصہ ہو گیا یہاں آئے ہوئے۔

حیدر علی نے زراافسر دگی سے جواب دیا۔

جبکہ زوریز بالکل خاموش تھا کیونکہ فل وقت اسے اپنے احساسات وجذبات کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔

جوں جوں گاڑی منزل کاراستہ تہہ کر رہی تھی تب تب ہی اسکے دل کے اندر بے چینی بے تحاشہ بڑھ رہی تھی۔۔۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

کل کی نسبت آج موسم کچھ ٹھنڈا تھا۔

نیلے آسمان پہ جگہ جگہ روئی کے سفید اور انتہائی خوبصورت گالے بنے ہوئے تھے۔

آسمان پر نیلا رنگ بہت اُٹھ رہا تھا اور پرندوں کو بھی یہ موسم کافی بھا رہا تھا تبھی غول در غول پرندوں کی چہچہاہٹ کانوں میں رس گھول رہی تھی جبکہ سورج اپنی لامحدود کوششوں کے باوجود اپنا آپ دیکھانے سے باز تھا کیونکہ بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں نے اسکے ارد گرد گھیراؤ کر رکھا تھا۔

لیکن پھر بھی چاشنی میں گھولی شربتی کرنیں کہیں نہ کہیں سے نکل کر پنکھ پھیلائے زمین پر اترتی ہوئیں موسم کی خوبصورتی اور رنگینیوں میں اضافہ بڑھا رہی تھی۔

ایسے میں چلتی ہوئی ہلکی ہوا انسانی روح کو سرشار کرنے کے لیے کافی تھی مگر وہ بالکنی میں کھڑی موسم سے لطف اٹھانے کی بجائے کسی غیر مری نقطے پر نظریں مرکوز کیے اداس کھڑی تھی۔

صبح سویرے ہر روز وہ زوریز اور حیدر کے ساتھ جوگنگ کرنے جاتی تھی لیکن آج وہ ساتھ تھے نہیں تو اسلئے منہ لٹکائے اداس کھڑی تھی کہ اچانک اسکی نظر ٹریک سوٹ میں ملبوس، گہرے بھورے رنگ کے گھنے بالوں والے قد آور شخص پر پڑی۔۔

جو سڑک کنارے گلاب کے کُنج کے پاس کھڑا ہوا تھا جیسے اس شاندار وجاہت کے مالک نے گلاب

کی ادھ کھلی کلی کو چھونے کی غرض سے ہاتھ آگے بڑھایا نجانے اس لڑکی کے ذہن میں کیا آیا کہ وہ تیر کی تیزی سے دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔۔۔

بھاگ نیہان بھاگ تجھ اس ننھی کلی کو ٹوٹنے سے بچنا ہو گا اگر وہ ایک بار ٹوٹ گئی تو پل بھر میں اُسکی پنکھڑیاں جدا ہو کر بکھر جائے گئیں۔۔!!

وہ زیرِلب بڑبڑاتے ٹانگوں کی حرکت میں تیزی لا رہی تھی۔

آرام سے بیٹا گر جاؤ گی۔۔۔!!

روبینہ نے جب اسے لمبے لمبے ڈنگ بھرے اضطرابی سے سیڑھیاں اترتے دیکھا تو فکر مندانہ لہجے میں تاکید کی۔

جبکہ پیچھے سے بلند ہونے والی وہ تمام آوازوں کو نظر انداز کرتی ہوئی آندھی کیطرح بڑی بھرتی سے لمحوں میں مین گیٹ تک پہنچ آئی۔۔۔

اور پھر گھٹنوں پر ہاتھ رکھے نیچے کو جھوک گئی آگے بڑھتی مگر اسکا سانس پھول چکا تھا اور ٹانگیں جواب دے گئی تھیں۔۔۔

اسکے پاس اب صرف ایک ہی طریقہ بچا تھا کہ وہ بلند آواز میں اسے پکار کر پھول توڑنے سے باز رکھ سکتی تھی۔۔۔ کہ اسی غرض سے جیسے ہی اسنے نظریں اٹھائیں تو سامنے کا منظر اسکی آنکھوں کو سحر کر گیا۔۔۔

حنظلہ نے گلاب کی اس ننھی کلی کو جب اپنی انگلیوں کے پوروں سے چھو کر محسوس کیا تو وہ دھیرے سے مسکرایا تھا پھر لمحے بعد اسنے دل میں ابھرتی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اس خوشبودار گلابی کلی کو اب اپنے لبوں سے چھوتے ہوئے تازگی کے ایک میٹھے احساس کو اپنے اندر اتارا تھا۔

وہ اس سارے ماحول میں یکدم مزید خوبصورت اضافے کا سبب بنا تھا۔

جبکہ وہ دور کھڑی منہ کھولے سارا منظر حیرانگی سے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ایسا تو صرف وہی کرتی ہے یا پھر۔۔۔شاید حنظلہ نے اسے کبھی، کہیں دیکھا تو نہیں یُوں کرتے۔۔۔!!

۔

۔

وہ فطرتاً سوچوں میں کھو جاتی اس سے قبل بے خود وہ اس حسین منظر میں کھو چکی تھی۔

کہ تبھی یخ بستہ صبح کے ملگجے اجالوں میں سورج کی سنہری کرنیں اپنی پوری آب و تاب سے ہر سو جگمگانے لگی تھیں۔۔ اور ساتھ اسکے گلابی پنکھڑی مانند لبوں پر تبسم بکھر آیا۔۔۔۔

ادھر حنظلہ کو جب خود پر کسی کی کڑی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی تو وہ جزبز سا ہو کر سیدھا ہوا اور اس سمت دیکھنے لگا جہاں کچھ لمحے پہلے کوئی کھڑا بڑی فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا مگر اب کہیں غائب تھا۔۔

وہ نظر انداز کر کے جیسے ہی آگے بڑھا تو نیہان نے بروقت گیٹ کے پیچھے پوشیدہ کیا اپنا وجود واپس نمایاں کرتے حنظلہ کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے وجود کا سرسری جائزہ لیا تو بے اختیار ایک خوبصورت مسکراہٹ اسکے چہرے پر رینگ گئی۔

یہ تو بڑا وقت کا پابند تھا پھر ابھی تک آفس کیوں نہیں گیا۔۔؟؟

لاؤنج میں لگے صوفے پر ٹانگ پے ٹانگ چڑھائے بیٹھے فون پر مصروف حنظلہ کو ایک نظر دیکھ کر نیہان نے بریڈ پر جیم لگتے ہوئے روبینہ سے سوال کیا۔

تمھارے انتظار میں لیٹ ہو رہا ہے۔۔!!

روبینہ نے جواباً خوشدلی سے مسکرا کر کہا۔

کیا مطلب آنٹی میں سمجھی نہیں۔۔؟؟

نیہان نا سمجھی سے دوبارہ سوال گو ہوئی۔

مطلب کہ تمھیں یونیورسٹی ڈراپ کر آفس کیطرف نکلے گا۔۔۔

روبینہ نے ایک ہی جملے میں بات سمجھادی۔

کیا۔۔۔۔؟؟؟

گنگ ہوتے ہوئے نیہان نے بے یقینی سے زرا بلند آواز میں کہا تو حنظلہ نے فوراً فون کی سکرین سے نظریں اٹھا کر اسکی سمت دیکھا۔۔!!

مطلب کیوں آنٹی۔۔۔؟؟

میں تو ڈرائیور ساتھ چلے جاتی۔۔۔!!

نیہان نے ملائمت سے اپنا سوال پورا کیا۔۔!!

کیا مطلب کیوں۔۔۔؟؟ جب زمے داری میں نے اٹھائی ہے تمھاری، تو۔۔ڈرائیور ساتھ کیوں جاؤ گی تم۔۔؟؟

روبینہ کے بدلے حنظلہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کی جانب بڑھتے جواب میں سوال کیا تھا۔

ایک تو وقت کا پابند اور دوسرا کسی بھی صورت اپنے کام پر کبھی کمپر ومائزنہ کرنے والا شخص۔۔۔

اسکے انتظار میں آفس سے لیٹ ہو رہا تھا وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ اوپر سے اسکا اپنائیت جتاتے ہوئے مصنوعی غصہ۔۔۔۔

وہ سچ میں یہ سب کچھ ایک خواب ہی تصور کر رہی تھی۔

روبینہ نے چائے کی آخری چکسی بھرے ہوئے خالی کپ ڈائننگ پر رکھا تو ہلکا سا شور برپا ہوا جس سے نیہان کا طلسم ٹوٹا اور وہ جواب دینے کیلئے گویا ہوئی۔۔۔

کیونکہ وہ ڈرائیور ہے، اور مجھے پک اینڈ ڈراپ کرنے کی زمیداری اسکی بنتی ہے۔۔۔ اسلیے جاؤں گی۔۔۔

نیہان نے بے اختیار براقی سے جواب دے کر نوالہ چبانے لگی۔۔۔

ایک کام اگر دو لوگوں کے ذمے ہو تو کسی ایک کو اس کام سے دستر دار ہونا پڑتا ہے۔۔

مختصر۔۔۔ مکمل طور پر کوئی ایک ہی زمے داری اٹھا سکتا ہے کسی کے کام کی۔۔

اور جب ہم کسی دوسرے کو ذمے داری سونپتے ہیں تو پہلے والے کو اس زمیداری سے آزاد کر دیتے ہیں۔۔

کیا مطلب کہ آزاد کر دیتے ہیں پتہ بھی ہے۔۔۔

کہ ڈرائیور کے بنا ہمارا آنا جانا، گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔۔

وہ بات کر رہا تھا جب نیہان نے اسے ٹوکا اور اپنی بات رکھی۔

حنظلہ صرف تمھاری بات کر رہا ہے بیٹا۔۔۔۔

کیونکہ زوریز بھائی تمھارا ہر کام اس کے زمے لگا کر گئے تھے۔۔۔

اب اٹھوں شاباش۔۔۔۔ اور مزید بحث کرنے میں وقت کا ضیاءنہ کرو۔۔۔

حنظلہ نے روبینہ کے بولنے پے شکر ادا کیا کہ اسے نیہان کو سمجھانے میں اپنی توانائی اور وقت خرچ نہیں کرنا پڑا تھا۔

بوا جی میرا بیگ لیں آئے۔۔

نیہان نے بظاہر برا سا منہ بنا کر بلند آواز میں کچن میں کام کرتیں ہاجرہ بی سے کہا۔

اسے حنظلہ کا یکدم سے اچھا ہونا ذرا عجیب سا لگا لیکن برا نہیں۔۔۔ برا وہ تھا بھی نہیں بس اسکی بچگانہ باتیں برداشت نہیں کر پاتا تھا اور طیش میں آجاتا تھا۔

خیر وہ سر جھٹکتے ہاجرہ بی سے بیگ لے کر اسکے پیچھے باہر کو کار پورچ کیطرف بڑھی۔

جیسے ہی حنظلہ نے گاڑی ان لاک کی تو نیہان منہ بسور کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

حنظلہ نے مسکرا کر فرنٹ سیٹ سنبھال کر گاڑی سٹارٹ کی۔

نیہان نے سونگ پلے کر کے گاڑی میں چھائی خاموشی کو ختم کیا۔

نیہان کو سونگز ویسے بھی بہت زیادہ پسند تھے اور ٹریولنگ میں تو اسکا سونگ سنے بغیر گزرا نہیں تھا کیونکہ سفر طویل لگنے لگتا تھا اسے۔۔۔

جبکہ حنظلہ کو سفر کر درمیان گانے سننا بے حد برا لگتا تھا۔

اس لیے نیہان نے سونگ جیسے ہی پلے کیا۔۔۔

حنظلہ نے ویسے ہی آف کر دیا۔۔۔

دنیا چھونا چاہے مجھ کو یوں

جیسے انکی ساری کی ساری میں۔۔

نیہان نے اسے گھوری سے نوازتے دوبارہ سونگ پلے کیا تو اسنے کچھ دیر خاموش رہے لیر کس سنے

یہ کیا۔۔۔۔ کس قسم کے۔۔۔۔
میوزک پلییئر کی جانب ہاتھ بڑھا کر گانا بند کرتے ہوئے اسنے اپنے الفاظ لبوں پر دبا کر اسکی سمت دیکھا جو پہلے ہی اسے یک ٹک تک رہی تھی۔

سوئنگز کچھ اچھے، برے، عجیب تو ہوتے ہی ہیں۔۔

میں نے کوئی چن کر یا جان بجھ کر یہ گانا پلے نہیں کیا۔ تو مجھے ایسے مت دیکھو۔

حنظلہ کی سخت نظروں سے خائف ہو کر صاف دل سے اپنی بات کہہ کر اسنے دوبارہ گانا چلانا چاہا مگر حنظلہ نے اسکا میوزک پلییئر کی جانب بڑھتا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لے کر اسے ایسا کرنے سے باز رکھا تھا۔۔

گانے مجھے بے حد برے لگتے ہیں۔۔۔

حنظلہ نے مروت سے کہا۔

مجھے بے تحاشہ اچھے لگتے ہیں۔۔۔

نیہان نے قدرے ناگواری سے کہا۔

ہم سفر میں ہیں اور یقیناً تم نے سفر کی دعا بھی نہیں پڑھی ہو گی۔۔؟؟

حنظلہ نے مختصر سے جملے میں بہت کچھ سمجھانا چاہا مگر اس نا سمجھ لڑکی کے پلے کچھ نہیں پڑا۔۔

ہمممم تو۔۔۔۔؟؟؟

نیہان نے بھنویں اچکا کر سوالیہ انداز میں پوچھا جبکہ اسکی دودھیا نازک و ملائم کلائی ابھی بھی حنظلہ کے سخت ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھی۔

تو کوئی نعت، قوالی کوئی بیان سن لو۔

حنظلہ اطمینانیت سے دھیمے لہجے میں بولا۔

ویسے ایسا کیوں کہہ رہے ہو تم۔۔۔۔؟؟؟

وہ جانتا تھا عادتاً بات ماننے کی بجائے وہ دوبارہ سوال کرے گی۔۔
ہمسفر ہونے کی فکر میں۔۔۔!!

اس کا چہرہ ہر تاثر سے پاک تھا جبکہ اسنے معنی خیز انداز میں سنگینی سے کہا۔
خلافِ توقع جواب پا کر وہ بڑبڑا سی گئی۔
ایکسکیوزمی۔۔۔۔

اسنے بے اختیار چیختے ہوئے اپنی کلائی اسکے ہاتھ کی گرفت سے آزاد کروائی۔

فل وقت ہم اکھٹے سفر کرنے کی حیثیت سے ہمسفر ہی ہیں محترمہ۔۔۔۔اور اللہ نہ کرے اگر۔۔۔

واقعی میں اللہ نا کرے، اللہ نہ کرے ہمیں کوئی حادثہ پیش آئے۔۔۔

کیونکہ۔۔۔مر کے بھی تمھارے جیسے جن کے ساتھ بھٹکنا پھرنا مجھے ہر گز گوارہ نہیں۔۔۔
نیہان اسکی بات مکمل ہونے سے پہلے بلا تصنع تمازت سے بولی تھی کہ حنظلہ اپنی ہنسی کا گلا نہ دبا سکا جبھی بے اختیار اسکا باآواز بلند قہقہ گاڑی میں گونج اٹھا۔
وہ اسے یوں کشادہ دلی سے حقیقت میں پہلی بار ہنستا دیکھ رہی تھی۔۔۔زیادہ تر وہ مسکراتا ہی تھا۔۔ہنستا بہت کم تھا۔۔خاص تو پر تو اسکے سامنے بالکل بھی ہنستا یا مسکراتا نہیں تھا۔۔۔

یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ نیہان کو دیکھ کر ہی اسکے چہرے پر پریشانی اُمڈ آتی اور اُسکی اطمینانیت، مسکراہٹ کہیں غائب ہو جاتی۔۔

لیکن اب جب کبھی بھی وہ اسے دیکھتا تو زبردستی ایک خوبصورت مسکراہٹ اسکے لبوں کو چھو تھی۔۔۔

اِدھر نیہان اسے اس دن تصویر میں ہنستا دیکھ کر اتنا حیران ہو رہی تھی اور آج وہ اس کے سامنے کھکھلا کر ہنس رہا تھا وہ بے یقینی کی کیفیت میں مجسمہ بنے حیرانگی سے اسے ایسے گھور رہی تھی جیسے دُنیا کی عجیب ترین مناظر میں سے کوئی منظر دیکھ لیا ہو۔۔
جبکہ یہ منظر عجیب یا انوکھا نہیں خوبصورت ترین تھا۔

باب نمبر 12

کار میں اسکے کلون کی مہک، اسکا ہنستا مسکراتا چہرہ، اور خنکی میں بدلتے موسم کی ایک حسین صبح۔۔۔۔کار کے اندرونی ماحول کو سحر انگیز کر رہی تھی۔

جس سے ماحول میں سفوں اور سحر ہوتا نیہان کی دھڑکنوں کو تیزی کے ساتھ بے ترتیبی سے بڑھاتا محبت کے سفر پر گامزن کرنے کی چھوٹی سی کوشش کر رہا تھا۔۔۔

مگر وہ نیہان تھی بالکل اپنے نام جیسی یعنی ہر شے کی پوشیدگی، پردہ پوشی کرنے والی۔۔۔

پھر ایک معمولی سی ہنسی پر دل کیسے ہار سکتی تھی۔۔۔

جو ہنسی دل کو بے جا دھڑکا سکتی تھی وہ معمولی تو تھی نہیں۔۔۔ خیر جو بھی تھا وہ چہرے سے کچھ اخذ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

ویسے میں بھی اسی وجہ سے کہہ رہا تھا کہ

گانے سننے کی بجائے کوئی نعت سنو، سفر کی دعا، یا درود شریف پڑھو۔۔۔

تا کہ کوئی مشکل ہم پر آنے سے پہلے ہی ٹل جائے۔۔!!

کیونکہ اندازہ تو بالکل درست ہے محترمہ آپکا۔۔۔!!

حنظلہ نے مزے سے شرارتی انداز مگر منصوعی سنجیدگی کی نہایت بیکار اداکاری کرتے ٹھہر او سے کہا۔

تو سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا گیا جہاں سے اسکی ہنسی نے توڑا تھا۔

نیہان کا ذہن ماؤف ہو گیا۔۔۔ گلے میں ڈالا دوپٹہ جلدی سے سر پر اوڑھتے ہوئے آنکھیں بند کیے زیرِ لب اب اسنے کچھ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔۔۔

حنظلہ نے بازو فولڈ کر کے کہنی گاڑی کے دروازے سے ٹکائے لبوں پر انگشتِ شہادت رکھے اپنی ہنسی دباتے ہوئے بمشکل اپنا دھیان اسکے زرد پڑتے چہرے سے ہٹا کر سامنے کی سمت متوجہ کیا۔

اچھا تم بتاؤ۔۔۔ تم نے دعا پڑھی تھی۔۔۔؟؟

کچھ دیر بعد نیہان نے ایک آنکھیں کھول کر اسکی جانب دیکھتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

ہممممممم۔۔۔حنظلہ نے ناک سے آواز نکالتے سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دیتے ہاں میں جواب دیا مگر نظریں سامنے ہی مرکوز رکھیں۔

میں کیسے مان لوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو یعنی مجھے باتوں میں الجھا کر میوزک بند رکھنا تمھارا مقصد ہو۔۔!!

نیہان نے ساری آنکھیں کھول کر اسکی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے تشویشی انداز میں کہا۔

نہیں میں جھوٹ نہیں بولتا۔۔۔

حنظلہ نے جواباً پر سکونی سے کہا۔۔

مزید کچھ کہتی اس سے پہلے گاڑی رکی اور سامنے یونیورسٹی کا گیٹ تھا۔۔

واقعی یہ جھوٹ نہیں بول رہا تبھی تو کوئی مشکل آنے سے پہلے یونی آ گئی۔

وہ گاڑی کی پسنجر سیٹ سے بیگ اٹھاتی ہوئی زیرِلب بڑبڑائی اور جلدی سے اتر کر گیٹ کیطرف بڑھ گئی۔۔تو حنظلہ نے مسکرا کر سر کو دائیں بائیں جانب ہلایا۔۔

اچانک وہ رکی اور جب مڑ کر دیکھا تو گاڑی ابھی وہیں رکی ہوئی تھی اور اسے میں بیٹھا شخص اسکے اندر جانے کا منتظر اسکی سمت بڑی فرصت سے دیکھ رہا تھا۔۔

جاؤ تم آفس کے لیے لیٹ ہو جاؤ گے ادھر رکے ٹائم ویسٹ کیوں کر رہے ہو اپنا۔۔۔؟؟؟

نیہان نے دور کھڑے زرا اونچی آواز میں مشورہ دیتے آخر پر سوال کیا تو وہ گاڑی سے اتر کر باہر آیا۔

تم اندر جاؤ میں چلا جاؤں گا۔۔۔

حنظلہ نے بھی اتنی ہی بلند آواز میں سنگینگی سے تحکم کہا۔

کہ وہ بغیر کچھ بولے پہلی بار اسکی بات پر عمل کرتے خاموشی سے اندر چلے گی۔۔۔

توحنظلہ نے بھی گاڑی آفس کی راہ پر ڈالی۔

ہمیں امریکہ میں لینڈ کیے پورے دو دن ہو چکے

اور ابھی تک کسی بھی طرح کی کوئی انفارمیشن نہیں مل سکی ہمیں عا۔۔۔۔۔۔۔

عالیہ نام لبوں پے ہی روکتے ہوئے ناشتہ کیے بغیر کرسی کھسکا کر وہ حیدر کو گھورتا ہوا کھڑا ہوا۔

تم ناشتہ تو کرلو پہلے۔۔۔اور زرا تحمل رکھو انشاءاللہ چارلس جلدی ہی ساری تفصیل۔۔۔

"نہیں کرنا یار مجھے ناشتہ۔۔۔۔

میرے حلق سے ایک بھی نوالہ اترنا بہت مشکل ہے تم جانتے ہو اچھی طرح۔۔۔

کیسے رکھوں میں تحمل۔۔۔؟؟

اور کیسے کرلوں میں صبر۔۔۔؟؟

تم ہی بتاؤ کوئی طریقہ جس سے میں لمحہ بہ لمحہ دل میں بڑھتی اپنی بے چینیوں کا شور کم کر سکوں۔۔ جس سے میں اپنی کچھ بے سکونی ختم کر سکوں، بتاؤ مجھے میں کیا کروں، کیا کروں میں کیا کروں۔۔؟؟"

میں تنہائی کو تنہائی میں تنہا کیسے چھوڑ دوں

تنہائی نے، تنہائی میں، میرا بہت ساتھ دیا ہے

حیدر بول رہا تھا جب زوریز نے اُسے ٹوکا اور شکستگی سے مضطرب ہو کر کہا۔

چارلس کر رہا ہے پتہ۔۔۔!!

حیدر نے امید دلاتے نرمی سے کہا۔

تم نے رکھا کس کام لیے ہے اسے۔۔۔؟؟

جب وہ کسی کام کا ہی نہیں تو۔۔۔۔؟؟

اس سے تو اچھا ہے میں خود اسے تلاش کروں۔۔

میں خود ڈھونڈھوا سے۔۔۔!!

زوریز نے غمگین و متاسف سے کہا کہ تبھی اسکی آنکھیں نمکین پانی سے بھر آئیں۔

تم جانتے ہو ایلی کی موت کی خبر بھی ہمیں چارلس سے ملی تھی اور اسے نے کسی ان نوّن نمبر سے یہ ساری انفارمیشنز ریسیو کی تھیں۔۔۔!!!

حالانکہ اسکے لیے یہ پتہ لگوانا ممکن تھا کہ یہ ساری خبریں حقیقی یا صرف افواہیں ہیں۔۔۔

اسنے پھر بھی پتہ لگایا اور تو اور ہمیں یہ بھی بتایا کہ یہاں تم دونوں اکھٹے ایک ساتھ رہا کرتے وہ گھر آج سے تیرہ سال پہلے فروخت ہو چکا ہے۔۔ مگر حیرانگی کی بات ہے کہ وہاں ابھی تک کوئی بھی رہائش پذیر نہیں ہے۔۔

آہستہ آہستہ وہ تمام معلومات بھی اکھٹی کر کے ہم تک پہنچا دے گا۔

یہ بھی کہ گھر خریدنے والا کون اور کہاں ہے ابھی۔۔!!

ایلی کی آخری رسومات کس نے ادا کی ہم نہیں جانتے اور ایسے میں تم کتنے قبرستانوں میں آ جا کر اپنے آپ کو تھکاؤ گئے۔۔۔

اذیتوں میں مبتلا ہو کر یوں تڑپتے پھرو گے۔۔؟؟؟

حیدر نے افسردہ ہوتے ہوئے سمجھنا چاہا۔۔!!

ان اذیتوں میں یوں تڑپتے ہوئے بے درد یادوں میں گمراہ ہو کر تنہائی میں رونا۔۔۔

سب کچھ پاس ہونے کے باوجود سکون کی کمی کا شدت سے محسوس ہونا کہ احساسِ ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتے ہوئے معافی کی طلب کرنا۔۔۔

روز راتوں کو سنسان راہوں پر نکل کر آوارہ زندگی تلاش کرنے کی ناکام کوششوں میں خالی ہاتھ لوٹ آنا۔۔۔

مکمل خاموشی میں سینے میں چیختے درد کو سننا۔۔۔

ذہن میں اُٹھتے سوالوں اور دل میں اُٹھتے جذبات کو چپی کے واسطے ڈالنا۔۔۔

خود کو آزمائشوں میں پا کر گنہوں کی پردہ پوشی کرنا یہاں تک کہ حقیقت ظاہر ہونے کے ڈر سے ڈر ڈر کر جینا۔۔۔

میں نے اپنے لیے خود ہی توان تکلیف دہ مراحل کا انتخاب کیا ہے حیدر۔۔۔۔

تو پھر یہ اطمینان کی ضد کیسی۔۔۔؟؟

رنج و ملال سے زوریز نے اپنا عالم خیال حیدر سے بیان کیا کہ تبھی اسکی نم آنکھوں سے آنسوں کا ایک قطرہ بے قابو ہو تا زمین پر گر اپڑا۔۔

دوست کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے پہلی بار حیدر کے ہاتھ کانپے تھے شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔۔ نجانے زوریز اپنے زخموں کو خود ہی کیوں اُدھیڑ رہا تھا۔۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

بھلا دے مجھ کو تیری بے وفائی بجا ہے لیکن

گنوا نا نہ مجھ کو کہ میں تیری زندگی رہا ہوں

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

رات ہو چکی تھی جبھی وہ سونے کے لیے پیراہنِ شب زیب تن کرنے کی غرض سے واش روم کی جانب بڑھی۔۔۔

توہاجرہ بی نے دودھ سے بھرا گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھ کر زرا بلند آواز سے اسے سارا پینے کی نصیحت کر کے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

جیسے ہی وہ واش روم سے نکلی تو بیڈ پر پڑا اسکا موبائل چمک رہا تھا۔۔۔

رامین کا میسج۔۔۔اس وقت

قدرے چونکتے ہوئے وہ زیرِ لب آہستگی سے بڑبڑائی۔۔

واٹس ایپ اوپن کرنے کے بعد اسنے رامین کے وائس میسج سننے کیلیئے پلے کے بٹن کو کلک کیا۔۔

ہیلو۔۔۔

نیہان۔۔۔

ہمیں کل ہر حال میں سر شہزاد سعید کو اپنا کمبائین ورک اسائنمنٹ سبمیشن کروانا ہے تو پلیز یاد سے اسے صبح تک کمپلیٹ کر لینا تم۔۔۔

اور میں کل آل چیک کرنے کے بعد امپورٹ پوائنٹس سپریڈ کرنے کے ساتھ ہائلائٹ کر دوں گی ٹھیک ہے۔۔۔

درخواستی لہجے میں رامین نے یاد دہانہ انداز میں وائس نوٹ بھیجا تھا تاکہ نیہان اُسکی آواز میں مصنوعی پریشانی کی لغزش محسوس کر سکے۔۔

رامین کی بات سنتے ہوئے اس نے بری طرح اپنا ماتھا پیٹنا شروع کر دیا بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اسنے اپنے ہاتھ میں پکڑا فون قدرے ناگواری و بیزاری سے شدید غصّے میں آتے ہوئے بیڈ پر پٹکا۔۔۔

بہت خوب میں رات دیر تک جاگ کر اسائنمنٹ کمپلیٹ کروں گی اور یہ میڈم صرف امپورٹ پوائنٹس سپریڈ کرنے میں میری مدد کریں گی جو حد پانچ دس منٹ کا کام ہے۔۔۔

حد ہے ویسے حد ہے۔۔۔

کوئی پوچھے کہ اتنا بھی احساس کیوں کرنا میرا۔۔۔ یہاں سارا کام میں نے خود کرنا ہے تو یہ بھی خود ہی کر لوں گی میں۔۔۔

میری عقل پر پھتر پڑے تھے جو اس کام چور کی کمبائین اسائیمنٹ ورک ریکویسٹ اسیپٹ کی لی میں نے۔۔

چاہے جو مرضی ہو جائے آئندہ میں کسی کے بھی گروپ میں ہرگز شامل نہیں ہوں گی۔۔۔

ایوے ہی سر کھپاتے رہو ساری رات۔۔۔ مگر مجال ہے کہ کوئی بھولے سے ہی نام نیکی کر جائے۔۔؟؟

اسٹڈی ٹیبل سے لیپ ٹاپ اٹھا کر پیر پٹختی وہ بیڈ کی جانب بڑھی۔۔

آگے جو ہونے والا تھا شاید اسکے ساتھ آج سے قبل کبھی اتنا برا نہیں ہوا تھا۔۔

لیپ ٹاپ ابھی اسنے آن کیا ہی تھا کہ بیٹری ڈیڈ ہونے کی وجہ سے اسے وقت بند ہو گیا۔۔۔

پاس پڑے کشن میں منہ دبا کر اب اسنے اپنی چیخوں کا گلا گھونٹا اور اپنا غصے کچھ ٹھنڈا کیا۔

اگر وہ آج رات اسائنمنٹ مکمل نہیں کرتی تو جو کل اسکی عزت افزائی ہونی تھی اسے وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

پہلے وہ یونیورسٹی سے کم چھٹیاں کرتی تھی کہ اب اسائنمنٹ مکمل نہ کر کے نکمے ہونے کا ٹیگ ماتھے پر سجا لیتی۔۔۔۔

ایکطرف نیند زور پکڑ رہی تھی تو دوسری طرف کل ہونے والی بے عزتی کا سوچ سوچ کر اسے ہول پڑ رہے تھے۔۔

لیپ ٹاپ چارج پر لگا کر ساتھ اسنے اپنا کام مکمل کرنے کا سوچا۔۔۔

۔

۔

لیپ ٹاپ چارجر پر لگا کر استعمال کرنے سے کہیں پھٹ وھٹ گیا تو۔۔۔؟؟

میرا چہرہ جل بھن کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔۔

میری معصوم چھوٹی پیاری سی شکل پل بھر میں بدل کر عجیب و غریب بری سی ہو جائے گی۔۔

وہ بدگمان ہوتے جلدی سے پیچھے ہٹی۔۔۔

انگلیوں کو مختلف زاویوں میں مروڑتی ہوئی۔۔۔

اب وہ کیا کرے یہ سوچنے لگی۔۔۔

کہ یہی سوچتے ہوئے اسنے بیڈ سے فون اٹھا کر باپ سے بات کرنی چاہی مگر رات کافی ہو چکی تھی۔

وقت کی نزاکت دیکھتے ہوئے اسنے دل کو مارنا ہی بہتر سمجھا اور فون وائبریشن پر لگا کر سائڈ پر رکھ دیا تاکہ وہ اپنی ساری توجہ سے جلد ہی اسائنمنٹ مکمل کرنے میں کامیاب ہو سکے لیکن فی الحال لیپ ٹاپ ڈیڈ تھا۔۔۔

لیپ ٹاپ پر بیزاری سے نگاہیں گاڑھے

اچانک اسکی نیند میں ڈوبی آنکھیں چمکنے لگے تبھی وہ اپنے گرد پھیلی کتابیں سمیٹنے لگی۔

کیوں نہ میں اس زلزلہ خان کا لیپ ٹاپ یوز کر لوں۔۔۔سویا ہو گا۔۔۔اسے پتہ بھی نہیں چلے گا اور میں اپنا کام کر کے فوراً واپس رکھ دوں گی۔۔۔

کتابیں، نوٹس، نوٹ بک سینے سے لگے قلم ہاتھ میں پکڑے ذہن میں آئی ترکیب پر عمل کرنے لئے وہ جلدی سے اپنے کمرے سے باہر نکلی اور سٹڈی روم کی سمت بڑھی۔۔۔

جب اسکی نظر سٹڈی روم کے دروازے سے نکلتی روشنی پر پڑی تو اسکے قدم یکدم رک گئے۔۔

یعنی کہ اندر کوئی تھا وہ آہستگی سے قدم اٹھاتے کمرے کے دروازے پر جیسے ہی آن ٹھہری تو اسکے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

کیونکہ سامنے حنظلہ کرسی کی پشت سے کمر ٹکائے بیٹھا ٹیبل پر بے شمار فائلز پھیلائے نجانے لیپ ٹاپ پر کیا کام کر رہا تھا۔۔

اسے رات اس وقت تک آفس کا کام کرتا دیکھ نیہان کو سخت کوفت ہونے لگی، اسکا سر چکرانے لگا چہرہ غصے سے سرخ اور آنکھیں بے تحاشہ بیزاری سے بھر آئیں۔۔

اب تو حد ہی کر دی اس اکڑو خان نے۔۔

یہ انسان ہے یا واقعی کوئی جن روبوٹ کوئی انوکھی تخلیق۔۔۔ جو گھر سے آفس، آفس سے گھر، گھر آفس، آفس گھر۔۔۔ دن رات بس کام ہی کام۔۔ کام ہی کام کرتے تھکتا نہیں یہ انسان۔۔ اور نہ ہی کبھی تنگ آتا ہے۔۔۔ اب تو ذمے داریاں بھی بڑھ گئی ہیں اسکیء، لیکن۔۔۔ نیند، نیند اسکی آنکھوں سے ابھی بھی کوسوں میل دور ہے۔۔

اپنا آرام ایسے حرام کرتا ہے یہ شخص جیسے کہ صرف ایک ہی دن میں اسکی انتھک محنتوں سے پاکستان کا بڑا کوئی نام روشن ہو جانا ہے۔۔!!

اب میں اندر جاکے اس کچھ بولوں گی تو کچھ بولتے بولتے عادتاً کچھ زیادہ ہی بول جاؤں گی۔۔۔

اور یقیناً بات اسے بعد میں سمجھ آنی ہے اور ابالے اس نے کھولتے پانی کیطرح پہلے مارنے شروع کر دینے ہیں۔۔۔!!

نجانے میری کل کی حرکت اسے یاد بھی ہے یا بھول گیا ہو گا۔۔۔ بھولتا تو ویسے کچھ بھی نہیں اتنی آسانی سے

سب یاد ہوتا ہے اس خر دماغ کو۔۔۔

اب کیا کروں مجھے لیپ ٹاپ چاہیے اور اگر اس سے مانگوں گی بھی تو شاید یہ نہ دے۔۔ اپنا حساب جو پورا کرنا ہے اسے کھڑوس کو مجھ سے۔۔

وہ غیظ وغضب میں مگر دبی آواز سے دانت بھینچتے ہوئے قدرے ناگواری واضطرابی سے بولتی جارہی تھی۔

جب بھی وہ یوں خود کلام ہوتی تھی اتفاقاً حنظلہ اسکی تمام بات سن لیتا تھا۔۔

خوشی قسمتی سے آج وہ دروازے پر کھڑی زیرِلب بڑبڑا تھی جس بدولت اسکی باریک کاٹ دار آواز اندر بیٹھے دل نشین شاندار نوجوان کے سماعتوں سے ٹکرا پانا ناممکن تھا۔۔

غصہ کسی اور کا اور نکال کسی اور پر وہ چٹکیوں میں وہاں سے یہ جا وہ جا ہو چکی تھی۔۔ مگر سٹڈی روم میں بیٹھا وہ شخص ہر طرح کی کھڑ کھڑ آہٹ، گردونواح سے بیگانہ اپنے کام میں مگن تھا۔

لاؤنج میں آتے ہی نیہان کے قدم آہستہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسکے دودھیا چہرے پر اداسی بھی چھا گئی۔

نیند نے اس قدر زور ڈالا تھا کہ اسکی آنکھیں خود بخود بند ہو رہی تھیں جبکہ اپنے مرے مرے قدم اسے اب اتنے وزنی لگنے لگے تھے کہ انہیں اٹھا پانا اس کیلئے بہت مشکل ہو رہا تھا مگر سینے سے لگائی کتابیں انکا تو یاد ہی نہیں تھا اسے جیسے۔۔۔

تبھی لاؤنج کے وسط میں پڑا بڑا سا ٹیبل جسکے گرد گولائی میں سجے خوبصورت صوفے پر رکھا فون اپنی پوری آواز سے چیختا ہوا اطراف میں پھیلی خاموشی کو توڑنے اور نیہان کے قدم کو ایک جگہ پر منجمد کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

وہ فون ہاجرہ بی کے استعمال میں تھا۔۔

جبھی وہ بے ساختہ صوفے کی سمت بڑھی اور بیزاری سے کتابیں ٹیبل پر پھنک کر اب اسنے ہاتھ بڑھا کر فون پکڑا۔۔۔

سکرین پر جگمگتا نام دیکھ کر اسکی آنکھیں میں نمی اتر آئی اور چہرے پر چھائی اداسی مزید گہری ہو گئی۔

پتہ نہیں باپ کا فون آتا دیکھ وہ افسردہ کیوں ہوئی تھی جبکہ اسے تو خوش ہونا چاہیئے تھا بہت خوش۔۔ جبکہ تھوڑی دیر قبل وہ خود زور یز سے بات کرنے کی طلبگار ہو رہی تھی۔۔۔!!

تبھی حنظلہ بھی فون کی گھنٹی سن کر حال میں پہنچا تھا۔

دوسری بیل پر فون ریسیو کر کے اسنے کان کو لگے سلام لینے میں پہل کی۔۔

نیہان کیا بات ہے بیٹا ابھی تک جاگ رہی ہو۔۔؟؟

واپس سلامتی بھیجتے ہوئے دوسری جانب شخص نے حیرانگی سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

بب۔۔ب۔۔با۔۔بابا آپ کب آئے گے واپس۔۔۔؟؟

باپ کی آواز سنتے ہی اس جذباتی سی لڑکی نے تمہید باندھتے جواباً سوال کیا۔۔!!

جیسے ہی میری تلاش ختم ہو گی شاید تب۔۔!!

کچھ دیر دونوں اطراف میں خاموشی حائل رہی جسے زوریز نے غائبی ذہن سے جواب دیتے توڑا۔

بابا جانی میں سمجھی نہیں۔۔۔!!

نیہان نے ناسمجھی سے سر کو نفی میں جنبش دیتے آہستگی سے کہا۔

کچھ نہیں بیٹا۔۔۔ آپ بتائیں آپ سوئی کیوں نہیں ابھی تک۔۔؟؟

وہ بات کو دوسری جانب کھنچتے ہوئے دوبارہ سوال گو ہوئے۔

نیند تو بہت آئی ہے بابا مگر مجھے اپنا اسائیمنٹ مکمل کرنا ہے جو صبح سر شہزاد ہر حال چیک کرنے والے ہیں۔۔!!

نیہان نے ملائمت سے ناسونے کی وجہ بتائی۔

آپ اسائنمنٹ بنا رہی ہیں۔۔۔؟؟

دوسری سمت موجود شخص نے ایک بار پھر سے سوال کیا۔

باباجانی بنا نہیں رہی بنانی ہے ابھی۔۔۔لیپ ٹاپ ڈیڈ ہے میرا۔

نیہان نے جواباً نرمی و ملائمت سے کہا۔

اگر مناسب لگے تمہیں۔۔۔تو تم میرا لیپ ٹاپ استعمال کر سکتی ہو۔۔۔؟؟

حنظلہ نے نہایت سخاوت وفیاضی اور دھیمے لہجے میں کہا تو وہ تیزی سے پلٹنے پر مجبور ہوئی۔۔

نیہان حنظلہ کا لیپ ٹاپ یوز کرلو بیٹا اور اگر کہیں کوئی پرابلم آئی تو وہ آپکی مدد بھی کر دے گا۔

وہ خاموش کھڑی حیرانگی سے اسے یک ٹک دیکھتی رہی تھی کہ تبھی فون میں سے ابھرتی آواز نے اسکا طلسم توڑا۔

جج۔۔۔جی بابا۔۔۔!!

اس نے ہڑبڑا کر مختصر سا جملہ کہا تو زوریز کے لبوں پر تبسم پھیل گیا۔

گڈ گرل۔۔۔۔اب اپنا کام ختم کر کے جلدی سو جائیے گا۔

تنبیہ کرتے انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

مجھے آپکی بہت یاد آتی ہے بابا۔۔

بات کے اختتام پر نیہان کی آواز میں نمی گھول گئی۔

مس یو ٹو اینڈ لو یو سو مچھ میرا بچہ۔۔!!

وہ محبت بھرے انداز میں اطمینانیت سے بولے۔

سلیپ ٹائیڈ باباجانی، شب بخیر باباجانی کی جان۔۔!!

نیہان کے گڈ نائٹ کرنے پر انہوں نے محبت و شفقت سے خلوص بھرے لہجے میں کہتے ہوئے فون کاٹ دیا۔

کسی طرح کی کوئی بھی مدد کی ضرورت ہوئی تو مجھے ضرور بتانا۔

حنظلہ نے سٹڈی روم سے لیپ ٹاپ لا کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے خوش مزاجی سے کہا اور قدم کچن کی سمت اٹھائے۔

حنظلہ کے لیپ ٹاپ دینے اور پھر یوں مدد کا بولنے پر اسنے حیرت زدہ ہونے سے۔۔۔ اپنے کام کیطرف متوجہ ہونا زیادہ بہتر سمجھا۔

قلم منہ میں ڈالے وہ بڑی پھرتی سے لیپ ٹاپ پر انگلیاں دوڑا رہی تھی۔

تبھی اسکے نتھنوں سے کڑک دار کافی کی خوشبو ٹکرائی جس نے اسے سر اٹھانے پر مجبور کیا۔

تبھی اسنے لیپ ٹاپ پر تیزی سے چلتی اپنی انگلیاں روکی اور بنا منہ سے قلم نکلے سر اٹھا کر سامنے کھڑے خوبرو نوجوان کو دیکھا جو اپنے دونوں ہاتھوں میں کافی کے مگ تھامے ٹکٹکی باندھے اسکی سمت ہی دیکھ رہا تھا۔

خود پر اسکی نظروں کی تپش محسوس کرتے جیسے وہ بولنا سمجھنا ہی بھول گئی تھی۔

حنظلہ نے کافی کا مگ اسکی طرف بڑھاتے ہوئے اسے تھامنے کا اشارہ کیا تو نا سمجھی سے اسنے اپنی آنکھیں چھوٹی کرتے یونہی کچھ کہنے کیلئے برگِ گل مانند گلابی لب ہلائے تو قلم اسکے ہونٹوں کی نرم گرفت سے آزاد ہوتا ہوا اسکی گود میں آ گرا۔۔۔!!

جس پر حنظلہ بے اختیار مسکرانے لگا۔۔

نیند سے چھٹکارہ حاصل کرنے کیلئے ایک ہی جھٹکے میں گھٹک جاؤ اسے۔۔ کام آسان اور جلدی ہو جائے گا تمھارا۔

حنظلہ نے شرارتی انداز میں کہا تو وہ تیزی سے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے اسکے مقابل کھڑی ہوئی۔

کیا ہے یہ جسے پی کے میرا کام آسان اور جلدی ہو جائے گا۔۔۔؟؟

نیہان نے بدگمان ہوتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
یونہی خود سے الٹے سیدھے اندازے لگانے سے بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں سو پلیز۔۔۔

حنظلہ نے طنزیہ و مزاحیہ انداز میں کہتے ہوئے نظریں گھومیں۔

کافی حد تک صحیح کہا تم نے۔۔۔!!

مگر۔۔۔۔۔؟؟؟

مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں نے۔۔۔اااتنی ہوٹ کافی کو ایک ہی جھٹکے میں گھٹکنا کیسے ہے۔۔۔؟؟

اور نہ ہی مجھے تمھاراااااااااااااتنی تکلیف اٹھانا سمجھ آرہا۔۔۔ آخر یہ سب کیوں کر رہے ہو تم۔۔۔؟؟؟

نیہان نے اسکی بات سے اتفاق کیا اور پھر ذو معنی انداز سے سوال پر سوال رکھتے آستین پر پھیلے اپنے ریشمی گھنے لمبے بالوں کو ہاتھ کی مدد سے پیچھے کو ترتیب دیتے وجود کو ذرا حرکت دی۔

کیا کیا میں نے۔۔۔؟؟ء، کچھ بھی تو نہیں کیا۔۔۔!!

اور تکلیف کیسی ہاں۔۔۔؟؟ء، کوئی تکلیف نہیں اٹھائی میں نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بس ذرا سی مشقت زیادہ کی ہے

اپنے لیے کافی بنا رہا تھا بغیر سوچے تمہیں بھی بنا دی

تو کیا کچھ غلط کر دیا۔۔۔؟؟

یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟

کوئی گناہ کر دیا۔۔۔ میں نے تمھارے لیے کافی بنا کر۔۔۔۔۔۔؟؟
وہ سوال کرتے خود ہی جواب دیتا چلا جا رہا تھا اور وہ مسلسل پلکیں جھپکاتی پہلی بار خاموشی سے بنا اسے روکے ٹوکے بڑی توجہ سے اسکی بات سنتے ہوئے اصل جواب کی منتظر ہنوز اس پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی۔ خلافِ توقع سامنے والے نے اسی سے سوال کر ڈالا جبکہ وہ جو اباً کیا بولے اسے کچھ سوج نہیں رہا تھا۔

مظلومیت سے باہم ہونٹ بھیجے ماتھے پر بل ڈالے وہ مسلسل مژگاں اٹھا گرا رہی تھی۔

اگر میں نے کچھ غلط نہیں کیا، کوئی گناہ نہیں کیا۔۔ تمھارے لیے ایک کپ کافی کا بنا کر تو۔۔۔؟؟

یہ ٹھنڈی ہو گئی ہے اب پی سکتی ہو تم اسے ایک ہی سانس میں۔۔!!

حنظلہ نے اسے چپ دیکھ کر مصنوعی سنجیدگی سے کہا اور کپ اسکی سمت بڑھایا۔۔ جسے اب اس نے چپ چاپ پکڑ لیا تھا جبکہ انداز میں خفگی صاف رقم تھی۔
عادتاً تم جو ہر وقت بحث کرتی ہو۔۔ مجھے علم تھا کہ ہماری کافی ٹھنڈی ہو ہی جائے گی۔۔ تبھی تو ایک معمولی سی بات پر۔۔۔بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک آ گئی کہ حادثاتی طور پر مجھ جیسے کم گو انسان کی قسمت بھی ٹھنڈ پڑ گئی۔۔۔!!

ہاتھ میں پکڑے اپنے کپ کو اس نے لبوں سے لگتے ہوئے کافی کا ایک چھوٹا گھونٹ پی کر بظاہر جی بھر کر بدمزہ ہوتے ہوئے کہا اور پھر صوفے پر ڈھے بمشکل اپنی ہنسی دبائی چاہی جبکہ نیہان کا ذہن۔۔۔
حنظلہ کے کہے حرف (بحث) پر اٹک ہوا تھا۔
میں بحث کرتی ہوں ہاں۔۔؟؟؟
میں بحث نہیں کرتی ہوں۔۔۔۔۔۔!!!!!
بلکہ تم، تم اناب شناب بولتے رہتے ہو مجھے۔۔۔
کہ مجھے غصّہ آ جاتا ہے۔۔۔
جان بوجھ کر تم چھیڑتے، چڑاتے ___ تنگ کرتے ہو مجھے اور پھر بڑے آرام سے مجھے کہہ دیتے ہو کہ میں بحث کرتی ہوں۔۔۔!!

مجھے کہہ رہے ہو میں بحث کرتی کر ہوں۔۔۔

خود جو آئے منہ میں اناب شناب بولتے چلے جاتے اور دوسرا، دوسرا کوئی کچھ کہہ کر بیچارا جائے کہاں۔۔۔؟؟

بالکل درست فرمایا آپ نے محترمہ کہ:-

خود جو آئے منہ میں بولتے چلے جاؤ جبکہ دوسرا کوئی بولنے کی ہمت تو کرے ذرا۔۔۔

رہی ایک اور بات۔۔۔۔۔

کیا اناب شناب غلط کہا میں نے تمہیں۔۔۔؟؟

وہ ہڑبڑا کر آزردگی سے بول رہی تھی اسکا گلا خشک اور ناک غصے سے سرخ ہو رہی تھی کہ جبھی حنظلہ نے اسے ٹوکا اور سوالیہ انداز سے سر اٹھا کر اس سے پوچھا۔۔؟؟

کیا تم نے یہ غلط نہیں کہا میں بحث کرتی ہوں۔۔؟؟

اب کیا کر رہی ہو۔۔؟؟

سوال پر سوال کیا گیا۔

بتا رہی ہوں تمہیں۔۔۔بات کر رہی ہوں تم سے بحث نہیں۔۔ جبکہ تم اس آپسی بات چیت کو بحث کا نام دے رہے ہو۔۔۔!؟

تم ہی بتاؤ بابا کے جانے بعد سے میں نے کوئی ایسی حرکت، کوئی ایسی بات کی جس سے تمہیں غصّہ آئے مجھ پر۔۔۔؟؟

یا کبھی کوئی فضول بحث کی ہو تم سے نہیں نہ۔۔۔!!!

تو پھر تم مجھے غصّہ کیوں دلاتے ہو۔۔؟؟؟

مجھے سخت نیند آ رہی ہے جبکہ تمہیں پتہ بھی ہے میرا کام پڑا ہے اتنا زیادہ اور تم، تم ہو کہ مجھ سے لڑنے بیٹھ۔۔۔

ایم سوری۔۔مجھے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی تمھارے ساتھ۔۔۔۔

وہ قدرے ناگواری وبیزاری سے مغموم آواز میں سوں سوں کرتے اپنی دھن میں بول رہی تھی کہ حنظلہ نے غلطی کے احساس ہونے پر فوراًاسے معافی کی طلب کی جبکہ وہ بولتے بولتے اپنی جگہ ساکت ہوگئی۔

حنظلہ کا اچانک آتا جاتا سختی نرمی کا روپ۔۔

اسکا رویہ، بدلاؤ اسے۔۔اپنے لیے فکر مند ہوتا، پرواہ کرتا دیکھ کر وہ اسکے آگے سراسیمہ ہونے لگی تھی۔

بیٹھو میں تمہاری مدد کر دیتا ہوں اسائنمنٹ مکمل کرنے میں۔۔۔!!

حنظلہ نے لیپ ٹاپ اوپن کرتے ہوئے خوشدلی سے کہا۔

تم مدد کرو گے میری۔۔۔؟؟؟

نیہان نے دائیں کان کھوجتے ہوئے حیرت سے آنکھیں پھیلائے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!حنظلہ نے یک حرفی جواب دیا```

کیوں تم کیوں چاہتے ہو میری مدد کرنا۔۔۔!!

نیہان نے پھر اسی انداز میں سوال کیا```

کیونکہ تمھاری مدد کرنے کو میرا دل چاہ رہا اس لیے۔۔!!حنظلہ نے جواباً صاف گوئی اختیار کی۔

میری مدد کرنے کو تمھارا دل کیوں چاہ رہا ہے۔۔؟؟

یہی تو پوچھ رہی ہوں میں۔۔!!!

نیہان نے حیرانگی سے دوبارہ سوال پوچھتے اصل جواب کا استفسار کیا۔

میں خود نہیں جانتا دل پر کسی کا اختیار تھوڑی ہوتا ہے۔

مصروف لہجے میں کہہ کر اس نے کپ دوبارہ لبوں سے لگا لیا۔

کیوں تم کیوں نہیں جانتے۔۔۔؟؟

اور۔۔۔یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم۔۔۔؟؟

اپنے دل کے حال سے تو ہر کوئی اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔۔۔!!

مصنوعی جلال سے کہتے اسنے سینے پر ہاتھ باندھے۔

نہیں میں واقف نہیں اپنے۔۔۔"حالِ دل"سے۔۔۔!!

البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ۔۔"کیوں کیوں" کرنے سے لڑائیاں ہوتی ہیں۔۔۔!!

اس نے سرعت سے نیہان کو دیکھتے ہوئے کہا جو جواب طلب نظروں سے کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی اب کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ وہ دوبارہ بول اٹھا۔

۔

۔

کیا تم چاہتی ہو لڑائی کرنے میں اتنا قیمتی وقت برباد کرنا

اور اس نیند کو بھی حرام کرنا جو تمہیں اس وقت شدت سے آ رہی ہے۔۔۔؟؟؟

نیہان کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو کر بند ہو رہی تھیں جنہیں وہ بمشکل کھولے بحث کے لیے ڈٹی کھڑی تھی۔

کہ حنظلہ کو سیاست سے بولتا دیکھ اس نے خجالت سے نفی میں سر کو ذراسی جنبش دی اور اس کے ہمراہ صوفے پر بیٹھ گئی۔۔ جس پر حنظلہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے ٹیبل پر پڑی کتابیں اپنی جانب کھینچی اور کافی کا کپ سنجیدگی سے نیہان کی جانب کھسکایا جس پر وہ اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھتے ہوئی کھکھلا کر ہنس پڑے۔۔

اس کھٹی میٹھی نوک جھوک سے کہیں میل دور وہ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے بڑے سلیقے سے سر پر اوڑھے پچھلے دس پندرہ منٹ سے اپنے کمرے کی گلاس ونڈو کے پاس کھڑی دور کہیں خلاؤں میں تک رہی تھی۔۔۔

کرسٹل کی تسبیح ہاتھوں میں پھیرتے مسلسل لب ہلاتے ہوئے دانے پر دانہ گرتے ماضی میں کھوئی اس غیر مسلم لڑکی کی قسمت پر رشک کر رہی تھی جس نے

"تخلیقِ کائنات" کیطرف کسی بے وفا کمزور مرد کی چاہتوں کے کھولتے پانی میں غوطے کھاتے اور خود کی مختصر حیات اس کے نام لکھتے ہوئے۔۔ توحید پر ایمان لا کر رجوع کیا تھا۔۔ اور اس دن اسنے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر اس واحد کو پایا تھا۔

بد قسمتی سے وہ آزمائشوں پر پورا نہ اتر پائی اور انکے بوجھ تلے دبتی چلے گئی اور آخر ایک دن سب کچھ ہار بیٹھی۔

اپنا سب گوا کر وہ پوری طرح الٹ کر خالی ہاتھ تنہا رہ گئی تھی کہ کوئی ساتھ دینے والا تھامنے والا نہیں تھا اسے۔۔۔ مگر واحد رب کا اتنا حوصلہ ہے کہ جس نے گناہوں خطاؤں سے لت پت اپنی گنہگار بندی کو نہ صرف تھاما بلکہ یقین دلایا کہ اس کا اللہ اسکے ساتھ ہے۔

وہ سمجھ چکی تھی کہ انسان کی بربادی کا آغاز انسانوں کو خدا پر ترجیع دینے سے شروع ہوتا ہے جبکہ اسنے بھی تو ایک کھوکھلے جھوٹے انسان کی محبت کی خاطر رب کی طرف رجوع کیا تھا جسکی بدولت وہ زندگی بھر اس مبحت کی مقروض ہوگئی تھی جس پر اب وہ تھوکنا تک پسند نہیں کرتی تھی۔۔۔!!

اللہ کی خطاکار اس بندی کو۔۔۔اب ہر حال اپنے ربّ العالمین کو منانا تھا،اس سے معافی مانگی تھی اپنی بچی کچھی زندگی اسکی عبادت میں خرچ کرنی تھی بس اسی کا ہو کر رہنا تھا اب صرف اسی کو پانا تھا۔

خود کے ساتھ ہوئی زیادتیاں اور انصافیاں نجانے وہ کیوّں بھولنا نہیں چاہتی تھی۔۔؟؟
کیوں وہ خود کو تکلیف میں مبتلا رکھے ہر رات اپنے زخموں کو کریدتی تھی۔۔۔؟؟
یقیناً وہ دوسروں کے ساتھ غلط کیا بھلا نہیں پا رہی تھی۔۔
تبھی تو وہ ہر شب سجدہ ریزی کے بعد ہاتھ اٹھائے سسکتے ہوئے طویل دعائیں مانگتی اپنے رب کے سامنے رو، رو کر گڑگڑاتے ہوئے اپنے کیے کی معافی مانگتی۔۔۔
اور تہجد ادا کرنے سے قبل وہ قرآن کریم کھول کر سورۃ رحمٰن پر انگلیاں پھیرتے اللہ کے ہم پے جو احسانات ہیں انہیں بڑی دلچسپی سے پڑھتی جبکہ وہ جانتی تھی اسکی تجوید درست نہیں، نہ ہی اسے صحیح سے پڑھنا آتا ہے ابھی تک، اکثر وہ اٹکتی، کبھی کہیں رکتی کبھی کچھ حروف بھول جاتی مگر پھر بھی وہ بغیر مایوس یا افسردہ ہوئے باحوصلہ بلند آواز میں تلاوت ہر حال مکمل کر کے ہی رہتی۔
بلکہ ترجمہ پڑھتے اپنا دل مطمئن کرنے کی کوشش بھی کرتی۔۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

اے خدا جب بھی تیرا آسمان دیکھتی ہوں
اس میں بسا ایک جہاں دیکھتی
نجانے کتنے ہی جہانوں کی سیر کرتی ہوں
کھول کر جب تیرا قرآن دیکھتی ہوں
احسانات کتنے ہیں بندے پر تیرے
جب بھی سورۃ رحمٰن دیکھتی ہوں
توں تو کہتا ہے رگ جان سے بھی ہوں میں قریب
پھر پریشان کیوں آج کا انسان دیکھتی ہوں

باب نمبر 43

تسبیح دوبارہ سے شروع کرتے جسم کو ساکن رکھے اسنے عالیہ کا نام لیتے کرب سے آنکھیں بند کی تھیں۔۔۔!!
بالکل اسی طرح جسطرح عالیہ سورۃ رحمٰن کی تلاوت کرتے کرب سے اپنی آنکھیں بند کرتی تھی۔

جبھی آنسوؤں کا سیلاب اسکی آنکھیں سے یکدم بہتا ہوا اسکے چہرے کو لمحوں میں تر کر دیتا تھا۔

کیونکہ اسنے اب اپنی لو اللہ سے لگالی تھی۔

اب وہ قرآن پاک چوم کر آنکھوں سے لگانے کے بعد اسے کھولے سورۃ رحمٰن پڑھ کر ہاتھ اٹھائے اللہ کی بارگاہ میں آنسو بہاتے عالیہ کیلئے دعائے مغفرت مانگ کر رہی تھی۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

Almost it's Done...

حنظلہ نے ذراسا چہرہ اسکی طرف موڑتے تیار کردہ نوٹس ٹیبل پر رکھتے ہوئے نرمی سے کہا اور نظریں لیپ ٹاپ کی سمت گھمائیں۔۔۔

Hmm Just Little bit remain...

نیہان نے نیند سے بھری آواز میں جملہ مکمل کرتے ہوئے سر آہستگی سے اسکے کندھے پر رکھتے حنظلہ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی جیسے ہی وہ اسکی طرف متوجہ ہوا۔۔۔

وہ دھیرے سے مسکرائی تو اسکا سانس بھاری ہونے لگا۔۔۔ تبھی نیند نے اسے اپنے آغوش میں لے لیا تھا۔۔

سوتے ہوئے کس قدر معصوم لگتی ہیں نہ آپ۔۔۔

حنظلہ نے اسکے چہرے پر آئے بالوں کو شائستگی سے اپنی انگلیوں کے پوروں سے کان کے پیچھے اڑستے اپنے سابقہ انداز میں سرگوشی کی اور بے ساختہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔۔

آج وہ کتنے دنوں بعد اسے آپ کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔

مگر وہ سوئی ہوئی تھی۔۔

اگر وہ اٹھی ہوتی تو شاید یہ ہمت بھی وہ اتنی سنجیدگی سے نہ کر پاتا۔۔

وہ ہمیشہ سے ہر چھوٹے بڑے کا ادب واحترام کرنے والا ایک سمجھدار لڑکا تھا۔۔

وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ کسے کب اور کیسے مخاطب کرنا چاہیے۔۔

وہ ہر ایک کو ایسے آپ آپ کہہ کر ہی تو مخاطب کرتا تھا۔

مگر اس لڑکی کو آپ کہہ کر مخاطب کرنا اسکے بس کی بات نہیں رہی تھی اب۔۔!!

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

اسی کے نام کے جگنو سفر کی شام میں ہیں
کہ جس کے نام کے دو حرف میرے نام میں ہیں

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

اللہ اللہ میری آنکھ کیسے لگ گئی ابھی تو کچن سمٹنا باقی تھا۔۔۔!!
نیہان کو بھی دیکھنا تھا کہ دودھ پی کر وہ سوئی کہ نہیں ابھی تک۔۔۔؟؟
ہاجرہ بی یکدم نیند سے بیزار ہوئی اور ذہن پر زور ڈالتے اپنے ادھورے کام یاد کرتی ہوئیں بمشکل آنکھیں کھول کر ملتے ہوئے فوراً نیہان کے کمرے کی جانب لپکی۔۔

دروازہ کھول کر نظریں چوروں طرف گھومیں تو اسے کمرے میں نہ پایا کر انکے چہرے پر پریشانی امڈ آئی جبکہ دودھ کا بھرا گلاس بھی بالکل ویسے کا ویسے سائڈ ٹیبل پر پڑا تھا جسے دو گھنٹے پہلے وہ خود اپنے ہاتھوں سے رکھ کر گئی تھیں۔

۔

۔

کام ختم ہو چکا تھا اور وہ سب کچھ سمیٹ رہا تھا جبکہ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔۔۔

تبھی ہاجرہ بی نیہان کی تلاش میں اسکے سر پر آن پہنچی اور اسے حنظلہ کے ساتھ پا کر گہری سانسیں بھرتے ہوئے اسے مخاطب ہوئیں۔۔

حنظلہ ذرا شرمندہ ہوا مگر اسنے اپنے چہرے سے کچھ اخذ نہ ہونے دیا بلکہ یوں محسوس کروا وہ کام میں اس قدر مگن ہے کہ اسے علم ہی نہیں کہ نیہان سو رہی ہے۔۔

حنظلہ بابا آپ کیا کر رہے ہیں۔۔۔؟؟

ہاجرہ بی نے ٹیبل پر پھیلی چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔۔۔!!

بوا جی وہ ہم۔۔۔۔

نیہان کو نیند میں خود میں سمیٹتے دیکھ حنظلہ کے بقیہ الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔۔۔

یہ ایک ویران کوئی بہت پرانی عجیب سی حویلی تھی یہاں ہر طرف ٹوٹا پھوٹا بکھرا ہوا سامان اور جگہ جگہ مکڑی کے جالے لگے ہوئے تھے۔۔۔

وہ بھاگتی ہوئی نجانے کہاں آگئی تھی۔۔۔یکدم بری طرح سے دروازہ بند ہونے کی آواز نے اسے پلٹنے پر مجبور کیا تھا۔

کمرہ گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور نیہان اندر بند اب مسلسل دروازہ پیٹ رہی تھی۔۔۔

نیہان۔۔۔

تبھی کسی عورت کی پکار نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔۔۔

کک۔۔۔ک۔۔۔کو۔۔۔۔ن،،،، کون ہے

وہ بمشکل حلق سے آواز نکال کر سوال گو ہوئی۔۔۔

نیہان میری جان پلیز بچاؤ مجھے۔۔۔۔

جواباً کسی نے دبی آواز میں التجائیہ کہا۔۔

میں تمہیں مار دوں گی چھوڑوں گی نہیں تمہیں ختم کر کے ہی رہوں گی تمہیں۔

تبھی کسی نے دوسری جانب سے وحشت و جلال سے چیختے ہوئے کہا۔

مجھے بچاؤ، پلیز بچاؤ مجھے نیہان۔۔۔۔

کوئی تمہیں بچا نہیں سکتا، کوئی بھی نہیں۔۔۔۔

نیہا۔۔۔نیہان۔۔۔۔۔۔

نیہان اِدھر اُدھر نظریں گھومتے سائے تلاش کر رہی تھی۔

مگر طرح طرح کی چیخ و پکار نے اس کا دماغ مفلوج کر دیا تھا اور وہ پاگلوں کیطرح کبھی کانوں پر ہاتھ رکھتی تو کبھی زار و قطار روتے ہوئے زور و شور سے دروازہ پیٹتی۔۔۔

وہ جوں جوں ایسا کرتی یوں یوں ہی ارد گرد سے کسی کے قہقے بلند ہوتے، گھٹی گھٹی چیخیں بڑھتی، دھیرے دھیرے کسی کے سرگوشی کرنے کا الہام ہوتا کبھی کہیں سے کسی کی کھڑ کھڑ آہٹ کا احساس محسوس ہوتا۔۔۔

کسی کی سسکیاں سنائی دیتی تو کسی کے جنونیت سے ہنسنے پر وحشت ہوتی۔۔۔

نیہان میں اب اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے وجود کو ذرا سی بھی حرکت دے پاتی۔

جبھی ایک جگہ پھتر کا مجسمہ بنے سہمی کھڑی رہی۔۔۔۔

۔

-

-

نیہان۔۔۔نیہان۔۔۔نیہا نننننننننن۔۔۔

حنظلہ نے اسے نیند میں چیختے چلاتے دیکھ حیرانگی و پریشانی میں چہرہ تھپتھاتے ہوئے اسے پکارا۔۔

ہاجرہ بی نے فوراً آگے بڑھ کر اسے سنبھالنا چاہ مگر وہ ابھی بھی غنودگی میں چیختے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔۔

تبھی حنظلہ نے اسے بازوؤں سے پکڑتے ہوئے سختی سے جھنجھوڑ کر اسکی نیند توڑی۔۔۔

نیہان یونہی نیند سے بیزار ہوئی توڈر کے مارے سہمی ہوئی اسکے ساتھ لگ گئی جبکہ بے ساختہ اسکے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتے ہوئے اسکا سانس لینا دشوار کر رہی تھیں۔

حنظلہ نے اسے خود سے جدا کرنے چاہا مگر خوف میں مبتلا نیہان نے گھبراتے ہوئے سر اسکے چوڑے سینے سے لگ کر اسکی شرٹ کو سختی سے مٹھیوں میں بھیجے اپنا آنسو سے تر چہرہ اسکی آستینیں میں چھپا لیا تھا۔۔۔

نیہان کیا ہوا تمہیں بتاؤ مجھے۔۔۔؟؟

وہ تھر تھر کانپ رہی تھی جبھی حنظلہ نے ہاجرہ بی کو ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کی تاکید کرتے ملائمت سے اُس سے پوچھا۔

حنظلہ کے خاموش ہوتے حال میں بالکل خاموشی پھیل گئی اب صرف نیہان کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

تبھی حنظلہ نے اس پر تھوڑی گرفت مضبوط کی جیسے اسے اپنے ہونے کا احساس دلایا ہو۔

و۔۔وہ وہ۔۔۔مج، مجھ، مجھے کوئی مدد کے لیے پپ۔۔۔پپپ۔۔پکار۔۔۔۔

اووو۔۔۔اور۔۔می۔۔۔میں کسی کسی کمرے میں بند۔۔۔

وہ۔۔۔ووہ۔۔اندھیرا۔۔۔اندھیرا بہت زیادہ تھا بہت زیادہ۔۔

اندھیرا اندھیرا تھ تھا وووہ۔۔ووہ وہاں پر۔۔۔

اسنے سر اٹھایا تو حنظلہ نے نیہان کی خوف میں ڈوبی آنکھیں دیکھیں جبکہ چہرے کے تاثرات بھی خوف میں لپٹے اپنی کہانی آپ بیاں کر رہے تھے۔۔

جبھی وہ بمشکل ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان الفاظ توڑتے جوڑتے بمشکل آدھا جملہ ہی مکمل کر پائی تھی اور پھر سمٹ کر اسکے ساتھ لگ گئی۔۔۔

جبکہ ہاجرہ بی اور حنظلہ دونوں بخوبی اسکی بات اچھے سے سمجھ گئے کہ وہ بہت بری طرح سے ڈر گئی ہے۔۔

۔

۔

ششششش۔۔۔چپ ہو جاؤ۔۔۔

یہ تمھارا بس ایک برا خواب تھا اور کچھ نہیں۔۔۔

دیکھو تو کہیں کسی کمرے میں نہیں بند تم۔۔۔

حنظلہ کی باتوں سے نیہان مزید گھبرا رہی تھی اور ڈر کے مارے سمٹتی جا رہی تھی۔

ڈرو نہیں میں تمھارے ساتھ ہوں۔۔۔۔

یہاں کی لائٹس آن ہیں ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ تم پوری طرح سے محفوظ ہو نیہان، آنکھیں کھولو اپنی۔۔۔

وہ اسے اپنائیت کا احساس دلاتے اسکی گہری بھورے رنگ کی لہروں جیسی بناوٹ رکھتیں خوبصورت زلفوں کو سہلا رہا تھا۔ جو آبشار کیطرح اسکی کمر پر پھیلی ہوئی تھیں۔

محسوس کر مجھے تو خود میں کہیں پہ

ہے تیری دھڑکن جہاں میں ہوں وہی پہ ♡ ♡

ننن۔۔۔۔نن۔۔ نہیں، می میں وووووہ۔۔۔

اسکا سانس حلق میں اٹکا تھا وہ کچھ بتانا چاہتی تھی جبھی اسنے آنکھیں کھولتے ہوئے اطراف میں گھومیں تو وہ اچانک بولتے ہوئے خاموش ہوئی جبکہ حنظلہ اسے لیے ویسے ہی بیٹھا رہا۔۔۔

کچھ لمحوں بعد اسے نیہان کی سانسیں مزید تیز ہوتیں محسوس ہوئیں۔۔۔

تبھی اسکی چوڑی پیٹھ پر رکھے نیہان کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔۔۔

وہ سمجھ چکا تھا نیہان اپنی حواسوں میں لوٹتے اپنی ایسی حالت پے شرمسار ہو رہی ہے۔۔۔

جیسے ہی حنظلہ نے اسکے گرد حائل کردہ اپنی باہوں کا حصار ڈھیلا چھوڑا وہ فوراً بجلی کی تیزی سے اس سے الگ ہوتی ذرا پیچھے کو ہٹ کر بیٹھی اور کچھ دیر حیرانگی و پریشانی سے خالی نگاہیں اس پر مرکوز کیے اسے یک ٹک دیکھتی رہی تھی۔۔۔۔

نیہان بیٹا تم ٹھیک ہو۔۔۔۔۔؟؟؟

ہاجرہ بھی نے گہری نظروں سے اسکے کپکپتے بدن کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھم کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

جی وہ میں۔۔۔۔نیہان کو سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کہے۔

بوا جی نیہان کو اسکے روم میں لے جائے

اور آج رات آپ اسی کے ساتھ اس کے کمرے میں سو جایئے گا۔

حنظلہ نے نیہان کی خفت مٹاتے ہوئے سادگی سے مدھم آواز میں کہتے ماحول کو نارمل بنایا۔۔

ہاجرہ بی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نیہان کو اپنے ساتھ لگائے کمرے کی سمت بڑھیں۔۔۔

جبکہ حنظلہ کی پر سوچ نگاہوں نے انکا دور تک پیچھا کیا۔

مجھے اسکی حفاظت عزیز ہے، میری محبت پابند ہے

اسے تصویر میں لا کر آیت کرسی پڑھنے کی

عالیہ۔۔۔۔۔

وہ اس رات کیطرح آج بھی دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے ہوئے ہاتھ میں پکڑی بریک دانوں والی کرسٹل کی تسبیح کچھ پڑھتے ہوئے ہاتھوں میں گھوما رہی تھی کہ جبھی انہوں نے عالیہ کو پکارتے ہوئے پاس آکر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

۔

۔

عالیہ اپنی زندگی میں آگے بڑھو کب تک خاموشی سے گھٹ گھٹ کر جیو گی تم۔۔؟؟؟

انہوں نے نرمی و ملائمت سے سمجھتے ہوئے آخر پر سوال کیا۔

اداسی اور گھبراہٹ کی کیفیت میں جذبات کی گھٹن جو خاموش رہنے سے پیدا ہوتی ہے ایک زخمی اور بدبخت عورت کو صابر رہنے کا ایک ایسا سبق سکھاتی ہے کہ وہ گھٹ گھٹ کر جینا کی عادی ہو جاتی ہے۔۔۔۔

یہ خاموشی، گھٹن، تو میری زندگی کا حصہ ہے تو پھر آگے بڑھ کر میں کسی دوسرے کی زندگی میں قدم رکھوں گی تو وہ اپنے حق کی خوشیاں سے محروم رہ جائے گا کیونکہ میں اپنی چاہتوں کا زوال اور اپنی محبتوں کا انجام بھگت چکی ہوں۔۔

جسے بھلانا میرے لیے بہت مشکل ہے۔۔!!

عالیہ نے آہستگی سے اپنی حالت سامنے بیٹھی خاتون سے کہی تھی تو اسکی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

۔

۔

اگر تم بھول نہیں پا رہی تو معاف کر دو اسے۔۔۔۔

بھولنا میرے بس میں نہیں جبکہ کسی کو معاف کرنا بھی اتنا آسان نہیں ہوتا۔

انہوں نے مدھم لہجے میں کہا تو عالیہ نے حیرانگی و تاسف اسے انکی جانب دیکھتے حقارت سے کہا۔۔

عالیہ تم بھی تو ہر وقت اللہ سے معافی طلب کرتی ہو۔۔۔!؟

انہوں اپنے سابقہ انداز میں تسبیح لبوں سے لگا کر کہا۔

کیونکہ میں جانتی ہوں معاف کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

تبھی تو اللہ سے معافی مانگتی ہوں بار بار مانگتی ہوں۔۔۔

گڑگڑا کر رو رو کے مانگتی ہوں، یہ سوچ کر مانگتی ہوں کہ میرے مسلسل معافی مانگتے رہنے سے اسکی ذات کو مجھ پر ترس آ جائے اور شاید اللہ مجھے معاف کر کے ایک دن مجھ سے راضی بھی ہو جائے گا۔۔۔

میں صرف رب کو راضی کرنے کے لیے ہر وقت اپنی دعاؤں میں اضافہ کرتی ہوں۔۔۔ کم از کم میری دنیاوی زندگی میں نہ سہی مگر میری ابدی زندگی میں تو ذرا سکون نصیب ہو گا مجھے۔۔

وہ سانس پھولائے سسکیاں بھرتی بمشکل لفظوں کی ادائیگی کرتے تاسف و ملال سے بات مکمل کر کے وہاں سے جانے کی غرض سے اپنی نشست چھوڑ کر کھڑی ہوئی۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

تھک گئی جو میری روح سجدے میں گر گئی

ٹوٹی جو دنیا سے امید تو میں اللہ سے جوڑ گئی

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

واقعی صحیح کہا تم نے اللہ کے سوا کوئی ساتھی نہیں ہے، اسکے ساتھ رہنے سے سکون ملتا ہے۔۔

عالیہ انکی آواز پر رکی تبھی وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اسکی طرف بڑھتے ہوئے پاس آئیں اور اسکے کندھے پر ہاتھ رکھے اسکا کارخ اپنی سمت مڑا۔۔

چھوڑ دو یہ گھر۔۔۔ بیتے لمحوں کی یادوں سے ایک چوٹ کھائی عورت کبھی لڑ نہیں سکتی۔۔۔

خود کو اسکی یادوں میں قید کرو گی تو سکون تمہیں کبھی موثر نہیں ہو گا اور پھر چاہے ایڑھی چوٹی کا زور کیوں نہ لگالو۔۔ خود کو تکلیفوں سے بچا نہیں سکو گی تم۔

اور جانتے بوجھتے خود کو تکلیف پہنچانا بھی گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔۔!!

وہ سنجیدگی ورنجیدگی سے شائستگی کے ساتھ بولی۔

اللہ نے مجھے میری پسند سے آزمایا تھا۔۔ کچھ دیر میری چاہت کو میری نگاہوں سے دور کر کے۔۔۔

اور میں انتہائی بیوقوف بے صبری عورت بنے اپنی نادانیوں سے اپنی ہی چاہت کو کسی اور کے نصیب کا حصہ بنا کر مختلف اندیشوں سے خوف کھاتی شیطان کے وسوسے ڈالنے پر اس قدر نیچے گر گئی تھی کہ کسی بے قصور کے خون سے اپنے ہاتھ سرخ کر بیٹھی۔۔

میں ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی مگر جب مجھے میری اولاد، میری اولا۔۔۔

میں یہ گھر چھوڑ کر خود سے نفرت کرنے کی وجہ کو اب کسی بھی صورت ختم نہیں کر سکتی۔۔۔!!

عالیہ نے بیچ میں بات ادھوری چھوڑتے کرب سے آنکھیں بند کی اور نفی میں سر کو جنبش دیتے رنجدگی سے کہا اور وہاں سے چلے گئی۔

-

-

عالیہ کو جاتا دیکھ انہوں نے اپنا آنسو سے تر چہرہ صاف کیا اور ہلکی سی مسکان لبوں بکھرے سر کو ایک امید سے اثبات میں ہلاتے ہوئے وہ زیرِ لب کچھ بولی۔۔

انشاء اللہ بہت جلد تمھارا یہ دل دکھوں سے راحت پائے گا۔۔

تمھاری تمام اذیتیں سب پچھتاوے ختم ہو جائے گے۔۔

تم زندگی کی طرف واپس لوٹ آؤ گی جب تمھاری ساری عائیں اللہ قبول فرمائے گا۔۔۔

تمھارے اس نقصان کے پیچھے ضرور اس ذات کی کوئی حکمت و رحمت پوشیدہ ہے تبھی تو رب تعالیٰ نے تمہیں اپنے لیے چنا ہے جبکہ وہ ہر کسی اپنے لیے نہیں چنتا۔۔!!

وہ عالیہ کا ماہی بغیر پانی کے اس دن کا تڑپنا یاد کر کے شدید تکلیف اٹھا رہی تھی کہ تبھی کسی آدمی نے دروازے پر دستک دیتے اسے ماضی میں گمراہ ہونے سے بچایا۔

انہوں نے پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا اور وہ جو کوئی بھی تھا اسے اندر آنے کی اجازت دیتے خود وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

ہاں بولو چارلس۔۔۔رقیہ نے رعب سے تحکم کہا۔

مم مجھے پر زوریز شاہ کا بہت زور ہے۔۔

وہ ہر حال اپنی سابقہ بیوی کی تمام جانکاری حاصل کرنا چاہتا ہے۔

چارلس مؤدبانہ انداز اپناتے احتراماً بولا۔

بہت جلدی نہیں جاگ گیا۔۔۔؟؟

رقیہ نے تمسخرانہ ہنستے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

کون۔۔۔؟؟

چارلس نے سوالیہ نظریں اٹھا کر نا سمجھی سے پوچھا۔

اس دوغلے انسان کا سویا ہوا ضمیر۔۔۔!!

رقیہ نے جواباً زہر خند لہجے میں کہتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑی اور اسکی سمت پیٹھ پھیر لی۔

چلو اچھا ہے۔۔۔۔ ذرا اور مچلنے لینے دو اس کمزور دنیا کی خاک چھانتے مرد کو۔۔!!

وہ خود پر کیسے ضبط کیے ہوئے تھی یہ بس وہی جانتی تھی۔

مم وہ بہت بے چین ہے۔۔۔!!

چارلس نے سر گرے گھبراتے ہوئے کہا تو وہ اسکی جانب پلٹنے پر مجبور ہوئیں۔

نظر انداز کرو اسکی بے چینیوں کو۔۔۔

ورنہ۔۔۔؟؟؟ تمھارے۔۔۔کام پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔۔!!

رقیہ نے اسے غصیلی نگاہوں سے گھورتے ہوئے انتہائی تحمل مزاجی سے تنبیہ کیا۔

جج۔۔جی مم میں سمجھ گیا مجھے ثابت قدم رہنا ہے۔۔!!۔چارلس نے عین انکی سوچ مطابق بات کرتے

انکا خود پر یقین بختہ کروایا۔۔

ہمممممممم بہتر۔۔۔۔اب تم جاسکتے ہو چارلس۔۔۔۔!!

رقیہ نے اپنے سابقہ انداز میں جیسے اسے اندر آنے کی اجازت دی بالکل ویسے ہی وہاں سے جانے کا حکم صادر کرتے اپنا رخ دوبارہ اسکی مخالف سمت میں مڑ لیا تھا۔

جبکہ وہ انکے حکم کی پابندی کرتا چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

۔

۔

زندگی نے کیسا پانسہ پلٹا ہنہ عالیہ۔۔

اسنے تمھارے چاروں اطراف تاریکیوں کا حصار بنائے تمہیں بے بس زندگی گزارنے کیلیئے تنہا چھوڑا تھانہ۔۔۔

آج وہ خود ویسی ہی تنہائیوں سے لڑتا بے بس بیچارہ تمھاری تلاش میں مارا مارا پھیر رہا ہے۔۔!!

یونہی نہیں کسی نے کہا؛۔

"(کہ رفتہ رفتہ ہر کمی پوری ہو جاتی ہے مگر ایک کمی جو کبھی پوری نہیں ہوتی وہ انسان کی ہے....

انسان کو انسان گنوادے تو تلاش کے باوجود ڈھونڈ نہیں پاتا)"

کاش تم اسکی بے بسی دیکھنے لیے آج زندہ ہوتی۔۔۔

جب تم نے اسکا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا تو آج مجھے کوئی حق حاصل نہیں کہ میں زوریز کو کھینچتے ہوئے اس چوڑائے پر لا کھڑا کروں یہاں ندامت و شرمساری کے سوا اور کچھ نہیں۔۔ مگر یہاں معاملہ تمھاری اولاد کا جس کے بغیر تم نے تئیس برس تڑپتے ہوئے گزرے اور اسے ملنے کی حسرت دل میں دفن کیے مٹی کے ڈھیر تلے دب گئی تم۔

وہ گہری سانس خارج کرتی روہانسا ہوئے بولی جبکہ انکا لہجہ وبال وجلال سے بھرا ہوا۔۔

وہ معمول کے مطابق علی الصباح سڑک کے کنارے بھاگ رہا تھا۔

دوڑتا ہوا وہ اب ایک سرسبز وشاداب کشادہ پارک میں پہنچا

یہاں اطراف میں رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں اور ٹریک بنے ہوئے تھے۔۔

جہاں کثیر تعداد میں لوگ بھاگتے، ورزش کرتے توانائی حاصل کرنے میں مشغول تھے۔۔

حنظلہ کی بھٹکتی نگاہیں نیہان کی تلاش میں تھیں۔

جبکہ وہ پارک کے ایک کونے میں پڑے بیچ پر تنہا بیٹھی محو سوچوں میں گم تھی۔

ٹن، ٹن، ٹننننننننن فون کی گھنٹی کی آواز سماعت سے ٹکراتے حنظلہ نے ٹریک سوٹ کی جیب سے فون نکال کر ریسیو کرتے ہوئے کان سے لگایا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہجوم سے دور نکل آیا۔

۔

کتے کے بھونکنے کی آواز کانوں میں پڑتے ہی وہ ہڑبڑا کر خیالی کیفیت سے باہر نکلی مگر ملنے سے جیسے قاصر وہ حیرانگی سے منہ کھولے وہیں جمی رہی۔۔۔

وو ہوُوُوُوُوُ۔۔۔۔۔وووووو ہوُوُوُ۔۔۔۔

کتے کو خود پر مسلسل بھونکتا دیکھ اسنے اپنے ساکت وجود کو تیزی سے حرکت میں لاتے بینچ پر چڑھ کر ناچتے ہوئے نا سمجھی میں ہاتھوں کے اشارے سے کتے کو بھونکنے سے باز رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی۔

جبکہ کے اسکی سانس اور آواز دونوں ہی حلق میں اٹکی ہوئی تھی۔

۔

۔

مسلسل بھونکتا ہوا کتا تھک ہار کر خاموش ہوا تو ٹکٹکی باندھے اسے گھورنے لگا۔

تبھی ہونق زدہ سی نیہان نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں مبسوط کیے اور بینچ کی ٹیک پر بیٹھتے ہوئے اپنا رکا ہوا سانس دوبارہ بحال کیا۔۔۔اور جیسے ہی نگاہیں اٹھائیں

تو اس مصیبت کو لمحہ بہ لمحہ خود کے نزدیک آتا دیکھ۔۔۔تو اس پر ایک سکتا طاری ہو گیا۔

۔

۔

نن، نن، نہیں۔۔۔۔۔میرے پاس نہیں آوٗ۔۔۔

Please Stay Away From Me....

دیکھو تت، تت، تم۔۔۔ شکل سے ایک اچھ، اچھی نسل کے کت، کت، کتے لگتے ہوئے۔۔۔۔

بات سننے ماننے والے۔۔۔

تو پلیز میرا پیچھا چھوڑ دو،

یہاں اور بھی بب ببب بہت سارے لوگ ہیں۔۔۔

وہ کتے کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ نا سمجھی میں اسے باتوں ہی باتوں میں الجھنے لگی جبھی کتا اس پر مزید بھو کتا اسکی سمت بڑھتا آیا۔۔۔۔

جبکہ اسنے سکتے کے اس پل کے خاتمے پر خود پر شعور اُچڑھایا تو وہ اپنی بلند و بانگ دراچیخوں کا گلا نہ گھونٹ سکی اور چیختے چلاتے بیچ سے چھلانگ مار کر کتے آگے لگے اندھا دھند دوڑنے لگی۔۔۔

وہ کتے کے آگے۔۔۔ کتا اسکے پیچھے، کتا اسکے پیچھے اور وہ کتے کے آگے دوڑ رہی تھی...

اور اس دوڑ کو دیکھنے والے لوگ ششدر تھے۔

خاص طور پر حنظلہ نے حیرانگی و پریشانی کے عالم میں فون کان سے ہٹا کر اسکی سمت تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔

گرتی پڑتی نیہان نے پارک کے بالکل وسط میں لگے قد آور اور نہایت گھنے درخت کے پیچھے آکر پناہ لی۔۔

بڑے ہی کوئی بدتمیز قسم کے کتے ہو تم۔۔ میں نے تمہیں اچھی نسل کا کہا تو میرے ہی پیچھے پڑ گے۔۔۔

میرے پاس آئے تو مار مار کر کتا بنا دوں گی تمہیں۔۔

۔

۔

انتہائی بدتمیز برا بھلا، ڈانٹ ڈپٹ رہی ہوں اب تو چھوڑ دو میری جان کا پیچھا۔۔۔۔

ہاتھ جوڑتے ہوئے اسنے ملامت سے کہا۔

جبکہ اسکی سرمئی آنکھوں میں خوف تیر تا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔۔۔ مگر وہ پھر بھی ناہنجار اپنی دھن میں بولتی جا رہی تھی۔

ہنوز وہاں موجودہ ہر جان دار کو ہنسی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

حنظلہ سرپٹ اسکی جانب دوڑتے اُسے بار بار ایک جگہ رکنے کیلئے التجائیہ بول رہا تھا۔۔

با۔۔۔۔بب۔۔۔بابا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نیہان سب کی ہنسی اور ہر آواز کو نظر انداز کرتے باپ کو یاد کرتی دوبارہ بھاگنے لگی۔۔۔۔

تبھی وہ بے دھیانی میں کسی چٹان نما وجود سے ٹکرائی تو لڑکھڑا کر ذرا دو قدم پیچھے کو ہٹی مگر کسی بھی چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ پھر سے دوڑنے ہی لگی تھی۔۔۔ کہ خود کی کلائی پر کسی کی مضبوط گرفت محسوس کرتے ہی وہ قدم اٹھانے سے قاصر ہو گئی تھی۔

۔

-

پاگل ہو گئے ہو تم۔۔۔؟؟؟

میری کلائی چھوڑو۔۔۔!!!

اسنے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے دانت بھیچ کر کہا اور ساتھ ہی ساتھ اسکے ہاتھ کی سخت گرفت سے اپنی کلائی کو آزاد کروانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے ڈر کے مارے پیچھے مڑ کر دیکھا یہاں سے وہ کتا بھونکتا ہوا ابھی تک اسکی جانب دوڑتا آرہا تھا۔۔۔!!!

-

-

میں نے کہا چھ۔۔۔ چھو۔۔ چھوڑو مجھے ووووہ میری ہی طرف بب۔۔۔ بب۔۔۔ بھاگتا آرہا ہے۔۔!!

کاٹ لے گا مجھے۔۔۔!!!

-

-

نیہان نے سرد سخت لہجے میں تنبیہ کہا جبکہ آواز میں لغزشِ خوف واضح تھا۔ کلائی آزاد کروانے کی کوشش میں یونہی اسنے سر جھٹک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسکے جوڑے میں مقید نم بال ایک جھٹکے سے کھلے اور آبشار کیطرح اسکی کمر پر پھیل گئے

خوبصورت تو پہلے بھی بہت تھا لیکن۔۔۔۔۔

ہم نے چاہا تو عجب ڈھنگ سے نکھرا ہے وہ شخص

تم ایک جگہ رک جاؤ وہ تمہیں نہیں کاٹ۔۔۔۔

نیہان نے جب اسکے چوڑے ہاتھ کی پشت پر انگوٹھے کے قریب اپنے دانت گاڑھے تو حنظلہ نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے ایک درد سے بھری آہ بھرتے اسکی کلائی پر اپنے ہاتھ کی گرفت کو ذرا اور سخت کیا۔۔۔

اور دیوانا وار ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگا۔۔

۔

۔

نیہان کی مقدور بھر کوششوں کے باوجود جب اسے کچھ بن نہ پایا تو۔۔۔

اسنے اپنی آنکھیں سختی سے میچتے ہوئے حنظلہ کی چوڑی پشت پیچھے اپنا وجود پوشیدہ کرتے خود کو محفوظ کیا تو لب بستہ ہونے میں ہی دانائی سمجھی۔۔!!

کچھ ہی لمحوں بعد کتا نے بھوکنا بند کیا تبھی

نیہان نے ایک آنکھ دبائے رکھے دوسری آنکھ سے کتے کو وہاں سے جاتا دیکھ مکمل طور پر صحیح سے آنکھیں کھولیں جبھی حنظلہ نے اسکی کلائی پر اپنی ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کرتے اسکی سمت اپنا رخ پھیرا۔۔۔!!!

۔

۔

یہ پاگل کتا تھا کس کا۔۔۔؟؟؟

میرے تو پیچھے ایسا پڑا۔۔۔ جیسے مجھے کاٹ کھانے کا ارادہ تھا اسکا۔۔!!!

نیہان نے سانس خراج کرتے تیز دم تیز بولی۔

۔

۔

تمہیں تو اس پاگل کتے نے کاٹا نہیں۔۔۔!!

لیکن۔۔۔؟؟؟ مجھے کسی جنگلی بلی نے بہت بری طرح سے کاٹ لیا۔۔!!

حنظلہ نے اسکی کلائی چھوڑ کر اپنا ہاتھ سہلاتے ہوئے حقارت و تمسخر سے کہا۔

۔

۔

جنگلی بلی کسے کہا تم نے۔۔۔؟؟؟

نیہان نے لفظ بہ لفظ چبا کر سوال کیا۔۔!!

.

.

۔

تمھارے ساتھ رہ رہ کر میرا ذرا سا حافظہ کمزور ہو گیا ہے۔۔۔اس وجہ سے ٹھیک سے یاد نہیں مجھے۔۔۔!!!

حنظلہ نے مستقل ہاتھ سہلاتے ہوئے لاپرواہی سے اپنے سابقہ انداز میں ذرا تاسف سے کہا تو جیسے اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی ہو۔۔۔

Listen to me...!!

نیہان نے انگارے چباتے ہوئے انگلی دیکھا کر کہا۔

You Listen to me...!!

حنظلہ نے بھویں اچکا کر اسکی انداز میں فوراً کہا۔

اگر کوئی کتا تمھارے پیچھے پڑ جاتا ہے۔۔

اور تم ڈر کے بھاگتے ہو

۔

تو اس سے لگتا ہے تم اسکے ساتھ کھیلنا چاہتے ہو۔

...That way the chase you

.

.

To play

ـ

ـ

----Not to her

حنظلہ نے سنجیدگی سے لفظوں کی ادائیگی ٹھہر ٹھہر کر کرتے ہوئے سر سے پاؤں تک بغور اسکے وجود کا جائزہ لیا اور سر گرے ہنسی دبانے کی کوشش کی جو نیہان سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔۔!!

ـ

ـ

رات کو عجیب الٹے سیدھے ڈراونے خواب۔۔۔

اور دن کو یہ کتے، بلے غیر نسلی جانور۔۔۔۔

اللہ کبھی کسی کو ایسی مصیبتوں میں نہ ڈالے۔۔!!

وہ ضبط کے گھونٹ پیتے روہانسی ہوئی بولی اور حنظلہ کی مخالف سمت میں دوڑ لگا گئی

جبکہ وہ اپنی جگہ ساکن کھڑا اسے نگاہوں سے اوجھل ہوتا دیکھ اسکے کہے گئے جملوں کو ذہن میں جگہ دے رہا تھا۔

۔

۔

وہ آفس پہنچ کے اپنے معمول کے کاموں میں مصروف ہونے کی ناکام کوششوں میں لگ گیا تھا۔

جیسے ہی اشعر اسکے کیبن میں داخل ہوا تو سامنے ہی حنظلہ کا مسکراتا چہرہ نظروں کے تعاقب میں آیا۔۔

عجیب بات تھی وہ تنہا ہی مسکرا رہا تھا۔

اشعر کچھ پل حنظلہ کو دیکھتا رہا۔

اوئے ہیلو برو کسے سوچ کر یوں اکیلے میں مسکرا رہے ہو۔۔۔؟؟؟

اشعر نے مسکراتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا تو حنظلہ نے نگاہیں اٹھا کر دروازے سے ٹیک لگے کھڑے اشعر کو دیکھا جو سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

تبھی اشعر کے عکس میں اسے نیہان کی تصویر دکھائی دی اور وہ کھکھلا کے ہنس پڑا۔۔۔!!

میں نے تم سے سوال پوچھا ہے نا کہ تمہیں کوئی چٹکلہ سنایا ہے جو تم مجھ پر اسطرح ہنس رہے ہو۔۔۔؟؟

نیہان نے خفگی سے کہا۔

تبھی حنظلہ کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی اور وہ آنکھوں میں ہاتھ رکھے لڑکیوں کیطرح شرمانے لگا۔۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

جس سمت دیکھوں نظر آتا ہے کہ تم ہو

اے جانِ جہاں یہ کوئی تم سا ہے کہ تم ہے

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

حنظلہ۔۔۔۔

اشعر کو اسکی ذہنی حالت پر ذرا سا شک محسوس ہوا۔۔۔

اسنے حنظلہ کو کندھے سے پکڑ کر اپنی پوری قوت سے ہلاتے ہوئے پکارا۔۔۔

تو وہ چٹکیوں میں خیالی کیفیت سے حقیقت میں واپس لوٹتے ہی سوال گو ہوا۔

۔

ت۔۔۔تت۔۔تم کب آئے۔۔۔۔؟؟

حنظلہ نے گڑبڑا کر پوچھا اور چاروں سمت نظریں گھومیں۔

۔

سیریزلی تم نہیں پتہ۔۔۔؟؟

۔

اشعر نے حیرانگی سے سوال کے بدلے سوال کیا تو حنظلہ نے جواباً نفی میں سر ہلایا۔

۔

میں تو اچانک آیا۔۔اشعر نے مسکرا کر کہا۔

کیا۔۔۔؟؟؟یک حرف سوالیہ انداز میں بولا گیا۔

۔

ہاں۔۔۔۔!!!!

جب تم تنہا بیٹھے کسی کے خیالوں میں گم مسکرا رہے تھے

تو میں اچانک سے ہی آیا۔۔۔

اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر

تم۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دیکھ کر ایسے کھکھلا کر ہنسنے لگے جیسے کہ تمہیں مجھ میں اپنی لیلہ نظر آ رہی ہو۔

اشعر نے الفاظ کی ادائیگی پر دباؤ ڈالتے تفصیلی انداز میں سب بتایا۔

۔

کئی بار سمجھایا ہے کہ یہ، یہ ایسی نامناسب باتیں اور اپنی فضول بکواس اپنے تک ہی محدود رکھا کرو۔۔۔

حنظلہ کی آواز دھیمی جبکہ لہجہ سرد تھا۔

۔

تم نے پوچھا تو ہی بتایا میں نے۔۔۔!!!

اشعر نے مصنوعی ناراضگی سے بولا تو وہ تھوڑا شرمندہ ہوا مگر اسنے اپنے چہرے سے کچھ اخذ نہ ہونے دیا اور ساتھ ہی دھیرے سے مسکرا کر سر کو نفی میں جنبش دی۔

پھر مسکرا رہے ہو۔۔۔؟؟
تو میں مسکرا نہیں سکتا...؟؟؟
میرے مسکرانے پر ٹیکس لگا ہے کیا۔۔۔؟؟؟

اشعر نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو حنظلہ نے تند و تیز رفتار میں سوال کیا۔

۔

۔

بغیر کسی سبب تم مسکراتے نہیں۔۔

خیر جانے دو۔۔۔ چھوڑو اس بات کو۔۔

ویسے بھی۔۔۔ تمھارے مسکرانے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی کسی نے، اور نہ ہی۔۔۔ کسی نے۔۔۔۔ کوئی ٹیکسٹ لگایا ہے۔۔۔۔ تمھارے ہنسنے، مسکرانے پر۔۔۔۔!!

اشعر نے حقارت آمیز لہجے میں فٹ سے جواب دیا۔

یار تم سننا کیا چاہتے ہو۔۔۔۔۔؟؟ بتا دو مجھے۔۔۔!!

تاکہ میں وہی بول دوں۔۔۔ مگر نیہان کیطرح دماغ تو خراب نہیں کرو میرا۔۔۔!!

حنظلہ نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں طنزیہ کہا۔

بات کرتے ہوئے آج پہلی بار اسنے نیہان کا نام استعمال کیا تھا جو اشعر کے لئے خاصی حیرانگی کا باعث بنا تھا۔

۔

۔

"نی۔۔۔۔۔۔۔۔ہا۔۔۔۔۔اااااااااان`````` کیطرح   ہممممم

وری انٹرسٹنگ"

اشعر نے نیہان کے نام کو لمبا کھینچتے ہوئے ایک انداز سے اپنا جملہ مکمل کرتے کرسی پر ڈھے گیا۔

حد ہے ویسے۔۔۔!!!ایک بات چھوڑی نہیں کے تم نے دوسری پکڑ لی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟

اور نیہان کا نام لینے میں کون سی کوئی اتنی بڑی بات ہو گئی جو تم اتنی حیرانگی ظاہر کر رہے ہو مجھ پر۔۔۔؟؟

حنظلہ نے قدرے ناگواری و بیزاری سے پوچھا۔

" بھئی۔۔ آج صرف نام لیا ہے تو۔۔۔

کل کو بھابھی کے نام کی مالا بھی جپھو گے۔۔۔!!"

اشعر نے اسے چھیڑتے ہوئے خوش اسلوبی سے کہا۔

کہنا کیا چاہتے ہو تم۔۔۔؟؟؟

ذرا صحیح معنوں میں سمجھاؤ مجھے۔۔۔؟؟

پل پل بدلتے اسکے تبدیلی انداز کو جانچتے ہوئے حنظلہ نے غیظ و غضب سے استفسار کیا۔

یہی کہ مس لڑاکو شاہ کی چاہت میں گھٹنے ٹیک دیے جناب آپ نے۔۔۔؟؟

اشعر نے استہزائیہ ہنستے ہوئے تیر بہدف طریقے اپناتے ہوئے کہا۔

اشعر حنظلہ کی دوستی اس قدر گہری پکی اور سچی تھی کہ وہ ایک دوسرے کی بات بغیر کہے سمجھ جاتے تھے۔

اشعر کا گھر میں بھی صحیح آنا جانا تھا۔۔

اور وہ ہمیشہ سے نیہان کو اپنی چھوٹی بہنوں کیطرح سمجھتا اور تنگ کرتا۔۔

تبھی تو اتنی بے تکلفی سے نیہان کے نام پر ان دونوں کے درمیان اتنی بحث ہو رہی تھی۔

مان کیوں نہیں لیتے کہ چاہنے لگے ہو تم نیہان کو۔۔۔۔؟؟

تبھی تو پہلے وہ (آپ، جناب)۔۔۔اور تم اسکے لیے (جن، حیوان) ہوا کرتے تھے۔۔۔۔اور اب، اب صرف (حنظلہ نیہان)۔۔۔واہ، واہ کیا بات ہنہ۔۔۔!!؟

اشعر نے تدوین وانسباط سے نرم خوئی سے اپنی بات رکھی۔

باب نمبر 14

بات کے دورانیہ کسی تیسرے کا ذکر چھیڑنے، تنہا مسکرانے یا حقیقی زندگی سے بیگانہ اچانک کس کو دیکھ کر ہنس دینے سے۔۔۔

انسان کا پاگل پن تو ظاہر ہوتا ہے، دیوانہ پن نہیں۔۔اور نہ ہی کسی کی چاہت کا ثبوت نہیں ملتا۔۔۔!!

سامنے والا کیا سوچ رہا ہے۔۔۔؟؟ اسکے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔۔۔؟؟ وہ چاہتا کیا ہے اسکے دل میں کیا ہے۔۔۔؟؟

ہم صرف اندازہ لگا سکتے اسکی سوچ کے عیاں مطابق اس سمجھ بالکل نہیں سکتے۔۔!!

اور میرے نزدیک ننانوے فیصد لوگوں ویسے ہی غلط اندازوں پر اترتے ہیں۔۔۔۔میرے خیال سے انہی ننانوے فیصد لوگوں کی بھیڑ میں تمھارا بھی شمار ہوتا ہے۔۔۔!!

حنظلہ نے انتہائی تحمل مزاجی سے ظریفانہ تنقید کرتے ہوئے کہا۔

یہ تعریف وطنز کے لیکچر میں تم مجھے "ہدفِ طنز" مت بنایا کرو۔۔۔!!

اشعر نے جی بھر کر بدمزہ ہوتے ہوئے جلال وخمیدگی کہا۔

میں نے سوچا۔۔۔شروع تم نے کیا ہے تو ختم میں کر دیتا ہوں۔۔!!

حنظلہ نے رساً مسکرا کر عام سے لہجے میں کہا۔

۔

۔

پاگل پن تو ظاہر ہوتا ہے، دیوانہ پن نہیں۔۔

۔

اور نہ ہی کسی کی چاہت کا ثبوت ملتا ہے۔۔۔

۔

کسی کو دیوانوں کیطرح چاہنا اور اسکی چاہت میں پاگل ہو جانا۔۔ کہنا اسے یہ چاہیئے تھا ویسے۔۔۔!!

اشعر نے آہستگی سے بڑبڑاتے سوالیہ نظریں اٹھا کر حنظلہ کو دیکھا۔

ٹھنڈا یا گرم کیا پیو گے۔۔؟؟

فون اٹھا کے تعاقب میں بیٹھے اشعر سے پوچھا گیا۔

چائے۔۔۔وہ یک حرفی بول کر اسکے کیبن کا جائزہ لینے لگا۔

چائے سے لطف اٹھاتے ہوئے وہ خوش گپیوں میں مگن تھے۔

ٹن ٹن ٹن۔۔ ٹنٹنٹنٹنننن

تبھی حنظلہ کے فون کی گھنٹی بجی خلافِ توقع سکرین پر مس لڑاکو شاہ کا نام چمکتا دیکھ وہ حیرانگی و پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔

فون اٹھاؤ مسلسل چیخ رہا ہے بیچارہ۔۔۔!!

ٹیبل سے فون اٹھا اشعر نے اسکی سمت بڑھاتے ہوئے مزاخیہ انداز میں کہا۔

تم مجھے لینے آجاؤ۔۔یونی آف ہو گئی ہے۔۔۔!!

حنظلہ نے فون تھام کر کان سے لگایا تو شکل کا زاویہ ہی بدل گیا جب اس نے اپنا حکم صادر کیا۔

یونی آف ہونے میں تو ٹائم ہے ابھی۔۔۔

حنظلہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

تم آ رہے ہو یا میں ڈرائیور کو فون کروں۔۔۔؟؟؟

دوسری جانب سے بے کیفی سے پوچھا گیا۔۔!!

آ رہا ہوں۔۔۔!!حنظلہ نے منحرف ہو کر کہتے فون کاٹا اور کرسی کی پست پر لٹکا اپنا کوٹ پہنے لگا۔

اب تو نیہان کے نام سے سیو کر لو اسکا نمبر....

اگر اس نے دیکھ لیا تو مسئلہ بن سکتا ہے تمھارے لئے۔۔!!!

پہلے تو وہ اندھیرے میں اندھادھند تیر چلا رہا تھا کہ شائد کوئی ایک آدھ نشانے پر لگ سکے لیکن اب کی بار تیر صحیح نشانے پر بیٹھا تھا۔

اشعر اسے احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ نیہان کو چاہنے لگا تبھی تو آج کل اسکی ہر بات مانتا تھا ہر کام خود کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔

حنظلہ اسکی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا۔۔۔!!

جبکہ حنظلہ کے دل میں نیہان کی چاہت کے نام اگنے والے ننھے پودے کو اشعر صحیح غلط اندازے لگا تا اپنے منصوبے پر سہی اترتا ہوا سرشار کرنے کی کوشش میں تھا۔۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

یہ کس پہ تعویذ کر رہے ہو، یہ کسی کو پانے کے ہیں وظیفے

تمام چھوڑو بس ایک کر لو استخارہ تو میں تمہارا______

♡ ♡ ♡ ♡ ♡

وہ اپنی کتابیں سمیٹ کر بیگ کندھے پر لٹکائے کلاس سے باہر نکلی۔۔۔اسکی سوچ کے مطابق حنظلہ کو آنے میں کم ہی وقت رہ گیا تھا۔۔۔وہ یونی کے گراؤنڈ میں پڑے ایک بنچ پر بیٹھے اسکی راہ تکنے لگی۔۔۔۔وہ سخت عاجز اور بیزار نظر آ رہی تھی جبکہ رامین نے اسے ہر جگہ تلاش کر لیا تھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

رامین نے ابھی کلاس سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی کے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔۔تو وہ آندھی کیطرح واپس لپکی اور یونہی کلاس میں گھسی تو نظروں کے تعاقب میں ساحل اور ذہین آپس میں گتھم گتھا تھے۔

انہیں ایک دوسرے کو نوچتے گھسیٹتے گالیاں دیتے دیکھ تماشائی بنے سٹوڈنٹس کو لڑائی مزید بڑھنے کا اندیشہ ہو رہا تھا کہ تبھی سارہ اور رامین نے کچھ لڑکوں کے ساتھ مل کر بمشکل دونوں کو ایک دوسرے سے چھڑایا۔

ہوا کیا ہے۔۔۔؟؟ کیوں دونوں جاہلوں کیطرح آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہو۔۔۔؟؟؟

وہ کھا جانے والی نظروں سے ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے دیکھ لینے کی دھمکیاں رہے تھے کہ رامین نے ذرا اونچی آواز میں سارہ کی سمت دیکھ کر حیرت سے پوچھتے انہیں خاموش کروایا۔

-

-

۔

کچھ دیر بعد حنظلہ یونی کے گیٹ کے پاس پہنچ گیا۔

اسنے جیب سے فون نکال کر نیہان کو ملایا تو اسکا فون بند جارہا تھا۔۔

کیا اس نالائق ذہین نے سارہ اور ساحل کا کمبائین اسائنمنٹ چرا کر اپنا نام سے سبمٹ کروایا تھا۔۔؛

جب نیہان سوال گو ہوئی تو اسکا لہجہ بے حد سنگینی لیے ہوئے تھا۔۔!!

ہاں دونوں اتنی برا طرح سے لڑ بھڑ رہے تھے کہ پوری یونی ورسٹی انکا تماشا بنا رہی تھی۔

اور جب بمشکل ہم نے انہیں روکنا چاہا تو لڑائی میرے ہی سر پڑ گئی۔۔۔۔

ساحل اور سارہ نے میرا اور تمھارا نام استعمال کرتے ہوئے اسے للکارا تو۔۔۔ وہ اپنے ارادے پر ہی پختہ ہو گیا۔۔۔ وہ تو شکر ہے اللہ کا کہ سر شہزاد کلاس میں آ گئے ورنہ۔۔۔۔

وہ ساری واردات سناتی ہوئی اچانک خاموش ہوئی تو نیہان متجسس ہو کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

ورنہ کیا۔۔۔ بولو۔۔۔؛؟

میرا تمھارا نام، انکا للکارنا۔۔۔ اور اسکا ارادہ پر پختہ ہونا۔۔۔ پھر سر شہزاد کا آنا۔۔۔۔!!

آرام سے صحیح طرح "الف" سے لے کر "ے" تک سب تفصیل میں بتاؤ مجھے۔۔!!

کہ کیا ہوا تھا۔۔۔؟؟کیوں ہوا تھا۔۔۔؟؟اور میرا نام، ہمارا۔۔۔۔ہمارا کس سلسلے میں نام استعمال کیا گیا بتاو۔۔؟؟؟

نیہان سوالوں کی بوچھاڑ ختم کرتے ہنوز منتظر نگاہوں سے اسے تکنے لگی۔

یہی کہ ہماری اسائنمنٹ ان سے اچھی کیسی بنی۔۔۔؟؟

اور ذہین نے تمھارے نوٹس چرانے کی ہمت کبھی کیوں نہیں کی۔۔۔؟؟

رامین نے دھیمے لہجے میں قطعیت سے کہا۔

"کیا مطلب ہماری اسائنمنٹ ان سے اچھی کیسے بنی۔۔۔؟؟؟

ظاہر ہے جو جتنی محنت کرے گا اسے اتنا ہی پھل ملے گا۔

وہ زیادہ محنت کرتے تو انکی اسائنمنٹ ہم سے زیادہ اچھی بن جاتی؟

ہم نے زیادہ محنت کی تو ہماری اسائنمنٹ زیادہ اچھی بن گئی۔۔۔تو اس میں سوال اٹھنے والی کیا بات ہے۔۔۔!!ویسے بھی انکی اسائنمنٹ تو اس نکمے ذہین نے چرا لی۔۔۔تو فائدہ کیا۔۔۔؟؟کسی سے حسد کر کے اس باتیں سننے کا۔۔۔؟؟

اور رہی بات اس نالائق کی میرے نوٹس نہ چرانے کی تو انہیں بولنا تھا۔۔۔کہ خود کو اتنا مضبوط کر لو کہ کبھی کوئی تمھاری محنت پر ڈاکہ نہیں ڈال سکے گا"

نیہان مضبوط اور دوٹوک انداز میں کہتی بیگ میں ہاتھ ڈالے اپنا سیل فون ٹٹولنے لگی جبکہ اسکے لہجے میں جھنجھلاہٹ اور طنز بھی تھا جو رامین سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

ایک ٹھنڈی آہ بھرتے فون ڈیش بورڈ پر رکھ کر حنظلہ گاڑی کا دروازہ کھولتا ہوا باہر نکلا اور یونیورسٹی کے اندر چلا گیا۔۔ تبھی اسے نیہان اسکی طرح آتی دکھائی دی۔

۔

۔

وہ خالی نظروں سے حنظلہ کو دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اسکی جانب بڑھ رہی تھی۔ جبکہ اسکی سوچ کہیں دور کے نقطے پر اٹکی ہوئی تھی۔۔ وہ یکدم چونکی جب رامین نے تیر کی تیزی سے۔۔۔۔ پیچھے سے آتے نیہان کی پست اپنی چھاتی سے لگائی اور اسکے گرد بازو حائل کیے۔۔۔۔

رامین۔۔۔۔ نیہان نے ترچھی نگاہیں اسکے چہرے پر ڈالتے سوالیہ انداز میں اسے پکارا۔

میں تمہیں تھینکس بولنا بھول گئی تھی۔۔

رامین نے مسکرا کر خوشدلی سے کہا۔

تھینک یو، تھینک یو سو مچھ نیہان۔۔۔ تمھاری وجہ سے پہلی بار میری اااااااااااااااتنی۔۔۔ تعریف ہوئی۔۔۔اااا تنی کہ میں امیجن بھی نہیں کر سکتی تھی۔

رامین نے اسکا گال چومتے دریا دلی کی تو جیسے حد ہی کر دی۔

واقعی تمھاری بنائی ہوئی اسائنمنٹ قابلِ تعریف تھی نیہا۔۔۔۔۔

بس ٹھیک ہنہ۔۔۔

نیہان نے اسے ٹوکتے ہوئے سرسری انداز میں کہا اور اپنے وجود کو اسکی باہوں کا حصار توڑتے ہوئے آزاد کیا۔

۔

۔

کیا۔۔۔؟؟ یہ کیا کہہ رہے ہو۔۔۔۔؟؟؟ ایلی کا انتقال۔۔۔؟

روبینہ بے یقینی سے بولی تھی۔

ہاں یہی سچ ہے۔۔۔یہی وہ حقیقت ہے جس وجہ سے ہمیں اتنی جلدی میں یہاں آنا پڑا لیکن۔۔۔ ادھر آنے کا کوئی فائدہ نہیں، کچھ ہاتھ نہیں لگ رہا۔۔۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ ایلی اتنے سال کسی کے ساتھ کیسے رہ رہی تھی۔۔۔؟؟

حیدر نے فون کی دوسری جانب سے اضطرابی سے کہا۔

ایک سیکنڈ۔۔۔ اسکے ذہن میں وہ لمحے سرایت کرنے لگے جب زوریز نے عالیہ کو طلاق دے رہا تھا۔

جب زوریز بھائی نے ایلی سے وہ ہر رشتہ، تمام وہ تعلقات ختم کر دیے تھے۔۔ جس سے ایلی کے جینے مرنے کی انہیں پرواہ ہوتی، تڑپ یا لگن ہوتی انہیں کے دل ،انکی زندگی میں۔۔۔

مگر ایسا تو کچھ باقی نہیں تھا۔۔ انکے دل اور زندگی میں تو۔۔۔ ایلی کیلئے صرف نفرت کے جذبات باقی تھے۔۔۔ اگر انکے لیے باقی کچھ بچا تھا تو ارمینہ بھابھی کی یادیں بچی تھیں۔۔۔ جن کے سہارے وہ زندگی گزار رہے تھے۔

تو آج وہ کس حیثیت کس رشتے کی بنا پر امریکہ گئے ہیں تمہیں ساتھ لے کر۔۔۔؟؟

روبینہ نے اشک بار آنکھیں جھپکا کر تاسف سے سوال گو ہوئی۔

بس کرو روبی۔۔۔ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔۔۔ کہ زوریز میرے بھائیوں جیسا۔۔ کتنا اچھا دوست ہے۔۔۔!!

حیدر علی نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔

حیدر میں سب جانتی ہوں۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ تم لوگ کتنا غلط کر رہے ہو۔۔ ایسے میں ایلی اور ارمینہ بھابھی دونوں کی روح کو تکلیف پہنچ رہی ہو گی تم سمجھو تو۔۔۔

اور اگر نیہان کو زوریز بھائی کی ایسی حالت پر زرا سا بھی شک محسوس ہوا تو۔۔۔ تو اس بچی کو کس قدر اذیت اٹھانی پڑے گی۔۔۔ کیا تم جانتے ہو۔۔۔؟؟؟

روبینہ نے تذبذب ہو کہا جبکہ اسکے چہرے پہ گھبراہٹ واضح تھی۔

-

۔

مماسے ملوانے۔۔۔تم مجھے قبرستان لے جاؤ گے۔۔۔؟؟

نیہان نے سر گرائے انگلیاں مڑوڑتے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھا۔

حنظلہ نے افسردگی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔

کچھ دیر بعد گاڑی قبرستان کے باہر رکی حنظلہ نے پریشانی کے عالم میں نیہان کو دیکھا جس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

وہ بغیر چوں چراں کیے گاڑی سے اتری اور قبرستان کے اندر داخل ہوئی۔

ارمینہ کی قبر کے پاس بیٹھ کر اسنے مٹی کے ڈھیر پر شائستگی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے ماں پر سلامتی بھیجی تھی۔

مما۔۔۔ مما۔۔۔ زیرِ لب ماں کو پکارتے قطار میں بہتے ہوئے اسکے آنسوؤں مٹی میں جذب ہو رہے تھے۔

مما آپکا ڈانٹنا، سمجھانا پیار کرنا بہت یاد آتا ہے۔

بہت یاد آتی ہے آپکی، بہت زیادہ۔۔۔

بابا۔۔۔ بابا بہت پیار کرتے ہیں مجھے

لیکن آپکی کمی شاید کبھی کوئی پوری نہیں کر سکتا۔

آپ مجھے، بابا کو تنہا چھوڑ کر کیوں چلے گی۔۔؟؟

مما۔۔۔؟؟

ملائمت سے بولتے ہوئے وہ ماں کو پکار رہی تھی ارمینہ کا پاس ہونا اسکی خوشبو محسوس کر رہی تھی۔

حنظلہ نے اسے روتا دیکھ اسکے ہمراہ بیٹھ کر گلاب کی پتیوں سے بھرا شاپر اسکی سمت بڑھا کر اسکا دھیان بھٹکانا چاہا تو دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے کے چہروں کا اطواف کرنے لگیں۔

قبر پر پھولوں کی چادر اوڑھا کر وہ دونوں دعا کے لیے ہاتھ بلند اور آنکھیں بند کیے ایک دوسرے کی ہمراہی میں بیٹھے لب ہلاتے ہوئے ارمینہ کیلئے مغفرت کی دعا مانگ رہے تھے۔

کچھ لمحوں بعد وہ اپنے چہروں پر ہاتھ پھیر کر قبرستان سے نکلتے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھے۔

۔

۔

۔

بھاگتی ہوئی گاڑی گھر کی راہ پر گامزن تھی جبکہ اس میں چھائے سناٹے سے حنظلہ کا دل بجھ رہا تھا۔

نیہان سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے کھڑکی سے باہر تیزی سے دوڑتے مناظروں کو آنسوؤں بھری دھندلی نگاہوں سے خاموش بیٹھے دیکھ رہی تھی۔

جبھی حنظلہ نے اسکی حالت کے پیشِ نظر ٹشو پیپر اسکی طرف بڑھا کر نیہان کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانی چاہی مگر اسنے حنظلہ کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔

جب اسکارو رو کر جی ہلکا ہوا تو اسنے اپنا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ صاف کرتے ہوئے نظریں حنظلہ کیطرف گھومائیں تو اسکے ہاتھ پر گڑھے خود کے دانتوں کے نشانات دیکھ کر اسکی آنکھیں حیرانگی سے پھیل گئیں اور رنگت زرد پڑ گئی۔

ہاتھ کا وہ حصہ جہاں پر دانت گاڑھے ہوئے تھے اس قدر نیلا پڑ چکا تھا کہ جیسے جسم کا سارا خون اس جگہ آکر منجمد ہو گیا ہو۔

نیہان نے اسکے زخم کو قریب سے دیکھنے کے لئے پریشانی کے عالم میں اسکے ہاتھ سے ٹشو پیپر پکڑتے ہوئے بغور اسکے ہاتھ کو دیکھا تو اسکا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

حنظلہ اب سنجیدگی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

تھینک یو۔۔۔۔،،

نیہان نے بلا کی معصومیت سے کم آواز میں کہا۔

"مجھے لگا تھا کہ تم معذرت کرو گی"

تبھی تو میں سمجھ نہیں پا رہا کہ یہ شکریہ کس لیے۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے چور نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا اور نظریں اپنے ہاتھ پر مرکوز کر لیں جبکہ اسکے آنکھوں میں شرارت واضح چھلک رہی تھی۔

جبھی تو نیہان پہلی ہی فرصت میں سمجھ گئی تھی کہ اسکا ایسا کہنا کا مقصد کیا تھا۔

مجھے اس بھوکے کتے سے بچانے کیلئے۔۔۔ تھینک یو۔۔۔،،

اسائنمنٹ کمپلیٹ کروانے میں میری مدد کرنے کیلئے۔۔۔ تھینک یو۔۔۔۔۔ تھینک یو سو مچھ۔۔۔۔ مجھے مما سے ملوانے کیلئے۔

وہ نم لہجے اور تشکر بھری نظروں سے مطمئن ہو کر کہا تو حنظلہ حیران ہوئے بنا رہ نہ سکا۔

آج سورج مشرق سے ہی نکلا ہے نہ۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے سوالیہ نظروں سے گاڑی کے باہر جھانکتے مدھم لہجے میں کہا۔

تم مجھ سے حقیقت سننا چاہتے ہو یا اپنا شک پختہ کرنا چاہتے ہو۔۔۔؟؟؟

وہ ٹھیک ہو کر بیٹھی اور پھر ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

جو تم بہتر سمجھو۔۔۔مصنوعی طور پر شائستگی سے مسکرا کر حنظلہ نے کہا تو نیہان نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔

کچھ کھاؤ گی۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے عام سے لہجے میں سوال کرتے بات کو دوسری سمت گھمایا۔

"ہاں گھر جاکے۔۔۔"

نیہان نے بھی اسکے انداز میں جواب دیا۔

ابھی بھوک لگی ہے تمہیں۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

تھوڑی ہی دیر میں ہم گھر پہنچ جائے گے۔۔۔۔تمہیں دوبارہ آفس بھی جانا ہے۔۔۔؟؟

نیہان کو بھوک لگی تھی کیونکہ اسنے آج صبح بھی صحیح سے ناشتہ نہیں کیا تھا جو حنظلہ نے نوٹ بھی کیا تھا۔

مگر حنظلہ کو آفس سے دیر نہ ہو۔۔۔وہ کچھ دیر صبر کرنے پر آمادہ تھی۔

-

سیدھی راہ پر دوڑتی ہوئی گاڑی نے جب یوٹرن لیا تو کچھ ہی لمحوں بعد کار ایک مشہور نہایت شاندار ریسٹورینٹ کے سامنے آ کر رکی۔۔جو کہ نیہان کا فیورٹ ریسٹورینٹ بھی تھا۔۔۔حنظلہ چھ،سات سال کی دوری کے بعد بھی اسکی پسند ناپسند سے اچھی طرح واقف تھا۔

نیہان کی حیرانگی بے جاء تھی۔۔۔مگر اسکی بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں تشویش کی جگہ اپنے لیے رشک چمک رہا تھا۔

گاڑی کا دروازہ کھول کر حنظلہ باہر نکلا جبکہ وہ اندر بیٹھے اسے معنی خیز نگاہوں سے ٹکٹکی باندھے باساختہ مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

حنظلہ نے سرپٹ بھاگتے ہوئے اسکی سمت کا دروازہ کھولا اور رسماً مسکراتے ہوئے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ بغور اسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے بغیر چوں چراں کیے گاڑی سے جیسے ہی باہر نکل کر قدم آگے بڑھانے لگی تو گلے میں پہننا اسکا اسکارف دروازے میں اٹک گیا جس وجہ سے وہ ایک جھٹکے سے پیچھے کو لپکی مگر بروقت حنظلہ نے اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے گرنے سے بچایا تھا۔

سہارے انسان کو کمزور کرتے ہیں۔۔۔تم ہی نے تو کہا تھا۔

آنکھیں جپکائے نیہان بے اختیار دھیمے لہجے میں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

پر اعتماد سہارے گھنے درخت،مضبوط دیوار کیطرح ہوتے ہیں جو ہمیں زمانے کی دھوپ لگنے سے بچاتے ہیں۔

حنظلہ نے نیہان کو اسکے سہارے کھڑا کرتے ذو معنی اندز میں کہا۔

لوگوں کا عادی ہونا ایک بہت بری عادت ہے جبکہ اپنوں کا عادی ہونا ایک بڑی خوبصورت عادت ہوتی ہے۔

جو رشتوں کے نکھار کا باعث اور انکے درمیان حائل ہونے والی تلخیوں اور مجبوریوں کی جڑ کو زرا سی دیر کیے بغیر نکال باہر پھینکتی ہے۔

یہاں تک عادتیں خاک کے بنے مغرور پتلوں کی اناتک ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔

اسلئے انسان کو چاہیے کہ وہ کچھ سہاروں کو لازماً اپنا عادی بنائے تاکہ ان مضبوط اور خاص سہاروں کے بلبوتے پر وہ خود کو اتنا طاقت ور محسوس کرے۔۔ کہ دنیا کی تمام مشکلات کے مقابل کھڑے ہو کر انکا ڈھٹائی سے مقابلہ کر سکے۔

۔

۔

وہ ایک دوسرے کے ہم قدم چل رہے تھے۔۔۔

حنظلہ کے متاثر کن جملے نیہان کے کانوں میں جیسے رس گھول رہے تھے۔

وہ یک ٹک حنظلہ کو دیکھتی ہوئی بے خیالی و بے دھیانی میں چل رہی تھی۔

جبھی نیہان کی نگاہوں کی تپش کے حصار میں خود کو محسوس کرتا ہوا وہ اسکے ہمراہ ریسٹورینٹ کی زینے عبور کر کے کونے میں لگے دو کرسیوں پر مشتمل میز کی سمت بڑھا۔

کرسی کھسکا کر اسنے نیہان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نیہان کے بیٹھنے کے بعد۔۔۔وہ بھی اسکے سامنے والی کرسی کھسکا کر اس کے روبرو بیٹھ گیا۔

دنیا کو اگر پتہ چل جائے کے کتنا چاہتا ہوں تجھے

تو آدھی رشک سے مر جائے آدھی حسد سے مر جائے

باہر کا موسم نہایت سرد تھا لوگوں گھروں میں دبکے بیٹھے سکون کر رہے تھے۔۔

وہ بھی آتش دان کے سامنے بیٹھا اپنے وجود کو گرم کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو مسلسل تھر تھر کپکپا رہا تھا۔

"وہ سوچ رہا تھا کہ کسی کو موت آنا کسی کا مرنا آخر اتنا مشکل کیوں ہو جاتا ہے۔۔۔ جبکہ اسی سوچ کر بر عکس دیکھا جائے تو زندگی بڑی بے وفا ہوتی ہے کبھی بھی کسی کی نہیں بنتی۔۔۔ کبھی کسی کو بڑی آسان موت آجاتی ہے۔۔۔ اور کبھی کسی کا جینا اس قدر محال کر دیتی ہے کہ انسان گڑ گڑا کر اپنی ہی موت کی بھیک مانگتا ہے_____ مگر موت اس پر مہربان نہیں ہوتی۔

۔

۔

کبھی کسی اچھے بھلے ہنستے کھیلتے انسان کو بیٹھے بیٹھائے اچانک واپسی کا بلاوا آجاتا ہے۔

اور_____ کبھی کسی کو بڑی پر سکونی سے آسانی کے ساتھ میٹھی نیند اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔۔۔۔

کہ دنیا و مافیہا سے اس انسان کا نام و نشاں ہی ہمیشہ کیلئے مٹ جاتا ہے۔

اور اگر اس کے متضاد دیکھا جائے تو کوئی خود کو مٹانے کی لا محدود کوششیں کرتا رہتا ہے مگر موت اسکا ہاتھ نہیں تھامتی۔

کون اس ہجر زدہ عمر کو تنہا کاٹے

دکھ خیالوں کی ڈسے، درد کلیجہ کاٹے

کیونکہ موت اتنی آسانی سے کسی پر مہربان نہیں ہوتی۔۔

موت صرف ان پر ترس کھاتی ہے جو دنیا کے دھتکارے ہوئے ہوتے ہیں۔۔

دنیا جن کے قابل نہیں ہوتی، زندگی صرف ان سے ہی بے وفائی کرتی ہے جاناں۔

زوریز جو اپنی سوچوں میں غرق تھا جانی پہچانی آواز سن کر چونکا۔۔۔اب اسنے متلاشی نگاہیں اطراف میں دوڑائیں تو عالیہ کو اپنے دائیں جانب صوفے پر بیٹھا دیکھ وہ حواس باختہ رہ گیا۔

ارے اتنی یخ بستہ سردی میں بھی تمھارا ماتھا پسینے سے تر کیوں ہو رہا ہے۔۔؟؟؟

عالیہ نے زرا آگے کو بڑھ کے اسکی پیشانی کو چھونا چاہا تو وہ خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔۔۔نگاہوں میں خوف سے زیادہ شرم ساری تیر رہی تھی۔

شرمندگی سے نظریں کیوں چرا رہے ہو۔۔؟؟

وہ صحیح ہو کر بیٹھی اور سوال گو ہوئی۔

"معاف کر دو جاناں"

بمشکل پھنسی پھنسی سی آواز حلق سے نکل کر اسنے ندامت سے کہا تو عالیہ نے زوردار قہقہ لگا کر ملامت بھری نظریں اسکے زرد چہرے پر مرکوز کر لیں۔

میں تمھارے جیسے پیچ اور گھٹیا انسان کو معاف کرنے کا ظرف نہیں رکھتی۔

عالیہ کے لہجے کی تپش سے اسے اپنا اندر تک سلگتا ہوا محسوس کیا۔

میں اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں۔۔۔جانتا ہوں ارمینہ کی چاہت میں میرے ہاتھوں گناہ سرزرد ہوا تھا تو میں نے تمہیں بھی اسی کا گنہگار کر ڈالا۔

شاید تم نہیں جانتی میں کتنے درد میں ہوں، میری جان پر جو بوجھ ہے۔۔اسنے میرا جینا دشوار کیا ہوا ہے۔۔۔اور نہ ہی میری زندگی اتنی آسان ہے۔

بظاہر میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں، خوش ہوں، بہت سکون میں ہوں، مگر کبھی کبھی کچھ بھرے ہوئے زخم پھر سے ابھر جاتے ہیں، کبھی کچھ غم زندگی کی کایا ایسے پلٹ دیتے ہیں۔۔کہ زندگی اتنی بری طرح سے متاثر ہو جاتی ہے کہ موت نہ آنا مجھے اپنی بدقسمتی لگتی ہے۔۔۔اور کبھی اپنی اولاد کے یتیم ہونے کے خوف سے دل کانپ جاتا ہے۔۔۔اور کبھی تمھاری یادوں کے حصار سے نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔۔۔کبھی ارمینہ کا سوچ کر جان حلق میں اٹک جاتی ہے۔۔

لفظوں میں بیاں نہیں کر سکتا کہ میری کیسی حالت ہے۔۔۔پلیز ایلی میری حالت پر رحم کرو۔۔۔اور مجھے معاف کر دو۔۔پلیز ایلی پلیز۔

اس قدرے مضبوط شخص کے چہرے پر ندامت رینگ رہی تھی ہونٹ نیلے رنگت زرد پڑ رہی تھی سانس لینا مشکل ہو رہا تھا اسکا۔
جبکہ سر جھکا ہوا اور آنسو ٹپ ٹپ بہتے ہوئے زمین پر گر رہے تھے۔۔بات کے اختتام پر یونہی اسے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو عالیہ کہیں غائب تھی۔۔یہ تو محض اسکا وہم تھا عالیہ سے تو زندگی بھی کب کی بے وفائی کر چکی تھی ایسے میں یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حقیقت میں اس شخص سے جواب طلبی کرتی جس کا معاملہ وہ اللہ پر چھوڑ کر اپنا فانی سفر طے کر گئی تھی۔

باب نمبر 45

میز کھانے کے لوازمات سے بھرا ہوا تھا آرڈر حنظلہ ہی نے دیا تھا جبکہ تمام کھانے نیہان کی پسند تھے۔

نیہان کے دل و دماغ میں اسکے باپ کی بات نے اثر چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔

کہ۔۔۔اسکے روبرو بیٹھے شخص جیسا اگر کوئی دوسرا وہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے نکلے گی تو اسکی تلاش کبھی ختم نہیں ہو گی۔

۔

۔

تم اتنے بھی برے نہیں ہو ویسے۔۔۔۔۔،،

خوبصورت طریقے سے سجی ہوئی سلاد کی پلیٹ سے کھیرا اٹھاتے ہوئے نیہان نے اسے بغیر دیکھے دھیمے لہجے میں استہزائیہ مسکرا کہا۔

مطلب کہ براہوں میں۔۔۔؟؟

حنظلہ نے افسردہ ہوئے استفسار کیا۔

ہمممممم۔۔۔ تھوڑے سے ہو۔۔!!

کھیرا چباتے ہوئے نیہان نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

مانتا ہوں تھوڑا سا ہوں، لیکن۔۔۔ اتنا بھی نہیں جتنا کہ تم سوچتی تھی۔

حنظلہ نے خفگی سے کہا۔

ہو تو۔۔۔؟؟؟؟ نیہان نے تند و تیز لہجے میں کہتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اسکی سمت دیکھا۔

تھوڑا سا برا ہونے میں برائی بھی نہیں۔۔۔

۔

۔

"برا ہونے میں برائی ہے"

وہ بول رہا تھا جب نیہان نے اسے ٹوکا اور تنبیہہ کیا۔

آپ تھوڑے بہت کتنے برے ہیں فرق اس سے نہیں، فرق آپ کے برے ہونے سے پڑتا ہے۔

لیموں کی ایک چھوٹی سی بوند دودھ خراب کرنے کیلئے کافی ہوتی۔

نیہان نے خمیدگی سے اپنی بات مکمل کی۔

"میں کوشش کروں گا میرا تھوڑا سا برا ہونا تمھاری زندگی کو کسی بھی طرح سے متاثر نہ کرے پائے۔۔۔"

حنظلہ نے حلم و بردباری سے خلافِ توقع جواب دے کر اسے لاجواب کر ڈالا تھا۔

گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور تھوڑا آگے آ کر رک گئی۔

چند لمحے وہ گاڑی میں یونہی بیٹھی رہی جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔

کچھ کہنا ہے۔۔۔؟؟

حنظلہ نے گاڑی میں پھیلی خاموشی کو توڑا تو نیہان اسکی طرف سے کیے گئے سوال پر ہڑبڑا سی گئی۔

سنو۔۔۔۔۔۔،

بے ساختہ سر کو نفی میں ہلکی سی جنبش دے کر اسنے گاڑی کا دروازہ کھولا تو حنظلہ اسے پکارتے ہوئے رکا۔

ہوں۔۔۔ہاں۔۔۔؟؟ بے اختیار نیہان نے اسکی جانب رخ پلٹ کر کہا۔

کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ بچپن والی نیہان، میری نک چڑی کزن، وہ دوست واپس لوٹ آئے جو اپنی ہر خوشی، ہر دکھ مجھ سے بانٹا کرتی تھی۔

حنظلہ نے سنجیدگی سے مخمور لہجے میں پوچھا تو نیہان کے چہرے پر اذیت کے رنگ ابھر آئے۔

اسی دوست، اسی کزن کی بات کر رہے ہو جسے ایک وقت میں تمہارے ساتھ کی بہت ضرورت تھی اور تم اسے چھوڑ کر بہت دور چلے گے تھے۔

نیہان نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سپاٹ لہجے میں کہا تو حنظلہ کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔

ایسا پہلی بار تھا کہ قبرستان سے آنے کے بعد وہ اداس نہیں تھی۔۔۔لیکن جب کبھی ماں کی قبر پر جاتی تو سارا دن افسردہ رہتی۔۔۔۔اگر آج نہیں تھی تو صرف حنظلہ کی وجہ سے مگر حنظلہ ہی نے اسکے اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس کر دیا تھا کچھ گزرے ہوئے تلخ لمحے یاد کروا کے۔

تم ہی نے جانے کو کہا تھا۔

حنظلہ نے صاف گوئی کی انتہا کر دی۔

اور تم چلے گئے جب چھوڑ گیا تب رنگ دیکھا اپنی آنکھوں کا

حیران الگ_پریشان الگ_سنسان الگ_بیابان الگ

نیہان نے فوراً سوال حاضر کیا لہجہ شکوے سے بھرا ہوا تھا جبکہ آواز میں کچھ ایسا تھا کہ حنظلہ نظریں پھیرنے پر مجبور ہو گیا۔

[خیال]°°°°

یونیفورم میں مبلوس وہ گیارہ بارہ سالہ لڑکی سر گھٹنوں میں گرائے بری طرح سے رو رہی تھی۔

اسکا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

ارد گرد کتابیں بکھری، بستہ کہیں پڑا ہوا تھا۔

طلباء کے تضحیک اور حقارت بھرے جملے اسکے ساعتوں میں پگھلا ہوا سیسہ سیگڑ رہے تھے۔

تبھی اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کی تپش محسوس کرتے ہوئے اسنے یونہی سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے والے کا اسکی سوجی ہوئیں متورم آنکھیں دیکھ کر دل تڑپ اٹھا۔

نیہان۔۔۔حنظلہ نے اسے تاسف سے پکارا۔۔۔آواز میں درد واضح تھا۔

جاؤ۔۔۔یہاں سے۔۔۔۔نیہان نے روتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

انکل آتے ہیں ہم انہیں بت۔۔۔۔۔،،،

میں نے کہا جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔

اسنے چیختے ہوئے حکم صادر کیا۔

نیہا۔۔۔

اٹھو۔۔۔اٹھو یہاں سے اور نکلو میرے کمرے سے باہر۔

نیہان نے غضبناک ہوتے ہوئے زمین سے اٹھ کر جارحانہ انداز میں اسکا بازو کھینچ کر اسے اپنے مقابل کھڑا کیا اور زرا بلند آواز میں کہا۔

آج مدر ڈے تھا۔۔۔ سبھی کی مدرز سکول آئی تھیں۔

میری کلاس کے بچے تنگ کر رہے تھے، چھیڑ رہے تھے مجھے کہ میری مما نہیں۔۔وہ مجھے چھوڑ کر چلے گی، میرے بابا بھی کیا کرتے وہ بھی تو اداس تھے۔۔۔
پھر بھی وہ میرے لیے آئے، لیکن۔۔۔۔ان بچوں کی وجہ سے۔۔۔

کّک۔۔کی۔۔کیا کہہ رہے تھے وہ، پتہ ہے تمہیں کہ کیا کہہ رہے تھے وہ۔

وہ کہہ رہے تھے کہ میرا ساتھ دینے والا مجھے پوچھنے والا اب کوئی نہیں اس جہان میں۔۔

۔

۔

تو میں نے تمہیں اسلیئے بلایا تھا۔۔

ایک دوست کی حیثیت سے پہلی مرتبہ اپنا ساتھ دینے کیلیئے بلایا تھا۔۔انہیں جواب دینے لیے بلایا تھا۔

مگر تم انہیں بغیر کچھ کہے مجھے گھر لے کر آ گئے۔

نیہان نے سسکتے ہوئے خفگی سے اکتفا کیا۔

تم ان سے لڑ رہی تھی۔

موقع ملتے ہی حنظلہ نے مضطرب ہو کر کہا۔

ہاں کیونکہ مجھے لگا تھا کہ تم ان سے میرے لیے لڑو گے۔

نیہان کا لہجہ شکوے سے بھرا اور جلا کٹا تھا۔

میں تمہاری مدد کرنا۔۔

تم اگر میری مدد کرنا چاہتے تو اکیلے چھوڑ دو مجھے پلیز۔۔

اور آئندہ اپنی شکل کبھی مت دیکھنا مجھے۔۔۔میرے لئے میرے بابا ہی کافی ہیں۔

روبی آنٹی بھی تو آئی تھی سکول تمھارے لیے،

تو پھر کیسے محسوس کیا ہو گا تم نے میرا درد۔۔۔؟؟

نیہان نے ایک بار پھر سے اسے ٹوکا اور اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے اپنی آواز مدھم رکھنے کی ناکام کوشش میں اسکے وجود کو سختی سے دھکیلتے کھینچتے ہوئے اسے کمرے سے باہر نکل کر قدرے ناگواری سے دروازہ اسکے منہ پر بند کر دیا۔۔۔اور پھر دروزے سے پشت لگا کر چہرہ ہاتھوں میں دبائے بے اختیار روتے ہوئے وہ زمین پر بیٹھتی چلے گئی۔

انہیں بیتے لمحوں اور گزرے وقت کو یاد کرنے میں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا صدیاں بیت گئی ہوں۔

درحققت کچھ ہی لمحوں میں وہ ماضی کے ٹھہرے ہوئے پلوں کو چھو کر واپس لوٹ آئے تھے۔

جبھی نیہان خاموشی سے گاڑی سے اتری اور آہستگی سے قدم اندرونی دروازے کی جانب اٹھاتی ہوئی گاڑی سے دور آ گی۔

جبکہ حنظلہ اسے جاتے ہوئے خاموشی سے تک رہا تھا۔

اسکا دل روکنا چاہتا تھا نیہان کو بہر حال اسنے دانائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گاڑی ریورس لی اور گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے سڑک پر چڑھائی۔۔۔۔نیہان بھی بنا مڑے بنا اسے دیکھے اندر چلے گئ

نظریں سامنے مرکوز کیے وہ بڑی دھیانی سے ڈرائیو کر رہا تھا مگر اذیت ناک یادیں اسے ایک بار پھر اپنے شکنجے میں پھانس رہی تھیں۔

[خیال]°°°°

منہ پر بند ہونے والے دروازے کو وہ ملامت بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔۔۔تذلیل کے احساسات نے اسے مذید وہاں روکنے نہیں دیا تھا۔

۔

۔

دن با دن میرے کاروبار کو اتنا نقصان ہو رہا ہے۔

میں سمجھ نہیں پارہا اور کتنی محنت کروں میں کہ میرا بزنس گروہ کر جائے۔۔۔۔؟؟؟

زوریز سے میں ویسے بات نہیں کر سکتا۔۔۔۔

پاپا۔۔۔۔۔۔؟؟؟

حیدر علی پریشانی کے عالم میں فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھے کہ حنظلہ نے کم آواز میں انہیں پکار کر انکی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

I will talk to you later....!!

حنظلہ کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی جبکہ چہرے پر تکلیف کے رنگ پھیلے ہوئے تھے، بال بکھرے وردی کا برا حال تھا۔

بیٹے کی ایسی حالت دیکھ کر انہیں صحیح معنوں میں دھچکا لگا تھا جبھی تیزی سے مختصر سا جملہ ختم کرتے ہوئے انہوں نے فوری فون رکھ دیا تھا۔

بابا میں یہاں سے دور جانا چاہتا ہوں۔۔۔۔

حنظلہ نے اضطرابی کیفیت میں خفگی سے کہا۔

کیوں؟ کیا ہوا ہے بیٹا؟ کسی سے جھگڑ کر آئے ہو۔۔؟؟

حیدر علی نے بے چینی میں استفسار کیا۔

بابا میں آپکا بازو بننا چاہتا ہوں، آپکے بزنس میں ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں، انتھک محنتوں سے آپکے کاروبار کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔۔۔،

کچھ کر کے کچھ بن کے دیکھانا چاہتا ہوں۔

یہاں رہ کر ترقی ممکن نہیں۔۔۔ آپ پلیز مجھے ہائی سٹڈیز کے لئے باہر بھیج دے۔۔۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتا۔

حنظلہ نے ایک ہی سانس میں کئی سارے جملے ترتیب وخستگی سے کہے اور آخر پر ایک لمبا سانس اندر کو کھینچتے ہوئے پر امیدی سے باپ کو دیکھا جو حیرانگی و پریشانی کے عالم میں سوالیہ نگاہیں اسی پر جمائے کھڑا تھا۔

برتنوں کا شور سنتے ہوئے روبینہ کچن میں آئی۔

ہاجرہ بی رات کے کھانے کی تیاری کرنے میں مصروف تھیں۔

ہاجرہ بی نیہان نظر نہیں آرہی کہیں۔۔۔؟؟؟

روبینہ نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

وہ سو رہی ہے باجی۔

ہاجرہ بی نے جواباً معمولی انداز میں کہا۔

شام کے اس پہر تو وہ کبھی نہیں س سوتی طبیعت تو ٹھیک ہے نہ اسکی۔۔؟؟

روبینہ فکر مند ہوتے ہوئے دوبارہ سوال گو ہوئی۔

جی طبیعت تو ٹھیک ہے اسکی شاید موڈ خراب ہو۔

یونی ورسٹی کا بھی کافی کام مل رہا ہے آج کل اسے۔۔

بیچاری بچی رات بھی ٹھیک سے نہیں سوئی۔۔۔ تھکن ہو گئی ہو گی اور تو اور ڈر بھی تو گئی تھی۔۔۔اسی وجہ سے اداس ہو گی۔

ہاجرہ بی نے اندازاً ساری بات سمجھنی سمجھانی چاہی۔

ڈر کیسے گئی۔۔؟؟ بچپن میں جو خواب آتے تھے کہیں وہی تو نہیں۔۔۔۔؟؟

باجی میں نے استفسار کیا تھا۔۔۔اسکے بتانے پر اور چہرے پر اطمینانیت دیکھنے کے بعد میں خود مطمئن ہو گئی ہوں کہ ان خوابوں نے پیچھا چھوڑ دیا ہے اسکا۔۔۔

ہاجرہ بی نے چولہے پر چائے کا پانی چھڑاتے ہوئے خوش اسلوبی سے کہا۔

ہمم صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔ بچپن میں کیسے بری طرح سے ڈر جایا کرتی تھی۔۔ یہاں تک کہ زوریز بھائی سے بھی سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

خیر چھوڑیے ان باتوں کو ہم لان میں چلتے ہیں کھانے کی تیاری چائے پینے کے بعد کر لیں گے۔

روبینہ لان میں بیٹھ کر چائے پینے کیلیئے ہاجرہ بی کو مدعو کرتے باہر کی سمت بڑھی۔

ہاجرہ بی کا شمار ملازمین میں نہیں بلکہ گھر کی افراد میں کیا جاتا تھا۔ تبھی تو وہ روبینہ حیدر علی کے مقابل ایک برابر نشست پر بیٹھی چائے سے لطف اٹھا رہی تھیں۔

جبھی نیہان آنکھیں رگڑتی ہوئی اسکی سمت آتی دکھائی دی۔

اور قریب پہنچ کر سامنے لگے جھولے پر ڈھے گئی۔

اٹھ گئی میری بچی۔۔۔؟؟روبینہ نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا۔

جی۔۔۔۔ء،نیہان نے یک لفظی جواب حاضر کیا پھر جمائی لیتے ہوئے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

بھوک لگی ہے تو کھانا لگا دوں۔۔۔؟؟؟

ہاجرہ بی چائے کا کپ خالی کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے سوال گو ہوئی۔

نہیں۔۔۔،،اسنے دوبارہ یک حرفی جواب دیتے ہوئے سامنے بیٹھیں دونوں عورتوں کو ایک بار پھر سے بولنے پر مجبور کیا۔

بریک فاسٹ،لنچ صبح سے کچھ نہیں کھایا تم نے۔۔۔

صبح سے کچھ نہ کھایا ہو تا تو میرے پیٹ میں چوہے اچھل کود کرنے لگتے آنٹی۔۔۔

روبینہ کے خاموش ہوتے اسنے ہنس کر کہا۔

یونی سے گھر آتے وقت میں نے لنچ کر لیا تھا بوا جی کو بتانا بھول گئی تھی۔

نیہان نے نرم خوئی سے کہا۔۔۔اور پھر خود کو مصروف دیکھانے کے لئے موبائل پر فضول میں سکرولنگ کرنے لگی۔

چلو اچھی بات ہے۔۔۔۔میں زرا ہاجرہ بھی کا کچن میں ہاتھ بٹادوں حنظلہ بھی آنے والا ہے۔

روبینہ نے اپنی جگہ چھوڑتے ہاجرہ بی کی سمت دیکھ کر کہا۔

جی ٹھیک ہے۔۔۔نیہان نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔

شام کی مدھم روشنی میں ڈوبتا ہوا سورج آسمان پر

گلابی، نارنگی اور جامنی رنگ کا ملا جلا سنگم چھوڑتا ہوا اسکی خوبصورتی کو مزید نکھار رہا تھا۔

جبھی نیہان اس حسین منظر میں بے خود کھوئی ہوئی تھی۔۔۔جبکہ ٹھنڈی فضائیں اس اپنا اندر سرشار کرتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

حنظلہ یونہی گھر میں داخل ہوا اسکی نظریں ہولے ہولے سے ہلتے جھولے پر پڑیں۔۔۔جس پر وہ چہرہ دوسری سمت اور پیٹھ اس کیطرف پھیرے تنہا بیٹھی شاید کچھ سوچ رہی تھی۔

وہ جن سوچ کی وجہ سے خود گم صم پریشانی میں مبتلا تھا اسے یوں محسوس ہوا کہ نیہان بھی انہیں سوچوں میں گم اداس بیٹھ ہے۔

مگر وہ اسکی ایسی ترنگ کیفیت کا گمان بالکل بھی نہیں رکھتا تھا۔ نیہان کی بڑی بڑی بھوری آنکھیں خرمی سے بھری ہوئی تھیں۔ اُسکے لبوں پر تبسم، چہرے پر گلابی رنگ اور سرور تھا۔

وہ بے خیالی میں حقیقی اور اپنی زندگی کے مرکزی کردار کے ساتھ بیتے ہوئے پُرکشش وخوشگوار لمحات کو باخوبی خوش سلیقگی سے حُسنِ تدبیر دے رہی تھی۔۔

جبکہ حنظلہ اسکی عقل کی وہ اندورنی کیفیت جس کی وجہ سے نیہان پہلی بار اسکے بارے میں سوچ رہی تھی۔۔ وہ غلط اندازہ لگا بیٹھا۔

۔

۔

کیا تم ان تلخ یادوں کو اپنے ذہن سے مٹا نہیں سکتی جو تمہیں اداس کرنے کے مختلف مواقع تلاش کرتی ہیں۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے آزردگی واداسی سے استفسار کرتے نیہان کو اس کے خیالوں سے بیدار کیا قدرے جھانکتے اسنے اپنی لمبی لمبی پلکیں جھپکا کر جھولے کے قریب اپنے سر پر کھڑے وجود کو دیکھا تو حیرت امڈ کر نیہان کے چہرے پر نمودار ہوئی۔

۔

۔

تہہ کی ٹانگیں کھول کر اسنے جھولے سے نیچے لٹکائیں تو اسکے دودھیا پاؤں سلیپرز میں نمایاں ہونے لگے۔

اس شخص پر نگاہیں پڑتے ہی وہ وہاں سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی مگر حنظلہ اسکے سامنے دیوار بنے کھڑا تھا۔

۔

۔

اب ایسی بھی نہیں ہوں میں۔۔۔جو ہر وقت ان تلخ یادوں میں ڈوبی گھر کے کبھی اِس کونے میں تو کبھی اُس کونے میں اداس بیٹھنا اپنا پسندیدہ مشغلہ بنالونگی۔۔!!

کبھی کبھار کچھ خوبصورت پلوں کو سوچ کر بیٹھے مسکرا بھی رہی ہوتی ھوں۔

یونہی حنظلہ نے اپنا سوال دہرایا تو نیہان تیر کی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے بے اختیار کہہ گئی تھی۔

تبھی حنظلہ کا چہرہ تمام تاثرات سے پاک ہوا اور وہ دھیرے سے مسکرایا۔

اچھا تو کیا ان حسین لمحات میں کہیں پر ہمارا بھی شمار ہے یا۔۔۔۔ہمارے ذکر۔۔۔۔۔۔ہماری موجودگی کو۔۔۔۔

آپ نے کبھی کسی کھاتے میں لانا ہی نہیں چاہا۔

حنظلہ نے مسکرا کر ذومعنی الفاظ میں ٹھہراؤ سے پوچھا۔

وہ غیر متوقع سوال پر تذبذب کا شکار ہوئی تو اسکا ماتھا پسینے سے تر ہونے لگا۔۔۔اپنی چوری اتنی جلدی پکڑے جانے پر اسنے نظریں چرائی۔۔نیہان کا دل چاہا اسکے پاس کوئی ایسا جادو ہو کہ وہ خود کو غائب کر لے مگر یہ ناممکن تھا۔

وہ جب بھی یوں ٹھٹھولی جاتی تو مقابل کا سامنا کیے بغیر ہر بار رمید گی پہلے اپناتی۔۔۔

آج اسنے آنکھیں لڑانے سے پرہیزی کیے پلکیں گرائی ہوئی تھیں۔ساتھ ہی ساتھ ہتھیار ڈالے وہ وہاں سے سرپٹ بھاگی تھی جیسا کہ وہ ہر بار کیا کرتی تھی۔

پکڑے جانے پر بھاگنے میں دانائی سمجھتی تھی۔۔۔اسکی ایسی حرکت پر حنظلہ کو اسکے دل کا ورقہ مڑتا ہوا دیکھائی دیا جبکہ نیہان نے خود بھی اپنا دل پھڑ پھڑانے پر بیقراری سی محسوس کی تھی۔

سنو۔۔۔حنظلہ نے زرا بلند آواز میں اسے پکارا تو نیہان نے فوراً بریک لگاتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔۔

اس میں اتنا گھبرانے والی کیا بات تھی۔۔۔؟؟

حنظلہ نے مصنوعی سنجیدگی سے ذو معنی انداز میں پوچھا۔

نیہان اس چیز کی بالکل بھی توقع نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

اس لیے کچھ کہہ نہ پائی محض اسکی شرارتی آنکھوں میں جھانک کر شرمندگی سے سر جھکائے جانے لگی تو۔۔۔

سامنے سے آتی ہاجرہ بی سے زوردار ٹکر کھا کر گرتے گرتے سنبھلی۔

نجانے کب سیانی ہو گئی تم۔۔۔؟؟

مانا میری نگاہ موٹی ہے مگر تمھاری آنکھیں کب سے دھندلا گئیں ہاں۔۔۔۔؟؟؟

ہاجرہ بی نے ماتھا رگڑتے غصے سے تلملانے لگی۔

آپکو لگی تو نہیں۔۔۔۔؟؟؟نیہان نے الٹا سوال کرتے ہوئے فکرمندانہ لہجے میں پوچھا۔

تمہیں۔۔۔۔تو نہیں لگی۔۔۔؟؟؟

نیہان کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر ہاجرہ بی نے پریشانی ظاہر کرتے تپش بھری نگاہوں سے اسکے وجود کا جائزہ لیا۔

ہا۔۔۔ہاااااں۔۔۔ہاں نہیں وہ میں۔۔۔میں۔۔۔نہیں ہوں۔۔۔بالکل ٹھیک ہوں۔

نیہان نے گڑبڑا کر زبردستی دانت نکالتے ہوئے مہمل الفاظ کو بے ترتیبی سے جوڑتے ہوئے بہ ہزار دِقّت جواب دیا جبکہ حنظلہ دور کھڑا سارا منظر مسکراتے ہوئے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

بیٹا اپنے مزاج میں نرمی لاؤ جیسے باقی لڑکیوں کے لہجے میں دھیما پن ہوتا ہے ویسے ملائمت سیکھو___دوڑنے پھرنے___گھر میں چلنے، بات کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔،کا۔۔۔

بوا جی پلیز۔۔۔۔پلیز ابھی نہیں۔۔۔بعد میں ہاں۔۔۔

اسکی گھبراہٹ کو دیکھ کر ہاجرہ بی کا غصّہ جھاگ کیطرح بیٹھ گیا۔۔تیور نرم پڑتے ہی ہاجرہ بی اسے سمجھانا چاہ رہی تھی مگر وہ بغیر کچھ سنے اپنی سنا کر چٹکیوں میں۔۔۔وہاں سے رفو چکر ہو گئی تھی۔

جبکہ ہاجرہ بی حیرانگی و پریشانی کے ملے جلے تاثرات چہرے پر سجائے اسے جاتے دیکھ روک بھی نہ سکی۔

کمال ہے اس آندھی نے آج کوئی طوفان کھڑا نہیں کیا۔

حنظلہ کی نگاہوں نے اسکے غائب ہوتے وجود کا دور تک پیچھا کرتے حیرانگی سے منمناتے ہوئے کہا تو یکدم ہاجرہ بی اسکی سمت متوجہ ہوئی۔

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں بھی نیہان کے پیچھے اندر کو بڑھے

ہر بار بوا جی آپ ہارتی ہیں مجھ سے۔۔۔

مگر۔۔۔۔؟؟ آج روبی کو ہارنے میں بڑا مزہ آئے گا۔

نیہان نے میز پر لوڈو پھیلاتے ہوئے پر جوش لہجے میں کہا۔

حنظلہ اپنے کمرے سے نکلتا سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں داخل ہوا۔۔۔لاؤنج میں آکر اسکی نظر نیہان پر پڑی جو روبینہ کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔اسکی مسکراہٹ میں بے پناہ معصومیت تھی۔

ماں میں اشعر کی طرف کسی کام سے جارہاہوں تھوڑی دیر تک جاؤں گا۔

وہ ایک نظر نیہان پر ڈالتے ہوئے بولا۔

یادرکھیے گا اب کی بار ہارنے پر آپ دونوں کو میری بات ضرور ماننے پڑے گی۔۔۔

نیہان نے گوٹیاں تقسیم کرتے ہوئے خاصی سنجیدگی سے انکی یادداشت چست کرنی چاہی۔

جبکہ حنظلہ وہی کھڑا اسے بڑی محویت سے یوں دیکھ رہا تھا جیسے دنیا میں اس سے ضروری اور کوئی کام نہیں۔۔۔

آآآں۔۔۔حنظلہ رکو۔۔۔۔میرے حصے کا تم کھیلو گے بیٹا۔۔

روبینہ نے خود کو کمزور ثابت کرتے حنظلہ کو اپنی جگہ پر کھیلنے کا حکم دیا۔

مگر ماں مجھے۔۔۔۔

کچھ اگر مگر نہیں جو کام ہے بعد میں کرلینا۔۔۔ابھی ماں کا مان رکھو بیٹا۔

میں بھی نہیں کھیل رہی نجانے یہ لڑکی اور کیا الٹا سیدھا کام کروائے گی ہم سے۔۔۔؟؟

ہاجرہ بی نے فی البدیہہ خمیدگی سے کہتے اپنے ہاتھ کھڑے کرتے ہار تسلیم کرلی۔

کیا ہو گیا ہے ماں، بوا جی آپکو یہ کوئی اتنی بھی ایکسپٹ۔۔۔لوڈو چیمپئن نہیں۔۔۔جو آپ لوگ بنا کھیلے ہار مان رہے ہیں وہ بھی اس سے۔۔۔۔،،

حنظلہ نے بالائے طاق رکھے حقارت و تاسف سے ظریفانہ تنقیدی انداز میں مسکرا کر کہا۔

اوہ ہیلو مسٹر۔۔۔۔۔۔چار دفعہ۔۔۔۔۔۔۔پورے چار دفعہ ہا۔۔۔۔را۔۔۔چکی ہوں انہیں میں۔۔۔۔۔شاید۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔مجھے جانتے نہیں۔۔۔۔؟؟

نیہان شاہ۔۔۔۔۔لوڈو چیمپئن ہوں میں۔

۔

۔

اور بوا جی آپ تو بتایئے کہ کون سا الٹا سیدھا کام کر دیا آپ نے ہارنے کے بعد۔۔۔۔۔؟؟؟

بس ذرا سی اپنی تعریف کا ہی تو بولا تھا آپکو۔۔اور آپ وہ بھی نہیں کر سکی۔۔۔کیونکہ صدا کی نالائق جو ہوں میں آپکی نظر میں ہنہ۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟

اور روبی آنٹی کو۔۔۔۔۔۔۔صرف آئس کریم کا بولا تھا۔۔

مگر۔۔۔۔رات کا سفر طبیعت خراب کر دیتا ہے آنٹی کی۔۔۔!!

نیہان تفاخرانہ انداز میں حنظلہ کو دوٹوک جواب دیتے ہوئے نظریں گھما کر تشویشی لہجے میں ہاجرہ بی سے سوال گو ہوئی اور پھر بلآخر روبینہ سے شکوہ کرتے بات کے اختتام پر پہنچی۔

ہاں تو حنظلہ کے ساتھ کھیل لو یہ ہار تو تمہیں آئس کریم بھی کھلانے لے جائے گا۔۔۔۔؟

ہاں ہاں حنظلہ بابا کے ساتھ کھیل لو۔۔۔

روبینہ نے خجالت سے مسکراتے ہوئے تائید کی تو ہاجرہ بی بھی نے تضحیک آمیز لہجے میں بات کو ہوا دی۔

۔

۔

آپ کیطرح یہ بھی بار بار ہارنے پر مکر جائے گا۔۔۔؟

نیہان نے وارفتگی سے استہزائیہ نیم طنز کیا۔

۔

۔

تمہیں کس نے کہا۔۔۔؟؟ کہ۔۔۔۔۔۔میں ہاروں گا۔۔۔؟؟

اور۔۔۔۔۔۔وہ بھی۔۔۔۔تم سے۔۔۔۔۔۔

حنظلہ نے بھنویں اچکا کر الفاظ کی ادائیگی ٹھہر ٹھہر کر کی۔

۔۔۔۔

۔۔۔۔

جبکہ ہارنا میں نے کبھی سیکھا نہیں۔۔۔اور۔۔۔وقت نہیں کبھی سکھایا نہیں۔

وہ کیا ہنہ۔۔۔؟؟لفظ "ہار" میری زندگی کی کتاب میں دور دور تک کہیں نہیں۔

حنظلہ نے فخریہ انداز اپناتے ہوئے اطمینانیت سے کہا تو نیہان کا دل پسلیوں میں آگیا۔

۔

۔

خود کیلئے آور کنفائڈنٹ ہونا بھی انسان کی ہار کا۔۔۔بڑا سبب بنتا ہے۔

نیہان نے تخیل و تمنا سے نہایت نرمی گوئی کی۔

ہار جیت۔۔۔رک جانے۔۔۔ناں کرنے۔۔۔یا آگے بڑھنے اور کر کے دیکھانے والی کی محنت پر منحصر ہوتی ہے۔۔۔؟؟

حنظلہ نے وہی اپنے سابقہ انداز میں۔۔۔تبسم لبوں پھیلائے ٹھسے سے کہا۔

ہمم دیکھتے ہیں پھر۔۔۔نیہان نے سلگتے ہوئے لہجے میں بھن کہا تو حنظلہ کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

کھیل اپنے اختتام پر تھا۔۔وہ اپنی مستی میں مگن فل وقت دونوں برابر ہی کھیل رہے تھے کہ تبھی اشعر کی کال نے وہاں موجود سبھی کا مزہ کر کرا کرتے ہوئے انکی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔

۔

۔

اٹھا کر فون سپیکر پر ڈال لو۔۔۔حنظلہ کے فون پر نیہان کی نگاہ جاتے ہی اسنے مصطربانہ کہتے اپنی قسمت پر مستحکم یقین رکھے دانا پھینکا۔

فلحال ہارا نہیں ہوں میں۔۔۔۔،جو ابھی سے اپنی باتیں من۔۔۔۔

ہہہہہہہہہہہہہہہاہارادیامیں نے تمہیں۔۔تمہیں ہارادیا میں نے،میں نے ہارادیا۔۔۔۔ہار گئے تم۔۔۔تم ہار گے،ہار گے تم مجھ سے جیت گئی میں۔۔۔۔میں جیت گئی۔

نیہان نے پُر خوشی سے کودتے چہکتے بلند آواز میں چلاتے ہوئے ناصرف حنظلہ کی زبان پر تالے ڈالے بلکہ اپنی جیت کا اعلان کرتے ہوئے سب کو ہراساں بھی کر ڈالا۔

وہ واقعی ہی جیت چکی تھی محض حنظلہ کے ہاتھ کی صفائی کی بدولت۔

حنظلہ نے منصوعی جلال و خفگی سے قوت سے چیختے فون کا گلا گھونٹا تو اطراف میں مکمل خاموشی پھیل گئی۔۔۔۔مگر نیہان تھی کہ دانت نکالنے سے باز نہیں آرہی تھی۔

کچھ ملے جلے خیالات ہیں میرے اور نیہان کے۔۔۔

کہ خود پر آور کنفائڈنٹ واقعی انسانی صحت کیلئے مضر صحت ہوتا ہے۔

روبینہ نے کنکھیوں سے پہلو میں بیٹھے حنظلہ کیطرف دیکھ کر منصوعی سرد آہ بھرتے تمسخر سے کہا۔

باجی اب آپ نہ شروع ہو جائے۔۔۔ویسے بھی۔۔۔کب۔۔۔؟؟کیسے۔۔۔؟؟ہماری شہزادی صاحبہ بازی مار گی۔۔۔کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔۔۔؟؟

ہاجرہ بی نے روبینہ کو تنبیہہ کرتے میز پر پھیلے لوڈو کے موٹے گتے پر سوالیہ نظر دوڑا کر حیرانگی ظاہر کی۔

٫٫نظر ہٹی درگھٹنا گھٹی۔۔۔،،

حنظلہ نے ہاجرہ بی کی جانب سے کیے گئے سوال کا بڑبڑاتے ہوئے جواب دیا اور اپنی ہنسی دبانے کی ناکام کوشش کی۔

کچھ کہا تم نے۔۔۔؟؟نیہان کے سوال پر وہ نظریں چرا گیا۔

اب کچھ کہے گا بھی کیسے۔۔۔؟؟حنظلہ کو خاموش پا کر وہ منہ بسورتے میمنانے لگی۔

نیہان۔۔۔۔روبینہ نے لاڈ سے پکارا تو اسکا طلسم ٹوٹا۔

آنٹی اپنے لختِ جگر، آنکھ کے تارے، اکلوتے چشم وچراغ۔۔۔بڑی بڑی باتیں کرنے والے اپنے لاڈلے فرزند سے کہے کہ ہار تو یہ گیا ہی ہے۔۔۔اب میری شرائط پر پورا بھی اترے۔

نیہان نے دل نخواستہ اسکی تعریفوں کے پھول باندھتے ہوئے بظاھر مخملی انداز کہا۔

شرائط کے مطابق شاید مجھے تمھاری تعریف کرنی تھی۔۔۔یا ہمیں آئس کریم کھانے جانا تھا۔۔۔؟؟

لیکن تم نے تو اپنی جیت کی خوشی میں قابلِ تعریف القابات سے مجھ پر ہی نوازش کر ڈالی۔

دم بخود ہوتے حنظلہ نے بے اختیار قہقہ بلند کرتے ستائش کی خوشی واضح کی۔

شرمندگی کے مارے خود میں سمونے کی بجائے کلیجے پر پتھر رکھ کر اسنے خونخواری نظروں سے اسے گھورا۔

۔

۔

اہلِ کمال۔۔۔آپ فرمائے گئیں کہ میرے ہارنے کی کوئی سزا ہے یا پھر آپکی جیت کی خوشی میں مجھے کیا کوئی چھوٹا موٹا نذرانہ پیش کرنا ہو گا۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر خم کرتے بے چاکی سے استفسار کیا۔

حنظلہ ہار کر بھی جیت گیا۔۔۔روبینہ کے اندر سے کسی نے سر گوشی کی جبکہ اسی احساس میں مبتلا ہاجرہ بی کی جانچتی نظریں مسلسل گردش میں تھی۔۔۔جو حنظلہ، نیہان اور روبینہ کی رنگ برنگی شکلوں کو معائنہ کر رہی تھیں۔

۔

۔

رات اتر رہی ہے۔۔کب جاؤ گئے تم دونوں۔۔۔؟؟ اور کب لوٹو گئے۔۔۔؟؟

ہاجرہ بی نے سوالیہ انداز میں نیہان کے ذرد چہرے پر نظریں روک کر پوچھا۔

۔

۔

وہ ایک لمحے کیلئے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی۔

ہم جائے گے ؟ کیوں؟ آپکو آئس کریم نہیں کھانی کیا۔۔۔؟؟

نیہان نے سرمئی آنکھیں پھیلا کے دانت بھیجتے ہوئے کہا۔

۔

۔

نہیں میں بہت تھک گئی ہوں۔

موسم بھی زرا سرد ہے۔۔۔ آئس کریم کھاؤں گی تو گلا مل جائے گا میرا۔۔ تم لوگ جاؤ۔۔ میں باجی کے ساتھ گھر ہی رہوں گی۔

ہاجرہ بی نے مخلصانہ انداز میں رسماً مسکراتے ہوئے کہا۔

۔

۔

بقول حنظلہ کے۔۔۔ یہاں کی آئسکریم اچھی ہے۔۔۔؟؟ یہ سوچ کر نیہان کا دل بیٹھنے لگا اور وہ خاموشی سے نیم تاریک سی کالی کلوٹی سڑک کیطرف دیکھنے لگی۔۔۔ جس کے کنارے پر اکا دکا بتیوں سے ایک زرد سی روشنی نکل کر سڑک پر رینگ رہی تھی۔

اسکا خیال فوراً ہی حنظلہ کی سمت دوڑا جو اسکے ہمراہ بیٹھا بے ساختہ مسکرا رہا تھا۔

۔

۔

یہاں نکڑ پر پختو آئس کریم والا ہے۔۔۔ بہت پہلے ہمارے آفس میں چائے کی ملازمت کرتا تھا۔۔

نیہان کی سوالیہ نگاہوں کی تپش خود پر محسوس کرتے ہوئے وہ ان کہے سوال کا جواب دیتا ہوا گاڑی سے اترا۔ جبکہ نیہان اپنے غصے کو ضبط کرتے اندھیرے میں گھورنے لگی۔

تبھی اندھیری سڑک پر کسی کی آہٹ سی پیدا ہوئی اور ایک سایہ لرزتا ہوا انکی سمت بڑھنے لگا۔۔۔

کیسے ہو بختو۔۔۔؟؟؟

کچھ لمحوں بعد نمایاں ہوتے وجود سے حنظلہ نے مصافحہ کرتے خوشدلی سے اسکی خریت پوچھی۔

شکر الحمداللہ۔۔۔اس سوہنے کی کرم نوازی۔۔۔۔اور۔۔۔آپکے احسان کی بدولت زندگی مست اور بیوی بچے موج میں ہیں۔۔۔!!

حنظلہ کھکھلا کر ہنسا۔۔۔بختو کے لہجے میں بے تکلفی کا عنصر نمایاں تھا۔جس سے نیہان بخوبی اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ شخص جو کوئی بھی ہے حنظلہ کا اسکے ساتھ کوئی تعلق یا پرانی واقفیت تو ضرور ہے۔

میں نے کوئی احسان نہیں کیا تم پر۔۔۔وہ تو اللہ ہے جو انسان کی بہتری کیلئے کوئی نہ کوئی وسیلہ یا سبب ہر حال بنا ہی دیتا ہے۔۔۔اور پھر۔۔۔؟؟

انسان محنت مشقت کر کے دولت، شہرت، خوشحال زندگی اور حلال روزی کماتا اور اطمینانیت سے کھاتا ہے۔

حنظلہ نے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ سجائے خوش اسلوبی سے کہا۔

بیشک اللہ ہی وسیلہ اور سبب پیدا کرنے والا بہتر کارساز ہے۔۔مگر میری بیوی کا ماننا ہے کہ کسی کے ہاں ملازمت کرنے سے اپنا خود کا چھوٹا موٹا کاروبار لاکھ درجے بہتر ہے۔

بختو نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا تو گاڑی میں بیٹھی لڑکی کی سمجھ میں سب بیٹھ گیا کہ اندھیری سنسان سڑک کی نکڑ پر برفیلی قلفیوں فروخت کرنے کیلئے صدا بلند کرنا۔۔۔بیوی کی خطر اسے کتنا عزیز ہے۔۔۔اور حنظلہ کا کردار اسکی زندگی میں کتنی اہمیت کا حامل ہے۔

۔

۔

انکل۔۔۔ آپ۔۔۔ بختو آئسکریم والے ہیں۔۔۔؟؟

حنظلہ نے کچھ بولنے کیلئے لب ہلائے ہی تھے کہ نیہان نے گاڑی کی کھڑی سے سر باہر نکال کر زرا اونچی آواز میں پوچھا۔

جی جی کرتا بختو بے اختیار نیہان کی سمت بڑھا جبھی حنظلہ کے سکڑے لب کھل گئے۔

توکوئی آئسکریم لائے مجھے کھانی ہے۔

نیہان نے قدرے معصومیت سے پلکیں جھپکا کر کہا۔

کون سا فلیور کھائے گی بٹیاں آپ۔۔؟؟

ٹوٹی فروٹی، چاکلیٹ، مینگو، وینیلا، کافی۔۔۔

جو جو اچھا ہے سب لے آئیں آپ۔۔۔؟؟

بے اختیار نیہان نے اسکے پاس موجودہ آئسکریم کا کہتے سانس خارج کی جبکہ بختو ایک لمحے کے لیے سناٹے میں آ گیا۔

باب نمبر 16

بختو۔۔۔۔

حنظلہ نے حیرانگی و پریشانی سے نیہان کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے شخص کو پکار کر اپنی سمت متوجہ کیا۔

جی آپکا پسندیدہ فلیور تو میں جانتا ہی ہوں۔

بختو کا طلسم ٹوٹا تو وہ بے ساختہ کہہ کر واپس اس اندھیری سڑک پر کہیں غائب ہو گیا۔

حنظلہ کے بختو پر کیے گئے احسان کو ذہین میں جگہ دیتے ہی نیہان کے دل میں حنظلہ کی محبت کا بیج جو وہ کہیں دبائے بیٹھی تھی اپنی لامحدود کوششوں کے باوجود اسے کلی بننے سے روک نہ سکی تھی۔

تبھی اسکے لیے جیسے میٹھی میٹھی خوشبوؤں کا سیلاب سا امڈ آیا۔۔۔ جبکہ پر سکون سرد رات کی ٹھنڈی فضاؤں کا اپنا ایک الگ ہی مزہ تھا۔

وہ دُنیا مافیہا سے بیگانہ لبوں پر تبسم سجائے ان خوبصورت احساسات کے حباب میں ہمیشہ کیلئے قید ہو کر رہنے کی خواہش مند تھی۔

نیہان کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر حنظلہ کے عنابی لبوں پر بھی تبسم بکھر آیا اور دل راحت سے سرشار ہو گیا۔

چار سے پانچ آئس کریم ہاتھوں میں پکڑے بختو آنکھوں میں انکے گر جانے کا ڈر سموئے نئی نویلی دلہن کیطرح دھیرے دھیرے چلاتے ہوئے انکی سمت بڑھتا ہوا آیا تو نیہان ویسے کی ویسے گردونواح سے بیگانہ اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

آئس کریم نہیں کھانی اب تمہیں۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے بمشکل بختو سے آئس کریم تھامتے ہوئے نارمل آواز میں سوال کیا تو وہ ایکدم گھبرا کر سہم گئی۔

اسکے یوں ڈر جانے خوف کھانے ڈراؤنے خوابوں کو حنظلہ نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔

تبھی نیہان کی پھیکی پڑتی رنگت پر حنظلہ نے نگاہیں مرکوز کیے گاڑی سے باہر نکل کر آئسکریم کھانا ملتوی کر کے نیہان کو اسکے حصے کی آئسکریم تھمائی اور پھر گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن کیں تو یکدم کالی کلوٹی سڑک روشنی سے نہا کر صاف نمایاں ہونے لگی۔

لیکن پرواہ کسے تھی جسے فرق محسوس ہونا تھا وہ تو آئسکریم پر ندیدوں کیطرح ٹوٹی ہوئی تھی۔۔

بچوں کی طرح ہاتھ ناک منہ گندے کرتے وہ ایک ہی جھٹکے میں سبھی آئس کریم نگلنے میں مشغول تھی کہ اچانک اسکی نگاہ حنظلہ کی سمت گئی جو بڑے انداز سے بھرپور سلیقے اور طریقے کے ساتھ ہاتھ میں پکڑی سٹابری فلیور آئسکریم کھا رہا تھا مگر کچھ ہی دیر میں نیہان کو جاہلانہ انداز سے آئسکریم کھاتا دیکھ اسکی حالت پتلی ہونے لگی تھی۔

جبھی نیہان کی لالچی نگاہ حنظلہ کی آئسکریم پر جا چپکی۔۔۔نیہان کی نیت میں فتور کو بھانپتے ہوئے حنظلہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اپنے والی کھانے کا پوچھا تو نیہان نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے معصومیت سے آئس کریم سے لپٹے اپنے ہاتھوں کو دیکھا پھر بے چارگی و بے بسی سے دوبارہ حنظلہ کی جانب دیکھا۔۔۔

جو حقارت و تاسف سے یک ٹک اسے ہی دیکھنے میں مصروف تھا۔

جب کوئی چارہ نظر نہیں آیا تو نیہان نے اسکے ہاتھ سے آئسکریم کھانے میں شرم نہ کھائی تاسف کی انتہا بس اتنی ہی تھی کہ نیہان منٹ لگا کر حنظلہ کی بھی آئسکریم چٹکیوں میں چٹ کر جاتی مگر پیٹ نے ساتھ نہ دیا۔

نیہان نے اسکا جھوٹا کھالیا، حیرانگی کے عالم میں حنظلہ کی آنکھیں پھٹ کر باہر آگئیں۔

یہ بچے ابھی تک نہیں آئے ہاجرہ بی لان میں ٹہل قدمی کرتے ہوئے پریشانی کے عالم میں حنظلہ اور نیہان کی راہ تک رہی تھی۔

ہاجرہ بی آپ جاکر سو جائے فکر نہیں کریں بچے اب بڑے ہو گئے ہیں۔۔۔ویسے بھی نیہان کے ساتھ حنظلہ ہے تو۔۔۔؟

روبینہ نے لگاتار سر پر منڈلاتی ہاجرہ بی کو دیکھ آزردہ لہجے میں کہا۔

تتر بٹیر کیطرح لڑنے میں دونوں شیر ہے۔۔لڑائی کا کوئی بھی موقع خالی نہیں جانے دیتے ہر وقت چونچ لڑاتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔

دونوں ایک ساتھ ہیں۔۔۔اسی بات کی تو ٹینشن ہے مجھے۔۔۔۔۔!!

ہاجرہ بی نے براقی سے بولتے متذبذب ہو کر کہا۔

ایک دوسرے کے ساتھ وقت بتائے گے تو نزدیکیاں بڑھے گیں ناں انکے درمیان۔۔۔۔۔تبھی تو وہ ایک دوسرے کو اپنے دکھ درد میں شریک کریں گے، ایک دوسرے کی تکلیف کو اپنا سمجھئے گے اور بر وقت اظہارِ محبت کر پائے گئے۔

روبینہ نے قدرے سنجیدگی سے اضطرابی کیفیت میں کہا۔

گاڑی گھر کی راہ پر گامزن تھی۔۔۔ابھی آدھا ہی سفر طے کیا تھا انہوں نے کہ نیہان کی طبیعت کچھ بوجھل سی ہونے لگی۔

گاڑی روکو۔۔۔

نیہان نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

Are You Okay....???

حکم کی تعمیل کرتے حنظلہ نے بلا تامل گاڑی روک کر فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

پتہ نہیں طبیعت کچھ ناساز سی ہو رہی ہے۔

جواباً بنی آواز میں کہہ کر وہ رونکھتی سی ہو کر جھٹ پٹ گاڑی سے باہر نکلی۔

نیہان کے علالتِ مزاج کو دیکھ کر وہ گاڑی سے اتر کر بڑی پھرتی سے اسکی سمت بڑھا تھا۔

ہم کچھ دیر یہاں ٹہل قدمی کر سکتے ہیں۔۔۔؟؟؟

نیہان نے لمبا سانس کھینچ کر دو چار قدم اٹھائے اور پھر پلٹ کر سوال گو ہوئی۔

حنظلہ نے قلبِ مطمئنہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

نیہان کی حالتِ زار کی وجہ آئسکریم کی زیادتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ جبکہ اس بات سے وہ دونوں اچھی طرح واقف تھے۔

۔

۔

۔

اب وہ دونوں شانہ بشانہ چلتے ہوئے گاڑی سے کافی دور نکل آئے تھے۔۔۔ ساتھ چلتے ہوئے دونوں کے درمیان خاموشی کا رشتہ لگ رہا تھا۔

مگر نیہان کی اونچی ایڑی کی سینڈل زمین پر ایک دلچسپ شور بکھیرتی ہوئی اطراف میں پھیلی خاموشی کو توڑ رہی تھی۔

رات گہری ہو چکی تھی اسی خاطر چاند کی چاندنی واضح تھی۔

کچھ ہی دیر میں آسمان پر کالے بادلوں نے بسیرا کر لیا تھا۔

اور انہی سیاہ بادلوں کے کچھ ٹکڑے خوبصورت آفتاب کے گرد محورقص تھے۔۔۔ لیکن تارے سہمے سے آہستگی سے ٹمٹماتے ہوئے اُن دونوں کو خاموشی سے تک رہے تھے۔

طبیعت سنبھلنے پر نیہان نے ارد گرد نظریں گھما کر دیکھا تو اسکی کانچ سی آنکھیں چمکنے لگیں۔

کیونکہ آس پاس کئی لوگوں کے گھر آباد تھے۔۔۔ یہاں ہر سو گہرا اندھیرا کسی آسیب کیطرح ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا وہاں ان آشیانوں سے نکلتی ہوئی روشیاں ایسی تھیں کہ انہیں دن معلوم ہو رہا تھا۔

نیہان کی نظر جہاں تک جارہی تھی وہاں تک ساری سوسائٹی روشنیوں میں جگمگا رہی تھی جبکہ ان گھروں کے وسط میں خوبرو نوجوان کے شانہ بشانہ چلتی لڑکی ذرد بتیوں سے سرشار علاقہ کو اپنی ریاست خیال کررہی تھی۔۔اسے یوں محسوس تھا جیسے اسکے سر پر کسی نے شہزادی کا تاج رکھ دیا ہو۔۔۔اور کل کائنات اسکی دسترس ہو گئی ہو۔

نیہان کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اسے بھی کچھ ایسے ہی احساسات اپنے حباب میں بھر لیتے۔

آخر کو رات کے آخری پہر جب ہر طرف گہری سنگین خاموشی کا راج ہو تو بارعب شخصیت کا ساتھ ہر لڑکی کیلئے باعثِ مسرّت ہی ہوتا ہے۔

نیہان نے خیالی کیفیت سے نکل کر کنکھیوں سے ہمراہ چلتے نوجوان کو دیکھا جو جینز کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونسے چہرے پر سنجیدگی سجائے نجانے کس سوچ میں غرق تھا۔

تبھی نیہان کے خرافاتی دماغ میں کوئی شرارت بے چینی سے گردش کرنے لگی۔۔۔

موقع غنیمت جانتے اسکے گلابی لبوں پر ایک شرراتی مسکان ابھری تو اسکی اونچی ایڑی کی ہیل سے سڑک پر آواز مدید بڑھنے لگی۔۔۔

اور بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھ گئی کہ حنظلہ کو اپنی سوچوں کا محور توڑ کر اس کی سمت متوجہ ہونا پڑا۔

اب طبیعت کیسی ہے۔۔۔؟؟

حنظلہ نے زرا ٹھہر کر کم آواز میں سوال کیا تو نیہان نے مینا سا مسکراتے سر کو ہلکی سے جنبش دی۔۔۔ تبھی حنظلہ نے حیرت سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔۔شاید وہ اپنا شک دور کرنا چاہ رہا تھا کہ نیہان اسے دیکھ کر ہنس رہی ہے یا پھر کسی غیبی مخلوق کو۔۔۔؟؟۔۔۔کیونکہ جس ویران سڑک پر وہ چل رہے تھے ان دونوں کے سوا وہاں کوئی چرند پرند۔۔۔دور دور تک کسی ذی روح کا سایہ تک لرزتا دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔۔ سبھی اپنے اپنے گھروں میں صبح کے تھکے ہارے آرام فرما رہے تھے۔

تھوڑی دیر قبل نیہان کی ہیلز سے بکھرنے والا دلچسپ شور اس قدر بڑا گیا تھا کہ حنظلہ کو کانوں میں انگلیاں ٹھونسنی پڑیں۔

عجیب سے برپا ہونے والے شور نے حنظلہ کی بصارت وسماعت کو اسکی جانب متوجہ ہونے پر مجبور کیا۔

۔

۔

لیکن تب تک نیہان کے ہاتھ پاؤں میں گھوڑے لگ گئے تھے۔

دو تین گھروں جن کی دیواریں آپس میں جوڑی ہوئی تھیں۔۔۔انکا دروازہ اپنے دونوں ہاتھوں کی مدد سے بری طرح کھٹکھٹا کر وہ کمان سے نکلے تیر کیطرح حنظلہ کی سمت واپس آرہی تھی۔

جبکہ حنظلہ اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا۔۔۔کیونکہ نیہان کی ناسمجھی پر اسکے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

گھروں میں موجودہ افراد ہڑبڑا کر باہر کو نکلے۔

نیہان کا اس لمبی ہیل کے ساتھ بھاگنا مشکل تھا۔۔۔جبکہ حنظلہ کا سکتا ٹوٹنے تک اپنی جگہ سے ہلنا۔۔۔ویسے ہی مشکل تھا۔

۔

۔

اوئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔،

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔،

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔،

ہوش میں آؤ۔۔۔۔،

ـ

ـ

بھاگو ورنہ پکڑے جائے گے ہم۔۔۔۔،

ـ

ـ

نیہان کی چیخ وپکار سن کر یونہی وہ اپنے حواسوں میں واپس لوٹا۔۔۔۔تو سامنے کا منظر دیکھ کر اسکے پاؤں تلے چیونٹیاں رینگنے لگیں۔۔۔۔۔،

تلملاتے لوگ گھروں سے مستعدی سے نکلتے ہوئے دستک دینے والے کے متلاشی تھے۔

طلسم ٹوٹتے حنظلہ کی سیٹی گم ہوگئی۔

جبھی وہ آگے پیچھے گردن گھوما کر سامنے کی جانب تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔۔۔نیہان کا خیال آتے سرپٹ پیچھے کو لپکا۔۔۔۔تو نیہان نے جھک کر جوتا اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور اندھا دھند دونوں نے دوڑ لگادی۔

ہواؤں سے باتیں کرتا ہوا انکا وجود سبھی کی نظروں سے محفوظ ہو چکا۔

مگر اس بات کا دھیان کیے بغیر وہ دونوں ابھی تک بھاگ رہے تھے۔

آخر کو رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کا ڈر جو تھا۔

ـ

۔

سوسائٹی کے باشندے سوسائیٹی کے سکیورٹی اہلکار سے اس معاملے کے متعلق جانچ پڑتال کرنے لگے اور ساتھ ہی آتش وخنکی سے پوچھنے لگے کے موقع واردات پر وہ کہاں تھا۔

۔

۔

نیہان نے ایک ہاتھ میں جوتا اور دوسرا ہاتھ میں حنظلہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

وہ تیز ہوتی سانسوں اور تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ بڑی تیزی سے اس سنسان سڑک پر واپس آ پہنچے یہاں دو چار قدموں کی دوری پر انکی گاڑی کھڑی تھی۔

اب انکے لیے دو چار قدم اٹھانا میلوں کا فاصلہ طے کرنے کے برابر تھا۔۔کیونکہ انکا سانس پھول گیا تھا پاؤں بری طرح دکھنے لگے تھے۔

گرتے پڑتے ہانپتے ہوئے بلآخر وہ گاڑی کے نزدیک تو پہنچ گئے تھے مگر گاڑی تک پہنچ پانے کی ہمت دونوں میں نہیں تھی۔

اب دونوں ہی جھک کر گھٹنوں میں ہاتھ رکھے گہری گہری سانسیں لیتے اپنا سانس بحال کرنے لگ گئے تھے۔۔۔

سانس زرا قابو میں آئی تو نیہان نے دل پر ہاتھ رکھے پریشانی کے عالم میں پیچھے کی سمت دیکھا جبکہ حنظلہ کچھ لمحے اپنے وجود کا سارا بوجھ گھٹنوں پر چھوڑے یونہی رکوع کی صورت جھکا رہا۔۔۔۔، پھر کمر پر ہاتھ ٹکائے نیہان کے زرد چہرے کو تکنے لگا جو ابھی بھی اس راستہ کی جانب مڑا ہوا تھا یہاں سے وہ دونوں بے دھیانی میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے اندھوں کی طرح بھاگتے ہوئے اپنی جان بچا کر نکلے تھے۔

ءءواللہ کتنے لاپرواہ لوگ تھے۔۔۔۔

اااااااااابھی تک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جاگ رہے تھے۔۔۔؟؟

نیہان نے زیرِلب بڑبڑاتے ہوئے ایک لمبا سانس کھینچا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسکی بڑبڑاہٹ بخوبی حنظلہ نے سن لی تھی۔۔۔ تبھی تو اگلے ہی پل انکے حلق سے فلک شگاف قہقہے بلند ہوئے تھے۔

لگاتار ہنستے ہوئے انکے پیٹ میں درد اٹھ رہا تھا جبکہ پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

نیہان کی آئس کریم اب ہضم ہو گئی تھی۔۔۔لیکن وہ پکڑے جاتے تو سوسائٹی والے شاید ان کی یہ حرکت ہضم نہ کر پاتے۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کو ہنسنے سے منع کر رہے تھے اور ہنسنے سے باز بھی نہیں آ رہے تھے۔

ہنسی تھمی ہے ان آنکھوں میں یوں نمی کیطرح

چمک اٹھے ہیں اندھیرے بھی روشنی کیطرح

آآآآں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نیہان کا حلق خشک ہوا تو ذرا سنبھلی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور پھر میٹھی میٹھی نظروں سے حنظلہ کو دیکھتی گئی۔

"ہنستے ہوئے کتنے اچھے لگتے ہو تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟"

اسکی ہنسی کے سحر میں مبتلا نیہان نے بے اختیار شیریں انداز میں کہہ کر آہستگی سے گھنی پلکیں جھپکائیں تو سامنے والے کی ہنسی کے ساتھ جیسے کائنات بھی تھم گئی تھی۔۔۔۔

"ہاں اچھا تو ہوں مگر زرا سا برا بھی______ ہنہ۔۔۔؟؟"

حنظلہ نے نیم طنز کیا نجانے وہ کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔

۔

۔

حنظلہ کی بھاری آواز پر وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔

۔

۔

لب کچلتے دل ہی دل اب وہ خود کو کوس رہی تھی جبکہ حنظلہ کھڑا اہنوز منتظر نگاہوں سے اُسے تک رہا تھا۔

۔

۔

اچھے ہو____کیونکہ____بابا کو بہت اچھے لگتے ہو تم۔۔"۔۔"

نیہان نے معصومانہ انداز میں انتہائی سادگی سے جواب دیا تو حنظلہ کی باچھیں کھل گئیں۔

"شادی میں نے تم سے کرنی ہے تمھارے بابا جانی سے نہیں کرنی۔۔"

حنظلہ نے ہنستے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔

حفت زدہ سے نیہان نے مژگاں اٹھائیں تو حنظلہ کی نظروں کے ٹھہراؤ سے اس کی نظروں کا ٹکراؤ ہوا۔

میرے بابا میرے لیے کوئی بھی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے اللہ نے تمہیں میرے چنا ہے۔۔

اللہ کا کیا گیا اِنتخاب____غلط ہو سکتا ہے___ایسا میں گمان بھی کر سکتی۔

آنکھیں چار ہونے پر نیہان نے تبسم لبوں پر سجائے مطمئن دل سے کہا۔

باتوں ہی باتوں میں انہیں اس بات کا علم ہی نہیں ہوا کہ کب وہ دونوں بنا کسی ہچکچاہٹ کے ایک دوسرے سے دل کی باتیں بیاں کرنے لگے تھے۔

ٹھنڈی ہوا میں پگھلتی چاندی رات کو پُرکشش بنا رہی تھی۔

حنظلہ کا دل چاہ رہا تھا وہ اس مدھم سی رات کو جسے نیہان کے ساتھ نے انتہائی دلکش بنا ڈال تھا___ان حسین لمحات کے ساتھ روک لے____اپنی مٹھی میں کہیں قید کر لے مگر۔۔۔۔۔ظاہر بظاہر ایسا ممکن نہیں تھا۔

احساسِ ندامت نے اسے بری طرح سے جکڑ لیا تھا۔۔۔۔اور شرمساری کی توک جو گلے پڑ گئی تھی اسکے پٹھوں میں شاید قسم کا کھچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔۔ساتھ ہی ساتھ پشیمانی سے اسکے کندھے جھک گئے تھے۔۔۔خود سوزی نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔۔پچھتاوے نے اسے اکہرے بدن کا ڈالا تھا۔۔۔اب اسے اپنا آپ اس قدر گرا ہوا اور چھوٹا محسوس ہونے لگا تھا کہ خود کو مدھوش رکھنے کیلئے اسنے جوانی سے ڈھلتی عمر تک آج پہلی بار اپنا درد کم کرنے اور غم بھولنے کیلئے شراب کا سہارا لیا تھا۔

اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ مدہوشی اس لیے جان لیوا بھی ہو سکتی ہے۔

عالیہ کی آواز ارمینہ کا عکس_______ارمینہ کا عکس عالیہ کی آواز_____اسے یوں محسوس ہو رہا تھا روح اسکے جسم نکلتی ہوئی حلق میں اٹک گئی ہے۔

وہ اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے درد کی شدت میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا۔

میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔۔۔کبھی معاف نہیں کروں۔۔۔کبھی بھی نہیں۔۔۔۔۔

دونوں عکس ہم آواز چیخے۔۔۔۔زوریز کے سر پر جیسے چھت ٹوٹ پڑی۔

"دکھ امانت ہوتا ہے۔۔۔۔جسے دینے والے کے پاس لوٹ کر واپس آنا ہی ہوتا ہے۔۔۔۔"

ارمینہ کی آواز سنائی دینا بند اور عکس کہیں غائب ہو گیا تھا۔۔جبکہ عالیہ کے درد بھرے لہجے میں نا صرف سرزنش بلکہ حقارت اور تاسف بھی تھا۔

ایلی___________؟؟

بے آواز سا نام اسکے لبوں پر پھڑ پھڑایا تو عالیہ کا بولا گیا جملہ لگاتار اسکے سماعتوں سے ٹکرانے لگا۔۔

گوشہِ دل میں تم ہو
اوسانِ فکر میں تم ہو
محورِ گفتگو تم ہو
مرکزِ یاد تم ہو
میرے زیست تم ہو
میری دانست تم ہو
میرا تصورِ شب تم ہو
میرا اجالا حقیقت تم ہو
ہر حصار میں تم ہو مگر
حصارِ دسترس میں تم نہیں ہو

ہاتھوں سے کان دبائے وہ خوفزدہ سا ہو کر سہمی نگاہیں اطراف میں گھومنے لگا۔۔۔زوریز کے آنسوں بھی اسکا ساتھ چھوڑ گئے جبھی اسکی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا تھا۔

معمولی آنکھ اس لہو کو دیکھ نہیں سکتی تھی مگر کوئی عزیز کوئی جان سے پیارا اُسے محسوس ضرور کر سکتا تھا۔

وہ اپنے دکھ اور آنسوؤں پر تاب نہ لاتے ہوئے خود کو سنبھل نا سکا اور یکدم اپنی نشست چھوڑتے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین پر جا گرا۔۔۔اسکی نظریں زمین پر گڑ سی گئیں جبکہ آنکھوں سے آنسوؤں کی موسلادھار بارش ہنوز برس رہی تھی۔

احساسِ ندامت بھی اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔

پہلو میں بیٹھی ارمینہ نے تسلی بخش لہجے میں اسکی ہمت باندھنا چاہی۔۔۔۔جبھی اسکی یک سوئی ارمینہ کے پر نور چہرے پر ٹک گئی۔

اللہ پاک اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔۔۔وہ آزماتا ہے یہ دیکھنے کے لئے اسکا بندہ اسے کتنی محبت کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر وہ اپنے کسی بھی بندے کو اسکی برداشت سے بڑھ کر نہیں آزماتا۔۔۔جب اللہ محبت میں اپنے بندوں کو انکی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا۔۔۔۔۔۔تو۔۔۔۔پھر۔۔۔۔ انسان اپنی محبت کو اس قدر کیوں آزماتا ہے کہ چاہنے والے کی برداشت ہی ختم ہو جاتی ہے۔۔۔؟؟؟

مگر۔۔۔۔۔؟؟

"رہتی برداشت تک عالیہ نے اپنی محبت سے دس سال تک جدائی کا کرب برداشت کیا تھا۔

اگر اسے اولاد کے چھن جانے کا پتہ نہ چلتا تو شاید اسکی یہ برداشت کبھی بھی ختم نہ ہوتی۔"

ارمینہ نے بظاھر حلم وبردباری سے اسے پوچھتے ہوئے خود ہی جواب دیا مگر اسکے لہجے میں ایسا کچھ پوشیدہ تھا کہ زوریز کو اپنے جسم میں سوئیاں چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"تم دونوں ہی میری چاہت کی برابر مستحق تھیں۔"

نہ تمہارا کوئی قصور تھا۔۔۔اور نہ ہی کہیں پر عالیہ غلط تھی۔۔۔۔

وہ تو میں گنہگار ہوں جس نے نا صرف اپنے اللہ کو ناراض کیا بلکہ تم دونوں کے ساتھ بھی بہت برا کیا۔۔۔۔

۔

۔

اپنی محبت کو رسوا کر کے اس تک۔۔۔۔ہمیشہ کیلیئے رسائی ناممکن کر لی میں نے۔۔۔۔۔۔اور اب جیتے جی مر رہا ہوں میں۔۔۔ بلکل خالی ہاتھ رہ گیا ہوں۔۔۔ سوائے یادوں کے کچھ باقی نہیں بچا میرے پاس۔

زارو قطار روتے ہوئے۔۔وہ بمشکل اپنی بات مکمل کر پایا تھا۔

یہ وہی انسان تھا جو کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکتا تھا۔۔نہ ہی جسکی آنکھیں پہلے کبھی نم ہوئی تھیں۔۔۔

مگر آج وہی انسان اپنی محبت کے سامنے جھکے زارو قطار رو رہا تھا۔

""""یادیں ہی تو انسان کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔""""

یہ اونچ نیچ تو زندگی کا حصہ ہے اور یاد زندگی کی وہ سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر انسان آگے بڑھتا ہے۔۔۔

یادیں ساتھ نہ ہوں تو انسان کی زندگی ایک ایسے گھر کی مانند ہو جاتی ہے جسکی دیواریں تو ہوں مگر اندر کوئی رہتا نہ ہو۔۔۔؛

ارمینہ نے سنگینی سے کہہ کر نظریں جھکالی شاید وہ کچھ اور بولنے کی ہمت پیدا کر رہی تھی۔

شہر جاناں میں آکر کوئی یادوں سے فرار حاصل کر سکتا ہے۔۔۔؟؟؟

ارمینہ نے خوبصورت مسکراہٹ لبوں پر سجائے ملائمت سے پوچھا۔

نہیں نہ۔۔۔؟؟

۔

۔

تو پھر جائیں اس جگہ جہاں بیتے لمحوں کی یادوں کا امبار لگا ہوا ہیں۔

۔

۔

جائیں اس جگہ اور ان بکھری ہوئی یادوں کی کرچیوں کو چن لیں۔۔۔ شاید آپکی بے قرار زندگی کو قرار مل جائے اور آپکے درد کی شدت میں کمی آجائے۔

زوریز کی چپی دیکھ کر ارمینہ نے تصدیق چاہی مگر اسنے جیسے خاموش رہنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔

تبھی ارمینہ نے اپنے کیے گے سوال پر خودی تفصیلی جواب دیا اور آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

کبھی یادیں، کبھی باتیں، کبھی پچھلی ملاقاتیں

بہت کچھ یاد آتا ہے، تیرے اک یاد آنے سے

یونی ورسٹی ختم ہونے کے باعث یونی کے گیٹ کے سامنے لوگ کا مجمع لگا ہوا تھا۔

کوئی اہلِ خانہ کے انتظار میں کھڑی تھا تو کوئی تن تنہا خودی گھر کی راہ پکڑے ہوا تھا۔

نیہان غصے میں تلملاتی ہوئی یونیورسٹی کے گیٹ کی طرف بھاگ رہی تھی جبکہ رامین اسکا اور اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے نیہان کی پیروی کر رہی تھی۔

نظروں کے تعاقب میں دبلے پتلے دراز قامت والے لڑکے کو دیکھ کر نیہان نے بھاگتے ہوئے زور دار آواز لگا کر اسے کار میں بیٹھنے سے روکا تھا۔

نیہان کی آواز پر ذہین نے رخ موڑ کر اسکی سمت دیکھا تو اسکے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

تبھی وہ گاڑی کا دروازہ بند کر سینے پر ہاتھ باندھتا ہوا بڑی شوخی کے ساتھ گاڑی سے پست ٹکائے کھڑا اُسے تکنے لگا۔

نیہان کا گول چہرہ، دودھیا رنگت، بڑی بڑی سرمئی آنکھیں، تیکھی ناک، گلابی ہونٹ، پاؤں کو چھوتا کالے رنگ کا ریشمی اسکاف جو وہ گلے میں پہنے ہوئے تھی مگر بھاگنے کی وجہ سے شانوں سے سرک کر اسکے بازوں سے ہوتا ہوا اسکے مرمریں پاؤں کو چوم رہا تھا۔

ذہین کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی سنہری تتلی اُڑتی ہوئی اسکی طرف آ رہی ہے۔

اسی وقت حنظلہ کی گاڑی نے یونی کے سامنے کی دوسری سڑک پہ نیہان کے بالکل قریب آ کر بریک ماری تھی۔

ٹائروں کی چرچراہٹ کی آواز کانوں سے ٹکراتے ہی نیہان کے آگے بڑھتے قدم یکدم رک گئے۔۔۔ تبھی موت کو اپنے اتنا قریب دیکھ کر اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ فوراً باہر نکلا اور دیوانہ وار اسکی طرف بھاگا۔۔۔ جبکہ چہرے پر حیرانگی اور جلال واضح تھا۔

۔

۔

کیا تھا یہ۔۔۔؟؟ ہر وقت بھاگتی دوڑتی رہتی ہو ابھی گاڑی کے نیچے آ جاتی تو۔۔۔۔؟؟

حنظلہ نے غصیلے لہجے میں چیخ کر کہا۔

نیہان نے اپنے ہاتھوں سے چہرہ نکال کر اسکی سمت دیکھا وہ سپاٹ چہرہ لیے اسے گھور رہا تھا۔

وہ۔۔ووووہ۔۔۔نالائق میرے نوٹس چرا کر۔۔۔۔

ناگواری سے اپنی بات بیچ میں چھوڑ کر وہ غیظ و غضب کا شکار سرپٹ ذہین کیطرف بڑھی۔۔۔تو حنظلہ نے ایک ہی جست میں اسکا بازو کھینچ کر اسے اپنے قریب کیا۔

گاڑی میں بیٹھو۔۔۔میں بات کرتا ہوں اس سے۔

حنظلہ نے دانت پیستے ہوئے حکم صادر کیا۔

نیہان نے اسکی قربت میں جھینپ کر نظریں اطراف میں کھڑے لوگوں پر دوڑائیں۔۔جو کسی تماشے کے منتظر ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھ رہے تھے۔۔۔اور پھر ایک اچٹتی نگاہ حنظلہ پر ڈال اپنے بازوؤں کو دیکھنے لگی جو حنظلہ کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں تھا۔

۔

۔

جبھی حنظلہ کی اسکے بازو پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ با آسانی اپنا بازو چھڑوا کر بے ساختہ اس سے پیچھے کو ہٹی۔۔۔

اور پھر اگلے ہی پل وہ حنظلہ کے غصے کا ذرا برابر اثر نہ لیتے ہوئے دوبارہ ذہین کیطرف بڑھی۔

جبکہ وہ اپنی جگہ کھڑا جبڑے بھینچے اسکی حرکت پر ضبط کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

۔

۔

میرے نوٹس واپس کرو۔

نیہان نے اسکے سر پر پہنچتے ہی حکمیہ انداز میں کہا۔

تم ٹھیک تو ہو۔۔۔؟؟

ذہین نے مصنوعی ہمدردی چہرے پر سموتے ہوئے کہا۔

کہیں لگی تو۔۔۔۔نا۔۔۔

"I Say Return My Notes...!!"

ذہین نے فکرمندی کی بھرپور اداکاری کرنی چاہی مگر نیہان انتہائی غصے سے اسے ٹوکتے ہوئے اپنی بات پھر سے دہرائی۔

۔

۔

ورنہ۔۔۔۔۔؟؟

ذہین نے بھنویں تان کر گہری سنگینگی سے کہا۔

میں تمھارا منہ توڑ دونگی۔۔۔۔ تمھارے بال نوچ کر تمہیں گنجا کر دونگی۔۔۔اور پھر ننگے پاؤں پوری یونیورسٹی میں تمھارے چکر تب تک لگواتی رہوں گی۔۔جب تک تمھاری سمجھ میں یہ نہیں آجاتا کہ چوری کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔۔!!

نیہان نے کاٹ دار لہجے میں لفظوں کی ادائیگی چبا چبا کر کی۔

ارے باپ رے۔۔۔اااااااااتنا غصّہ۔۔۔؟؟؟

ذہین نے اسکے چہرے کی سرخی دیکھتے ہوئے مصنوعی سنجیدگی و تعجب سے کہا

میرا ہاتھ اٹھے اس سے پہل۔۔۔۔۔

واقعی میں۔۔۔۔؟؟؟تم۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔مارو گی۔۔۔۔۔؟؟؟

ذہین نے قدرے حیرت سے دبے ہوئے لہجے میں سوال گو ہوا۔

ـ

ـ

چلو مارو۔۔۔مارو ناں۔۔۔،،

ذہین نے اپنے چہرے کا رخ ایک سمت کر کے اپنا گال اسکے سامنے پیش کرتے ہوئے بڑی شوخی سے کہا۔

چلو مارو۔۔۔اسی۔۔۔بہانے۔۔۔تمہارے مالائی جیسے۔۔۔ہاتھوں کا۔۔۔چھوا محسوس کر۔۔۔۔۔

ذہین نے آنکھ دبی اس سے پہلے اپنا غلیظ فقرہ مکمل کرتا کسی نے شدت سے بھرپور فولادی مکا اسکے منہ پر جڑا جس کے باعث وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتا ہوا منہ کے بل زمین پر نیہان کے قدموں میں جا گرا۔

قدرے حیرانگی سے نیہان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

حنظلہ کی جانب دیکھا تو اسکے ہوش ہی اُڑ گئے تھے۔

حنظلہ کے اعصاب تنے اور ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔

اسکے کانوں سے دھواں اور آنکھیں میں خون اترا ہوا تھا۔

آج سے قبل نیہان نے حنظلہ کو ایسی کیفیت کبھی نہیں دیکھی تھی۔

تم نے ہمت کیسے کی۔۔۔؟؟؟اپنے منہ سے۔۔۔۔۔نیہان۔۔۔کے بارے میں بکواس اگلنے کی۔۔؟؟

حنظلہ نے مٹھیاں بھینچے صلابت سے پوچھا۔

تمہاری۔۔۔ہمت کیسے ہوئی۔۔۔کہ۔۔۔تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔۔۔؟؟

ہونٹ کے کنارے سے نکلتے ہوئے خون کو وہ اپنے انگوٹھے سے صاف کرتا ہوا حنظلہ کے مقابل کھڑا ہو کر سوال گو ہوا۔

"ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔۔؟؟"

پاس کھڑی رامین نے حقارت و تضحیک آمیز لہجے میں کہہ کر جیسے اسکے غصے کو ہوا دی تھی۔

جبھی اپنے غصے پر ضبط نہ کرتے ہوئے ذہین۔۔۔حنظلہ پر جھپٹ پڑا۔۔۔اور اگلے ہی لمحے دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔

باب نمبر 17

کافی سر پھٹول کے بعد بھی حنظلہ کی غیرت اور ذہین کی انا کو تسکین نہ ملی تھی۔۔ تبھی غصے سے پاگل ہوتے ذہین نے حنظلہ کے چہرے پر گھونسا مارنا چاہا جسے حنظلہ نے بڑی آسانی سے ایک اور مکا اسکے منہ پر رسید کیا۔۔۔

جبھی وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔۔۔تو۔۔۔۔۔

حنظلہ کے روح میں ذہین کے گھٹیا الفاظ زہر

کیطرح سرایت کرنے لگے۔۔۔

غصے میں بے قابو ہوتا حنظلہ۔۔۔اس پر گھونسے اور مکے برسنے لگا۔۔۔

حنظلہ کی جنونیت دیکھ کر نیہان خوف کے مارے لرز رہی تھی۔۔۔اسکے گلے سے گھٹی گھٹی چیخوں کے ساتھ آنکھیں بھی حیرت سے باہر نکل آئی تھیں۔

وہ حنظلہ کو روکنا چاہتی تھی لیکن اسے وحشی روپ دھارے دیکھ وہ اپنی جگہ سے ہلنے سے قاصر تھی۔

ذہین اپنے بچاؤ کیلئے مسلسل ہاتھ پاؤں مار رہا تھا مگر اسکی تمام کوششیں بے سود تھیں۔

اس سے پہلے ذہین خون میں نہاتا۔۔۔ارد گرد کھڑے خاموش

تماشائی بنے لوگوں میں سے کچھ انسانیت دیکھتے ہوئے بھاگ کر آئے اور انہوں نے۔۔۔۔بیچ بچاؤ کرتے ہوئے انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہا۔

مگر ان سے کچھ بن نہ پا رہا تھا۔

ح۔۔۔۔حا۔۔۔حن۔۔زلہ۔۔۔۔(حنظلہ)۔۔۔۔

جبھی نیہان نے بمشکل اپنا کپکپاتا ہاتھ حنظلہ کے بازو پر رکھ کر اس دبی آواز میں ٹھہراؤ سے پکارا۔

۔

یونہی نیہان کی نم آواز نے آہستگی سے حنظلہ کے کانوں کو چوما۔۔۔تو ساتھ ہی حنظلہ کو اسکے لمس کا احساس محسوس ہوا۔۔۔۔

جبھی تیزی سے حرکت کرتا حنظلہ کا ہاتھ ایکدم رکا۔۔۔تو۔۔۔ذہین نے ایکا ایکی تیزی سے سنبھل کر اسے جارحانہ انداز میں دھکا دیا۔

حنظلہ لڑکھڑا کر نیہان سے ٹکرایا۔

مقابل کھڑا ذہین جو شرٹ کی آستین اوپر چڑھا رہا تھا اسے قہر بھری نظروں سے گھورتے ہوئے وہ آگے بڑھا تو۔۔نیہان کی درد بھری چیخیں سن کر دیوانہ وار اسکی سمت لپکا۔

تبھی ذہین کو دو تین مردوں نے اپنی گرفت میں مضبوطی سے جکڑتے ہوئے حنظلہ سے دور لے جانے لگے۔

نیہان کا دایاں پاؤں بری طرح مڑ گیا تھا۔۔درد کی شدت سے اسکی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

ہاتھ حنظلہ کے ہاتھ میں تھا۔۔۔

ہونٹ نیلے اور رنگت پھیکی پڑھ رہی تھی۔

ذہین سخت قید میں لگاتار پھڑ پھڑاتے ہوئے ناملائم الفاظ بکتے ہوئے حنظلہ کو للکار رہا۔۔۔

حنظلہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ نیہان کو چھوڑ کر اسکی زبان کاٹ دیتا۔

وہ یونہی پیچھے کو مڑا تو نیہان نے اسکا ہاتھ دباتے ہوئے آنکھیں کے اشارے سے اسے باز رہنے کی التجاء کی۔

جبھی حنظلہ نے اسے رامین کے سہارے چھوڑ کر گاڑی کی جانب قدم اٹھائے۔

وہ منہ کھولے کھڑی بس دیکھتی ہی رہ گئی۔

Are You Okay____Nihaan....??

رامین نے فکرمندانہ لہجے میں پوچھا تو نیہان نے ملامت بھری نظروں سے حنظلہ کی پست کو گھورتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

مجھے گاڑی تک چھوڑ دو۔

نیہان کی مدھم آواز میں رامین سے کہا۔

وہ مڑے پاؤں سے لنگڑاتے ہوئے رامین کے سہارے بمشکل گاڑی تک پہنچی۔۔۔

حنظلہ گاڑی میں بیٹھا نیہان کو نظرانداز کرتا۔۔۔سامنے گھور رہا تھا اسکی نظروں میں عجیب سے چبھن تھی۔

اسکی اجنبیت۔۔۔۔نجانے۔۔نیہان سے کیوں برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

نیہان کو گاڑی میں بیٹھا کر یونہی رامین نے دروازہ بند کیا۔۔۔تو۔۔۔۔لمحوں میں کار اسکی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گئی۔

گاڑی فی گھنٹہ ساٹھ میل پر جا رہی تھی۔

سیٹ بیلٹ نہ لگانے کی وجہ سے نیہان اپنی سیٹ پر اچھل رہی تھی۔

سپیڈ کم کرو گاڑی کی۔

نیہان نے اپنا غصّہ ضبط کر کے کہا۔

جبھی لمحہ بہ لمحہ کار کی رفتار میں نیہان کو اور تیزی محسوس ہونے لگی۔
حنظلہ نے گاڑی کی رفتار اب ستر میل کر دی تھی۔
اطراف میں مناظر ایک ہیبت ناک وار فتگی میں اُڑے جا رہے تھے۔۔۔ سڑک کے کنکر اُڑ اُڑ کر کار کے شیشوں پر لگ رہے تھے۔۔۔۔ ساتھ ہی گاڑی سے باہر شیشوں سے گر دو غبار کے بگولے اڑتے ہوئے دیکھائی دے رہے تھے۔
گاڑی روکو______

اب کی بار نیہان نے انتہائی غصیلے انداز میں کہا۔۔تو۔۔حنظلہ نے سامنے سے نظر ہٹا کر اسکی سمت دیکھا۔

اسکی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ نیہان یکسر سہم گئی۔

گگ۔۔۔گ۔۔۔گا۔۔۔

۔

گاڑی۔۔۔۔۔کک۔۔۔کی۔۔۔رف۔۔۔۔تار۔۔۔۔کک۔۔۔ک۔۔کم۔۔۔۔

۔

ای۔۔۔۔۔کسی۔۔۔۔۔ڈینٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔

ایکسیڈینٹ۔۔۔۔۔۔۔۔

۔

۔

نیہان کی آواز میں نمی گھل آئی وہ لفظوں کی ادائیگی نہیں کر پا رہی تھی کیونکہ گاڑی کی رفتار مزید تیز ہوتی جارہی تھی۔

حنظلہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔۔۔اور اسکی ایسی حالت نیہان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

۔

۔

کار ضبط و احتیاط کو نظر انداز کر کے ایک بے عنان جنون میں اُڑی جارہی تھی۔

جبھی نیہان کا خون جسم میں جم گیا اور اسکے ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے۔

ذہین کے کھردرے الفاظ لگاتار حنظلہ کے کانوں میں گونج رہے تھے تبھی تو وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔

مگر فلحال نیہان کو وہ ایک خوفناک جنونی قسم کا شخص لگ رہا تھا۔

پیچھے گرد کا طوفان سامنے کنکریوں کی بارش۔۔۔کار کے شیشے ٹوٹنے کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔

نیہان کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

وہ کسی معصوم بچے کیطرف سہمی ہوئی اپنی سیٹ کو کس کے پکڑے بیٹھی اللہ سے دعا مانگ رہی تھی کہ جلد از جلد گھر آجائے یا کوئی حادثہ پیش آجائے، اور یہ خوفناک سلسلہ اختتام پر پہنچے۔

نیہان کے پاؤں کا درد بھی اپنی شدت اختیار کر رہا تھا۔

تبھی اسکی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔

"میں نے بابا سے کہا بھی تھا کہ تمہیں غصے میں کچھ نظر نہیں آتا"

"مجھے تمہارے سوا کچھ نظر نہیں آتا"

نیہان نے سسکتے ہوئے کہا تو وہ اتنے زور سے پھنکارا کہا کہ اسکا روم روم لرز گیا۔

تبھی خود کے ساتھ مجھے بھی فنا کی طرف لے کر جا رہے ہو۔۔۔؟؟

نیہان نے سنبھل کر ہچکچاتے ہوئے کہا۔۔۔تو گاڑی کی

تیز رفتاری میں کچھ کمی در آئی۔

بچپن کی دوستی میں جب میں تمہارے خاطر نہیں بولا تھا تو تم نے مجھے خود سے اتنا دور کر لیا تھا۔۔۔۔

اتنی نفرت اپنے دل میں میرے لیے پال لی تھی۔۔۔

کہ مجھے تم سے اتنا عرصہ جدائی برداشت کرنی پڑی تھی۔

اور آج جب جوانی کی محبت میں تمھارے خاطر لڑنا چاہتا تھا تو تم نے مجھے اس قابل ہی سمجھا کے میں تمھارے لیے لڑ سکتا تھا۔۔۔ تمھارے خاطر بول سکتا تھا۔۔۔؟؟؟

کیا تمھیں مجھ پر ذرا اعتبار نہیں تھا۔۔۔؟؟؟

میری دوستی پر۔۔۔۔۔۔میری محبت۔۔۔۔۔۔

حنظلہ ہوش وحواس سے بیگانہ تیزی میں بولتا ہی جا رہا تھا کہ کچھ سوچتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔۔۔ اسکا لہجہ شکوؤں بھرپور اور جلا کٹا تھا۔

غصے میں اسکے اندر کا نازک دل انسان اور اصل بے اختیار باہر کو چھلک رہا تھا۔

وہ قطعیت سے اپنی دوستی کا اظہار اور محبت کا اعتراف کر رہا تھا۔

غصّہ بہت کرتے ہو۔۔۔۔۔

محبت ہو گئی ہے کیا؟

جو بھی تھا۔۔۔ اسکی باتیں نیہان کے دل پر گہرا اثر تو چھوڑ رہی تھی مگر۔۔۔۔ اسکا دماغ۔۔۔ اسے۔۔۔۔ سامنے نظر آنے والی اسکی موت کیطرف بار بار متوجہ کرتا ہوا حنظلہ کی باتوں کو ذہن میں جگہ دینے سے انکاری تھا۔

کیونکہ کار ایک بار پھر سے بے عنان جنون میں اڑنے لگی تھی۔

حنظلہ۔۔۔۔؟؟ پلیز۔۔۔۔۔ گا۔۔۔۔

ایک سہمی نگاہ حنظلہ پر ڈال کر ڈرتے ڈرتے نیہان نے اسے پکارا اور آگے ہی لمحے شدتِ خوف کے مارے اس کے حلق سے نکلتی آواز بند ہو گئی۔

حنظلہ لمحہ بہ لمحہ گاڑی کی رفتار تیز کرنے لگ گیا تھا۔

اور تیز۔۔۔۔۔۔۔اور تیز۔۔۔۔رفتار پیما آلے کی سوئی اوپر کو چڑھتی جا رہی تھی۔۔۔!!

ستر سے اوپر۔۔۔اسی____

اسی سے اوپر۔۔نوے____

نوے سے اوپر سو____

نیہان دہشت زدہ ہو کر چیخ رہی تھی۔

میں نے کہا گاڑی رکو____

اس دفعہ نیہان بدحواس ہو کر چیخی۔

مگر حنظلہ پر جیسے کسی بھی چیز کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔۔۔نیہان کا درد۔۔۔اسکے آنسو۔۔۔چیخنا چلانا سب بے فضول تھا۔

وہ اس قدر جذباتی تو نہیں تھا۔۔۔مگر ذہین کے الفاظ اسکے دل و دماغ پر اتنی بری طرح سے حاوی ہوئے تھے کہ وہ اپنا آپا کھو بیٹھا تھا۔

حنظلہ خدا کیلئے گاڑی روک دو۔۔۔۔

دیکھو۔۔۔۔۔۔

میرے ساتھ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔۔۔۔

چیخ چیخ کر نیہان کا حلق خشک ہو گیا تھا۔۔۔

آواز بیٹھ گئی تھی۔۔ پیر کا درد اب حد کو چھو رہا تھا۔

یونہی گاڑی کی سپیڈ ایک سو بیس ہوئی نیہان نے دیوانہ وار چیخیں مارتے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

یکدم گاڑی نے بریک ماری تو وہ جھولا کھا کر سنبھلی۔

ہاتھوں سے چہرہ نکال کر دیکھا تو گاڑی نے گھر کے گیراج میں آ کر چین کا سانس لیا تھا۔۔۔ جبکہ نیہان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے تھا۔۔ کنکھیوں سے پہلو میں بیٹھے حنظلہ کو دیکھا جسکے چہرے پر ہنوز ملال اور جلال کے تاثرات واضح تھے۔۔

اگلے ہی لمحے نیہان نے آنکھیں بند کیں اور ایک گہری سانس بھری۔۔۔

آنکھیں کھولیں تو حنظلہ کو غصّہ سر پر چڑھائے گاڑی سے اترتا ہوا دیکھا۔

نیہان کے خوف میں لپٹے چہرے پر حیرت امڈ آئی۔

تیز تیز قدم اٹھاتا وہ گھر کے اندونی حصے کی جانب بڑھ رہا تھا۔۔۔۔ نیہان گاڑی میں بیٹھے بے یقینی کی کیفیت میں اس کی پشت کو گھورتی ہوئی سوچ رہی تھی کہ ایسی حالت میں وہ اسے تنہا چھوڑ کر بھی جا سکتا ہے۔۔۔؟؟؟

سوچوں کا محور توڑتے ہوئے نیہان نے اپنا ہاتھ گاڑی کے ہارن پر دے مارا۔۔۔ جس کی آواز سے حنظلہ رو کا تو۔۔ مگر پلٹا نہیں۔

بابا مجھے یہاں تمھارے ذمے چھوڑ کر گئے ہیں___

نیہان نے یکدم چار ماہ کی ہو کر بلا کی معصومیت سے کہتے ہوئے حنظلہ کو یہ احساس دلانا چاہا کہ اسے۔۔۔ اسکے سہارے کی کتنی ضرورت ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ تم اتنی قابل ہو گئی ہو۔۔۔ کہ۔۔۔ اپنی ذمے داری خود اٹھا سکتی ہو___

حنظلہ نے تعریف کے پردے میں طنز کرتے ہوئے کہا۔۔۔ تو نیہان نے ایک بار پھر سے ہارن پر اپنا ہاتھ زور دے مارا۔

مسلسل بجنے والے ہارن کے نہ قابلِ برداشت شور کو سنتی ہوئی روبینہ اور ہاجرہ بی تیزی سے باہر آئیں۔۔۔ ایک نظر دونوں کے چہرے کی سنجیدگی دیکھی۔

انکے مزاج کافی بدلے ہوئے لگ رہے تھے۔

جبکہ حنظلہ کی خودسری دیکھ کر نیہان کو اپنا ہارن بجانا انتہائی بیکار لگ رہا تھا۔۔۔ جبھی وہ ہارن سے ہاتھ ہٹا چکی تھی اور خود کے سہارے گاڑی سے نیچے اترنے کی کوشش میں گرتے گرتے سنبھلی تھی۔۔۔ اسکا چہرہ شرمندگی کے جذبات کے باعث بری طرح لٹکا ہوا تھا۔

جبکہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔

"اسے کسی سہارے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ وہ خود ہی کافی ہے خود کے لئے_____"

روبینہ اور ہاجرہ بی فکرمندی کے عالم میں نیہان کی سمت بڑھیں تو حنظلہ شکستگی سے کہہ کر لاوے کی مماثلت لیے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

ہاجرہ بی اور روبینہ نے تیزی سے نیہان کی سمت بڑھیں اور پاس پہنچتے ہی اسے سہارا دیا۔

نیہان تم ٹھیک ہو۔۔۔؟؟ رو کیوں رہی ہو۔۔۔؟؟

اور یہ پاؤں پر کیا ہوا بچے۔۔۔؟؟

روبینہ اور ہاجرہ بی نے ایک ساتھ سوالوں کی بوچھاڑ ہی کر دی تھی۔۔۔؟؟؟

مگر نیہان بلکل خاموش کھڑی سسک رہی تھی۔

کیا ہوا بیٹا۔۔؟؟میرا دل بیٹھا جارہا ہے___کچھ بتاؤ میری جان۔۔۔؟؟

روبینہ نے اسکا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ نرمی سے صاف کرتے ہوئے فکرمندانہ لہجے میں استفسار کیا تو نیہان روبینہ سے لگ کر رونے لگی۔

سنا ہے وہ غصے میں ہر چیز توڑ دیتے ہیں
میرا دل اس کے پاس ہے خدا خیر کرے

روبینہ اور ہاجرہ بی کے بار بار اصرار کرنے پر ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان سارا واقعہ انکے کانوں سے نکالتے وہ لحاف تان کے لیٹ گئی۔۔۔جسکا مطلب تھا وہ کچھ دیر لئے تنہائی چاہتی ہے۔

مکمل بات سن کر روبینہ کا غصّہ آسمان کی بلندیوں چھونے لگا جبکہ ہاجرہ بی پر تو جیسے سکتا ہی طاری ہو گیا تھا۔۔۔انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ حنظلہ محض ایک چھوٹی سی بات پے اپنی یا نیہان کی موت کی پرواہ کیے بغیر قانون کی خلاف ورزی کرتا جنونیت میں گاڑی اُڑ کر گھر میں آتے ہی اپنے کمرے میں خود کو گھنٹوں بند بھی کر سکتا ہے۔

وہ کمرے میں اندھیرا کیے سنگل صوفے پر آنکھیں موندے کسی سوچ میں گم بیٹھا تھا۔۔۔

دروازے پر دستک کی آواز نے اسکی سوچوں میں ایک بڑا خلل پیدا کیا۔۔۔۔

مجھے اکیلا چھوڑ دے پلیز۔۔۔۔

حنظلہ آنکھیں موندے قدرے ناگواری سے بولا۔

روبینہ اسکی آواز میں بیزاری محسوس کرتے اندر کی جانب بڑھی۔۔۔کمرے میں نیم اندھیرا پا کر سب سے پہلے اس نے کمرے کو روشنیوں سے اجاگر کیا تو یکدم اسکا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

کمرے کی حالت بہت ابتر بنی ہوئی تھی ڈریسنگ ٹیبل کی ساری کی ساری چیزیں نیچے گری پڑی تھیں۔۔۔ڈریسنگ مرر کتنی ہی کرچیوں میں بٹا ہوا تھا بیڈ شیٹ آدھی فرش پر اور آدھی بیڈ پر لٹکی ہوئی تھی۔

سائڈ ٹیبل پر پڑا لیمپ صوفے کے نزدیک اسکے قدموں میں ٹوٹا ہوا کبھی بجھ رہا تھا کبھی جل رہا تھا۔۔۔شاید اسکی وئیر سوئچ سے جدا نہیں ہو پائی تھی۔

روبینہ نے تاسف سے کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھا پھر حنظلہ کے چہرے پر نظریں مرکوز کر لیں۔

یونہی اسے روبینہ کی موجودگی کا احساس ہوا وہ خفت زدہ سا ہو کر فوری اٹھا اور واش روم کی سمت بڑھا۔

روکو۔۔۔۔۔۔

روبینہ نے وہیں ٹھہرے رعب دار آواز میں حکمیہ کہا۔۔۔ تو وہ چہرے پر سخت عاجزی سجائے رکا مگر پلٹا نہیں۔۔!!

یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی۔۔۔ اپنے کمرے کی۔۔۔؟؟؟

اور اگر آج تمھاری اس حرکت سے کوئی بڑا نقصان ہو جاتا۔۔۔ تو میں کیا جواب دیتی تمھارے باپ کو۔۔۔۔؟؟؟
(وہ سوال کرتے ہوئے اسکی سمت بڑھ رہی تھی)

بلکہ۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔ جواب۔۔۔۔۔ دیتے۔۔۔۔۔۔ زوریز بھائی کو۔۔۔؟؟؟
تمھارے بھروسے تو وہ سب چھوڑ گئے ہیں۔۔۔ گھر کاروبار۔۔۔۔۔۔ نیہان کی ذمے داری۔۔۔

روبینہ دانت بھینچے سرد لہجے سے سوال پے سوال کر رہی تھی مگر حنظلہ کو جیسے کچھ سنائی ہی دے رہا تھا جبھی تو وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

تمھیں سنائی دے رہا ہے میں کیا کہہ رہی ہوں۔۔۔؟؟
میں۔۔۔ تم سے۔۔۔ بات کر رہی ہوں۔۔۔۔۔ حنظلہ۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟
روبینہ اسکی پست پر نظریں گاڑے ہنوز سوالوں کی بوچھاڑ کرتی ہوئی آخر پر ایک جھٹکے میں حنظلہ کے ساکت وجود کا رخ اپنی سمت مڑ کر قدرے غصے سے اسے گھورنے لگی۔

روبینہ باجی جتنے غصے سے گئی ہے۔۔۔۔،
حنظلہ بابا کی خیر نہیں لگتی۔
ہاجرہ بی نے پریشانی کے عالم میں منمناتے ہوئے کہا۔
میں تو کہتی ہوں روبی آنٹی کو اُس اکڑو خان کی اچھے سے کلاس لینی چاہیئے تاکہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔ یہ بات۔۔۔ اچھے سے ذہن نشین کر لے کہ بابا مجھے یہاں اُس ظالم کے ظلم برداشت کرنے کیلئے نہیں چھوڑ کر گئے۔
میں تو سمجھتی تھی تم نہایت تحمل مزاج سلجھے ہوئے سمجھدار بچے ہو میرے۔۔۔۔
حنظلہ کے مرجائے چہرے اور تھکی ہوئی آنکھیں دیکھ کر روبینہ کے لہجے میں نرمی در آئی مگر دوسرے ہی پل اسکی چپی اور عجیب سا رویے دیکھ۔۔ اسے سخت کوفت ہونے لگی۔

تمھارا مسئلہ کیا ہے۔۔۔؟؟

کیوں میرے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے تم۔۔۔؟؟

پہلے تو ایسا کبھی نہیں کیا تم نے۔۔۔؟؟

مجھے کم عقل نا اہل سمجھتا ہے خود کی عقل پر شاید پتھر پڑ گے تھے۔۔۔جو۔۔۔ذرا سی بات پر گاڑی کو جہاز بنا کر سیدھا گھر میں لینڈ کیا اُس نے۔

نیہان کیلئے ذرا سی بات حنظلہ کے دل پر پہاڑ سی جبر لگی تھی۔

بس خاموش ہو جاؤ جو منہ میں آتا ہے بولتی جا رہی ہو۔

جسے تم ذرا سی بات کہہ رہی ہو اتنی چھوٹی نہیں ہو کہ اسکا مطلب نہیں جانتی ہو گی۔

حنظلہ بابا کا غصّہ بالکل درست ہے۔

کچھ غلط نہیں کیا جو بھی کیا انہوں نے بالکل صحیح کیا۔

انکی جگہ کوئی اور غیرت مند مرد بھی ہوتا تو ایسا ہی کرتا جیسا کہ انہوں نے کیا۔

بلکہ شاہ جی ہوتے تو اس لفنگے بدمعاش لڑکے کے حلق سے زبان کھینچ کر کاٹ ہی دیتے۔

وہ قدرے ناگواری و بیزاری کے ملے جلے تاثرات لئے تیزی سے بولتی جا رہی تھی جبھی ہاجرہ بی نے غصے سے جھنجھلا کر نیہان کو خاموش کروایا۔

آخر تمھیں ہو کیا گیا۔۔۔۔؟؟

بتاؤ گے۔۔۔۔؟؟

"محبت، محبت ______ ہو گئی ہے مجھے ______"

روبینہ نے قدرے غصے سے سوالیہ انداز میں سرد مہری سے پوچھا تو حنظلہ نے چیخ کر اُسکے ساعتوں پر بمب گراتے تمام سوالات کا فقط مختصر سا جواب دے کر روبینہ پر نا صرف سکتا طاری کیا بلکہ اسکی زبان پر تالے بھی ڈال دیے۔

محبت۔۔۔۔۔۔۔۔۔

افسوس کہ جس سے ہوئی ہے۔۔۔وہی لا علم ہے میری محبت سے۔۔

بلکہ میری ذات سے وابستہ کسی چیز کا علم ہی نہیں اسے۔۔۔

میرا غصّہ، میرا پیار۔۔۔، میری الفت، میری اسکے لیے فکر۔۔۔، میرے دل میں اس چاہت۔۔۔اسکی پرواہ۔۔

کچھ نظر نہیں آتا اسے۔۔

اسے کیوں دیکھائی نہیں دیتا میرا اسکے لیے تڑپنا، سسکنا، سلگنا۔۔۔، پاگلوں کیطرح اسے چاہنا۔۔

کچھ نظر کیوں نہیں آتا اُسے۔۔؟؟؟

وہ اپنی ہی چیز کیلئے کسی ننھے بچے کیطرح اپنی ماں کے سامنے بلک رہا تھا۔۔جو روبینہ سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

مجھے لگا تھا جسطرح بچپن میں مشکل پڑنے پر لاکھوں کی تعداد میں۔۔۔۔میں ایک ہوتا تھا جسے وہ پکارا کرتی تھی۔۔۔۔

اسطرح اب بھی مشکل پڑنے وہ صرف مجھے ہی پکارے گی۔۔۔

لیکن میں غلط تھا کیونکہ ایسا مجھے لگا تھا۔۔۔۔

آپ جانتی ہر رشتے میں اعتبار کتنا ضروری ہوتا ہے۔۔۔۔۔

نجانے کس حیثیت سے کس رشتے کی بناء پر مجھے اِس بات پر اعتبار تھا۔۔۔

کہ میرا کہا وہ مان گی۔۔۔لیکن ہر بار کیطرح اسنے مجھے اِس بار بھی غلط ثابت کر دیا۔

شاید اب اسے مجھ پے ذرا برابر اعتبار نہیں رہا۔

حنظلہ شکوؤں سے بھرپور زخمی لہجے میں بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔

وہ اعتبار کرتی بھی تو کیسے۔۔۔۔؟؟؟

تم نے کون سا کبھی اپنے اعتماد۔۔۔اپنے پیار۔۔۔اپنے ساتھ ہونے کا احساس یا کسی بھی رشتے کا یقین دلایا اسے۔۔۔۔؟؟؟

ایک لڑکی کیلئے جتنی محبت ضروری ہوتی ہے۔۔

اتنا ہی ضروری اسکے اس محبت کا اظہار ہوتا ہے

,,اظہار کے بغیر ہر رشتہ ادھورا ہے۔۔۔چاہے دوستی کا ہو چاہے یا محبت کا ہو____ ادھورا ہوتا ہے۔

بغیر اظہار کے رشتوں کی خاصیت،انکی مٹھاس ختم ہو جاتی ہے،،

اظہار کا مطلب کیا ہے۔۔۔۔؟؟ظاہر کرنا ناں۔۔۔۔۔؟؟

تو چاہت کی روح سے بر وقت اپنی محبت کی گواہی دو اسے۔

محبت کرتے ہو تو اظہارِ محبت بھی کرو۔

محبت کا اظہار ہی تو چاہئے جانے والے کے دل میں چاہنے والے کی بے لوث چاہت کا احساس جاگتی ہے۔

جبھی تو سامنے والے کے دل میں چاہنے والے کے محبت کا خاموش جذبہ ٹھاٹھیں مارتا ہے۔

روبینہ نے ظریفانہ سنجیدگی سے کہا۔

وہ بات کے درمیان پہلی بار مسکرایا تھا تو وہ خاموش ہو گئی۔

اظہار۔۔۔۔۔۔؟؟

اسنے طنزیہ مسکراتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

اظہارِ محبت۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔؟؟

اب کی باروہ ٹھہراؤ سے بولا ساتھ ہی اسکی طنزیہ مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔
روبینہ کی کسی بات کا اثر لیے بغیر حنظلہ کی سوئی اظہار پر اٹک گی تھی۔
وہ حیرانگی وپریشانی چہرے پر سجائے حنظلہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جبھی روبرو کھڑے نوجوان پر افسردگی طاری ہوگئی۔

اظہار ہی تو کرنا تھا۔۔۔۔۔۔

اپنی دوستی کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔،

محبت کا اعتراف ہی تو کرنا تھا۔

آپکو، کسی دوست کو کچھ نہیں بتایا۔۔۔۔۔
کیونکہ میں اپنی دوستی۔۔۔۔۔۔چاہت۔۔۔۔۔محبت کا حُسنِ اظہار سب سے پہلے صرف اسکے سامنے کرنا چاہتا تھا۔
اپنے خیالات واحساسات۔۔۔۔۔۔، تمام جذبات کو بڑی خوبصورتی سے ایک ڈھنگ کے ساتھ صرف اور صرف اسکے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔
جسکے کان کئی نہ کئی میری زبان سے اقرار سننے کیلئے بے قرار ہیں۔
مگر ہر بار کیطرح سب برباد کر دیا نہ اسنے۔
وہ دوسری سمت دیکھ کر بات کر رہا تھا۔
شاید وہ اپنی آنکھوں میں چمکتی نمی کو چھپا رہا تھا۔
شاید ہر بار کیطرح اس بار میرا یہ اندازہ بھی غلط ہو کہ وہ بھی کئی نہ کئی مجھ سے۔۔۔۔۔۔

۔

۔

۔

میں کیسے بھول سکتا تھا کہ وہ صرف انکل کی خوشی کے آگے مجبور ہے۔
حنظلہ نے اپنی بات ادھوری چھوڑی اور رخ واش روم کی سمت موڑ کر آنکھوں سے نمی صاف کرتے دوبارہ بات مکمل کی۔
پھر سانس خارج کر بڑی پھرتی سے اُسنے واش روم میں گھس کر زور سے دروازہ بند کر لیا۔
جبکہ روبینہ اپنی جگہ ساکت کھڑی دل میں حنظلہ کے ہمدردی اور آنکھوں میں کئی سارے ادھورے سوال لیے دروازے کو دیکھتی رہی۔
پھر ایک نظر کمرے میں دوڑائی جس کا نقشہ حنظلہ نے پوری طرح سے تبدیل کر ڈالا تھا۔

اشکوں کی زباں ہوگئی خاموش یہ کہہ کر
اب کوئی کرے عشق کا اظہار کہاں تک

نجانے کتنا ہی وقت گزر چکا تھا وہ ابھی بھی گھٹنوں کے بل سر دزمین پر مجسمہ بناہوا تھا۔

کمرے کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اسکی موجودگی میں جیسے کوئی آیا گیا نا ہو۔ جبکہ یہ تیسری دفعہ تھا کہ کوئی اسے دیکھنے آیا تھا۔

اس کے پیچھے کانچ کی نازک میز پر شراب کی خالی بوتل لیٹی ہوئی تھی ساتھ ہی گلاس میں چند بوندیں جام کی جو اسی نے نوش کر کے بقیہ چھوڑی تھیں۔

آتش دان کی آگ ٹھنڈ پڑ چکی تھی مگر اسکا وجود حرارت یا خنکی کا اثر لیے بغیر ذرا برابر حرکت کرنے سے بھی انکاری تھا۔

رات تھی، دن تھا، کیا وقت ہوا ہے وہ نہیں جانتا تھا۔

جبکہ گہری رات کی سیاہی کھڑکی سے اندر آنے کو بے تاب تھی مگر حیدر علی نے کمرے کی جو ایک آدھ بتی زبردستی روشن کی تھی وہ سختی سے اس سیاہی کا داخلہ ممنوع کیے کمرے کے چاروں اطراف پھیلی ہوئی تھی۔

کیا تھا جو زوریز شاہ اپنے غائب دماغ میں سوچ رہا تھا۔

اب نا کوئی عکس تھا نہ ہی کوئی آواز۔۔۔۔

صرف یادوں کا جال تھا۔۔۔ جس میں وہ اتنی بری طرح پھنس چکا تھا کہ بار بار پھڑ پھڑانے پر اسکے دل و دماغ پر ایک ایسی ضرب لگتی۔۔۔۔

جس سے وہ ماضی کی دلدل میں مزید دھنستا چلا جاتا۔

اسے آج بھی یاد تھا کہ کیسے عالیہ اسے حاصل کرنے کیلئے زمانے بھر سے بغاوت پر اتری تھی۔

حالانکہ وہ جانتی تھی کہ عشق کی راہ پر چلنے والے مسافروں کو دنیا اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتی ہے۔

جبکہ ایک طرف ارمینہ تھی۔۔۔۔ محبت کی چھری کی اُلٹی دھار سے جس کا دل پارہ پارہ ہو جاتا تھا۔

اسکا خیال تھا اسکی بیچارگی اسکا صبر اور ہر آزمائش پر آمین کہنا تھا جو اسے ہر بار یاد آتا۔

جوں جوں اسے اپنا ماضی یاد آتا اسکی آنکھیں روانگی سے بہتے اسکے آنسوؤں پر باندھ کھڑی کرنا بھول جاتی تھیں۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

حنظلہ، نیہان کی ناراضگی کو آج تیسرا دن گزرنے کو تھا۔

ان دنوں، تین دنوں میں نیہان کے پیر کی موچ ابھی بھی پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہو سکی تھی۔۔۔ہوتی بھی کیسے کوئی علاج یہ کسی بھی طرح کی دوا وغیرہ تو وہ لے

نہیں رہی تھی۔

درد کی شدت کم، زیادہ ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی سے اسکا آف ہی رہتا تھا۔یونہی سارا دن وہ کمرے میں بند رہتی۔

جبکہ دوسری طرف حنظلہ نے خود کو کام میں اس قدر مصروف کر لیا تھا کہ وہ صبح کا نکلا ہوا شام کو گھر آتا اور آکر وقت پر سو جاتا۔اسے اس بات سے کوئی سروکار

نہیں تھا کہ نیہان کہاں ہے، کیسی ہے، کس حال میں ہے۔

وہ اپنے خود ساختہ خول میں بند ہو چکا تھا۔

بظاہر سبھی کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ نیہان کو بھول گیا ہے۔مگر کوئی اسکے دل سے تو پوچھتا کہ وہ کیسے اس دشمنِ جاں کو بھول سکتا ہے جسے سوچے بنا وہ سانس

تک نہیں لے سکتا تھا۔

گھنٹوں تو وہ خیالوں میں کھویا رہتا تھا۔

کیسے وہ یہ لمحے کاٹ رہا تھا صرف وہی جانتا تھا۔

وہ حسین اور شفاف یادیں، مستی بھری خوشی کا وہ وقت، شام کی چہل قدمیاں، نیہان کی کومل آواز اسکے شوخ قہقہے۔۔۔۔۔

یونہی وہ اپنی حالت سے بے خبر نیہان کے خیالوں میں محو رہتا اور گھر آکر وہ اتنا کٹھور بن جاتا جیسے نیہان اسکے لئے کوئی نامانوس، انجان ہو۔

جبکہ نیہان کے لیے حنظلہ کا نیا روپ اور رویہ ناقابلِ برداشت تھا۔۔۔۔۔انتہائی دردناک تھا۔

ہاجرہ بی کی بات سے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا لیکن غلطی اتنی بڑی نہیں تھی کہ وہ اتنی بڑی سزا کی مستحق ہوتی۔

آنکھیں بند کئے تکیے سے ٹیک لگائے وہ بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔

جبھی فون کی گھنٹی نے اسکی سوچوں میں خلل پیدا کیا۔

اسنے آنکھیں کھول کر موبائل کی سکرین پر جگمگاتا ہوا نام دیکھا۔

رامین کا فون آیا رہا تھا اسکا ذرا دل نہیں چاہ رہا تھا کسی سے بھی بات کرنے کا۔

فون بجتے بجتے جب تھکا تو بند ہو گیا۔

فون کی دوسری جانب سے رامین نے ایک آخری بار کوشش کرتے نیہان کا نمبر ڈائل کیا۔

ٹن۔۔۔۔ٹن۔۔۔۔ ٹننننن کی آواز سماعتوں سے ٹکراتے ہی نیہان نے عاجزانہ نگاہ فون کی سکرین پر چمکتے نام پر ڈالی اور قدرے بیزاری سے رامین کی

کال ریسیو کرتے فون کان سے لگایا۔

شکر ہے یار تم نے میری کال پک کی۔۔۔۔

تھک گئی تھی میں تمہیں کالز پے کالز کر کر کے۔۔۔۔

مجال ہے۔۔۔۔کہ تم مجھ سے دو منٹ کیلئے بات ہی کر لو۔۔۔۔

مجھے اپنی خیرت بتا کر میری پریشانی ذرا کم۔۔۔

ٹھیک ہوں میں۔

نیہان کے کال پک کرتے ہی رامین اسے پے ٹوٹ ہی پڑی تھی وہ سانس لئے بغیر آزدرگی سے جملے پر جملے کہے جا رہی تھی جبھی نیہان نے ایک مختصر سا جملہ کہتے ہوئے اسے تسلی دے کر خاموش کروایا۔

اور تمھارا پیر۔۔۔۔

کچھ دیر کے وقفے کے بعد رامین کی فون سے ابھرتی آواز پر نیہان نے نرم کشن پر رکھے اپنے مرمریں پیر کو دیکھا۔

نیہان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر رامین کا چہرہ اتر گیا۔

کچھ لمحے دو اطراف خاموشی چھائی رہی۔

حنظلہ بھائی کا غائبانہ تعارف سنا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کہ وہ کتنے سخت، اکڑو اور کھڑوس ہیں۔۔۔۔۔

اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا۔۔۔کیسے زنزلہ کیطرح آئے اور۔۔۔ت۔۔م۔۔۔۔

کال ڈسکنکنٹ کی ٹونٹ۔۔۔ٹونٹ بجتی بیل سے رامین کے بقیہ الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

اور چہرے پر حیرت اُمڈ آئی۔

اس نے کان سے فون ہٹا کر دیکھا تو کال اینڈ ڈ لکھا تھا۔

ایسا کیا ہوا تھا کہ نیہان نے رامین کے منہ پر اسکی کال کاٹ دی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔

مگر رامین کی باتیں نیہان کے دل پر بری طرح چبھ رہی تھیں۔

دوسری طرح تذلیل کے احساسات سے رامین نے بھی دوبارہ کال کرنے کی زحمت نہیں کی۔

چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیہان چہرہ اوپر کو اٹھے کمرے کی خوبصورت سیلنگ کو تکنے لگی۔

میری دوستی۔۔۔۔میری محب۔۔۔۔

حنظلہ کی آواز نے دل کے کسی کونے میں سرگوشی کی۔

کیسے تم میرے ایک بار کہنے پر مجھ سے اتنا عرصہ دور رہ سکتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟

کیسے تم میرے درد کی پرواہ کیے بنا مجھ سے اتنے دن خفارہ سکتے ہو۔۔۔؟؟

میں مانتی ہوں میں نے تمہاری بات نہیں مانی۔۔۔۔

کیاتم مجھ سے۔۔۔۔۔

وہ سوچوں میں حنظلہ سے مخاطب تھی۔

اپنا تیسرا سوال ادھورا چھوڑ کر ہاتھوں میں چہرہ چھپائے اب وہ کثرت سے رونے لگی تھی۔

رونا کس بات کا ہے وہ خود نہیں جانتی تھی۔

حنظلہ کیطرح وہ بھی یادوں سے ہی دل بہلا رہی تھی۔

حنظلہ کی یاد کے خوشنما رنگ اسکے ذہن کے آسمان کو دھنک کی صورت سجا دیتے۔

شام کا جھٹ پٹا یادوں کو گھٹا کی صورت اسکے پاس لے آتا وہ خیال ہی خیال میں راہداریوں میں حنظلہ کی بھاگم بھاگ دیکھتی۔۔ کبھی دیکھتی کہ وہ اسکے پاس بیٹھا ہنس رہا ہے۔

اسکے کھانے پینے صحت کی پرواہ نہ کرنے پر اس پر غصّہ ہو رہا ہے۔

حنظلہ کی یادیں لمحہ بہ لمحہ نیہان کے ذہن پر حاوی ہوتی اور اسکے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کرتی دیتی۔۔۔ آنکھوں میں آنسو جگنوں کیطرح چمکنے لگتے جبکہ اسکے کان اپنی منسوب بہ جان کی آواز سننے پر بضد ہو جاتے اور اسکی ناراضگی کا خیال آتے اسکی جان ہاتھوں میں لے لیتا۔

مگر مارے ندامت کے وہ اپنا سا منہ بنائے خود کو حنظلہ سے دور رکھنے کی بار بار ناکام کوششیں کرتی رہتی۔

باب نمبر 48

شوخ چنچل شریر ہے بے چین
بوٹی بوٹی پھڑک رہی ہے تری

دو کمروں پر مشتمل فلیٹ جسکے ایک کمرے میں واش روم اور سامنے چھوٹا سا ہال جسکے ایک طرف کونے پر چھوٹا سا اوپن کچن بنا تھا۔
گھر میں موجود خوبرو نوجوان جو اس وقت سادہ سی ٹراؤزر شرٹ پہنے ہوئے تھا۔
چائے کپ میں ڈال رہا تھا جبھی دروازے پر کسی نے دستک دی۔
وہ چائے کا کپ لئے دروازے کی سمت بڑھا۔

ارے زہے نصیب۔۔۔۔میرے غریب خانے میں آپ نے قدم رکھنے کی زحمت کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خیریت۔۔۔۔۔۔؟؟

دوسری گھنٹی پر اسنے دروازہ کھولا پیشِ نظر دستک دینے والے کو دیکھ کر اشعر نے چھک کر ذو معنی لہجے میں سوال کیا مگر تب تک حنظلہ اندر داخل ہوتا ہوا لمحے میں ہال تک پوچھ آیا تھا۔
کہتے ہو۔۔۔۔۔۔۔تو۔۔۔۔واپس۔۔۔۔چلا جاتا ہوں۔۔۔؟؟
حنظلہ نے کوٹ کا نچلا بٹن کھولتے ہوئے مڑ کر اسکی جانب دیکھا اور قدرے ناگواری سے اجازت مانگی۔

بہت کم تشریف لاتے ہو میری طرف۔۔۔۔
تمھارا آنا باعثِ مسرت اور ذرا حیرت انگیز بھی ہے مجھ غریب کیلئے اسلئے عاجزانہ پوچھ رہا تھا یار۔۔۔
اشعر نے ایک مخصوص انداز سے طنزیہ کہا تو وہ سر جھٹک کر صوفے پر ڈھے گیا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا کھانا پینا چھوڑ کر خود کو کمرے میں بند رکھے نجانے کون سا احتجاج کر رہی ہیں ہماری شہزادی صاحبہ۔۔۔

ہاجرہ بی کمرے میں داخل ہوئیں تو نیہان کے چہرے پر اداسی اور مایوسی کے ملے جلے تاثرات دیکھ کر پریشانی کے عالم میں بولی۔
ہاجرہ بی کی آواز پر نیہان انکی سمت دیکھ کر زبردستی ذرا سا مسکرائی مگر کچھ بولی نہیں۔
اسکی خاموشی میں لپٹی اداسی دیکھ کر ہاجرہ بی کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوا۔

"میں نے بابا سے کہا بھی تھا۔۔۔۔،
کہ تمہیں غصے میں کچھ نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔"
"مجھے تمہارے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔۔۔"
وہ مکمل طور پر ہاجرہ بی کو نظر انداز کرتی ہوئی حنظلہ کے خیال کو دل و دماغ میں جگہ دے رہی تھی۔

میں نہیں سمجھ رہا۔۔۔؟؟

حنظلہ نے دانت بھینچے سرد لہجے میں سوال کیا۔

ہاں تم نہیں سمجھ رہے۔۔۔۔نہیں سمجھ رہے۔۔۔

کہ جن سے ہم پیار کرتے ہیں۔۔۔

کبھی کبھار۔۔۔ان سے۔۔۔لڑ، جھگڑ بھی لیتے ہیں۔۔۔۔

کبھی روٹھتے تو کبھی مناتے ہیں۔۔۔۔

مل بیٹھ کر آپسی ناراضگی دور کرو۔۔

خفا ہو۔۔۔مگر اتنا بھی نہیں۔۔۔کہ ایک دن تم دونوں کو ایک دوسرے کی خفگی سے کوئی فرق ہی نہ پڑے۔۔۔اور تم دونوں ہی ایک دوسرے کے بغیر رہنے کے عادی بن جاؤ۔

اشعر نے پر خلوص لہجے میں جیسے اسے سمجھانا چاہا۔

اشعر کے چپ ہوتے ہی اطراف میں خاموشی پھیل گئی۔

میں نے کہا جاؤ یہاں سے۔۔۔

اور آئندہ اپنی شکل کبھی مت دیکھانا مجھے۔۔۔۔

بارہ سالہ معصوم نیہان نے شکستگی سے حنظلہ کے ذہن میں سر گوشی کی۔

حنظلہ کی کانپٹی کی رگیں تن گئیں چہرہ خون مانند سرخ پڑ گیا آنکھوں میں پانی بھر آیا دل اتنی زور زور سے دھڑکنے لگا کہ ذہن میں ہوتی سر گوشی پر اسکی دھڑکنوں کا شور بھاری پڑ گیا۔

مت کرو خود کے ساتھ ایسا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مت کرو خود کو اذیت میں مبتلا۔۔۔

اشعر نے اسکی بدلتی حالت اور انداز کی خرابی دیکھتے انتہائی نرمی خوئی سے کہا تو حنظلہ نے آنکھیں اٹھا کر سنگینی سے اسکی طرف دیکھا۔

بند کرو اپنی محبت کا امتحان لینا۔۔

بس کرو اپنی محبت کو آزمانا۔۔۔۔۔

اشعر نے حنظلہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھی تو اسکے بائیں ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور اب کی بار دوستانہ لہجے میں التجا کی۔

تمہا۔۔۔۔۔۔۔رے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نزدیک؟؟

مو۔۔۔۔۔حب۔۔۔۔بت۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیا ہے؟؟

حنظلہ نے سانس خارج کیا اور ذرا سا مسکرا کر ٹھہراؤ سے سوال کیا۔
قدرے حیرت سے اشعر نے قہقہہ لگایا اور پھر حنظلہ کی سمت دیکھا جو ہنوز منتظر نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”دنیا رک جائے تم اس کیلئے 'کچھ بھی' کرنے کو تیار ہو جاؤ۔۔۔
اور وہ جو کچھ بھی کرے تم اسے معاف کر دو۔۔
اسی وقت معاف کر دو۔۔۔
میرے نزدیک اسی کو محبت کہتے ہے“

اشعر نے مربوط الفاظ کا مجموعہ لیے مرطوب مزاجی سے محبت کی جو تعریف بیاں کی ہر لفظ پر زور دیا تھا اسنے۔

بالکل صحیح کہا یار توں نے۔۔ کہ محبت میں ہم کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔۔ لیکن محبت کے ہاتھوں دل پر ضرب کھاتے۔۔۔۔معاف کرنا نجانے کیوں بھول جاتے ہیں ہم۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے اسکی بات دھیان میں رکھتے ہوئے ترخیم اور کھوئے کھوئے لہجے میں سوال کیا۔

پیار میں اتنے زخم آتے ہیں کہ ہم اسکا مرہم ساری زندگی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔۔۔
اس دوران ایسا ممکن نہیں ہوتا کہ ہم معاف کرنا بھول جائے۔۔۔بلکہ جن سے ہم محبت کرتے ہے انہیں کھونے کا ڈر ہمیں مجبور کرتا کہ ہم اسے اسی وقت معاف کر دے۔۔۔
اشعر نے مسکراتے ہوئے ماہرانہ وضاحت دی۔۔۔تو حنظلہ کی حیرانگی سے آنکھیں ہی پھیل گئیں۔

بیٹا تم مجھے پریشان کر رہی ہو۔۔۔
تھوڑی سی پریشان کن خاموشی کے بعد ہاجرہ بی نے اسکے پاس بیٹھ کر پریشانی کے عالم میں کہا تو نیہان کا طلسم ٹوٹا۔

مت ہوا کریں میرے لیے پریشان۔۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔۔۔ ٹھیک ہوں میں۔۔۔
نیہان نے تسلی بخش لہجے میں ذرا کم آواز سے کہا۔

نہیں ہو تم ٹھیک۔۔۔۔ ان ہاتھوں ہو پلی بڑی ہو کیا میں تمھیں جانتی نہیں۔۔۔۔؟؟
ہاجرہ بی نے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

دیر رات تک جگہ سکتی ہو زیادہ دیر بھوک ہڑتال نہیں کر سکتی تم۔۔ کل رات سے مسلسل جاگ رہی ہو، صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تم نے۔۔۔۔ تو پھر کیسے ممکن ہو سکتا کہ تمہارے سر میں ذرا درد نہیں اور تم بالکل ٹھیک ہو۔
ہاجرہ بی نے اسکے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے ملائمت سے کہا۔
واقعی میں بالکل بھوک نہیں ہے میری پیاری سی بوا جی۔۔۔
البتہ نیند بہت زیادہ آ رہی ہے مجھے۔
نیہان نے ہاجرہ بی کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں قید کرتے دنیا جہاں کی معصومیت چہرے پر سموئے شیریں لہجے میں کہا۔

میں دیکھ سکتی ہوں نیند کا نام تک نہیں تمھاری آنکھوں میں۔۔۔ نہ انگڑائی نہ کوئی جمائی۔۔۔ البتہ۔۔۔
نیہان کے پیٹ سے نکلتی آوازوں نے ہاجرہ بی کو بات مکمل کرنے سے رکا۔
بھوک ہے مگر قسم سے بوا جی مجھے بہت نیند آئی ہے بہت بہت زیادہ۔۔۔۔
چوری پکڑے جانے پر نیہان نے اپنے پیٹ کو بازوں کے حصار میں لیتے ہوئے سرعت سے کہا۔۔ جیسے وہ اپنی بات کا یقین دلانا چاہتی تھی۔
اٹھو۔۔۔ پہلے کھانا کھاؤ پھر جتنی دیر دل چاہیئے سو جانا۔۔۔ شاباش جلدی سے اٹھو اور میرے ساتھ باہر چلو۔
ہاجرہ بی نے اپنی جگہ چھوڑ کر تحکمیت سے اس کہا۔
یونہی کمرے میں خاموشی پھیلی تو دروازہ کھولنے کی آواز سے اُن دونوں کی نظریں ایک ساتھ دوڑتی ہوئی دروازہ پر جا کر رکیں۔

بڑا جانتے ہو تم محبت کے بارے میں۔
حنظلہ نے اچھنبے سے کہا۔
اسی لیے تو تنہا ہوں یار۔۔۔ کہ۔۔۔۔ کبھی
تھوڑی بہت میری بھی شناسائی تھی محبت سے۔۔۔
اشعر نے ہنستے ہوئے سر گرم لہجے میں کہا تو حنظلہ سر گرے زبردستی زرا سا مسکرایا۔

اب ایک سوال میں کروں تم سے۔۔۔۔؟؟

اشعر نے سوالیہ انداز میں شیفتگی کہا۔

ہم بولو۔۔۔

حنظلہ نے اپنی نشست چھوڑتے ہوئے جواباً کہا۔

جن سے ہم محبت کرتے ہیں دنیا کی ہر شے اسی کے گرد گردش کرتی ہوئی کیوں محسوس ہوتی ہے ہمیں۔۔؟

اشعر نے اسکے مقابل کھڑے ہو کر اجازت ملتے یونہی سوال حاضر کیا حنظلہ کی نظروں کے سامنے نیہان کا ہنستا مسکراتا چہرہ گھومنے لگا اور پھر گھومتا چلا گیا۔

کیونکہ آپکی دنیا، کائنات سب کا محور وہ انسان بن جاتا ہے۔

پھر۔۔۔؟؟

حنظلہ اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا ہی تھا کہ اسنے یک حرفی سوال دوبارہ حاضر کیا۔

جواباً حنظلہ کے عنابی لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بس۔۔۔۔پھر کیا۔۔۔پھر سب کچھ اُسی کے گرد گھومتا ہے۔

گھومتا ہے گھومتا ہے سب کچھ اس شخص کے گرد گھومتا ہے"

حنظلہ نے قدم دروازے کی سمت اٹھاتے ہوئے خوش چہرگی سے کہا۔

اشعر بہت اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ حنظلہ کس قدر مرض عشق میں مبتلا ہے اور نیہان سے تھوڑی دیر اور ناراضگی اسکی جان نکال سکتی ہے۔

روبینہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور ہاجرہ بی کے پہلو میں آکر کھڑی ہو گئی۔

نیہان کوئی اپنا روٹھا ہوا ہو تو اسے منایا جاتا ہے بیٹا۔۔

کھانے پینے سے دشمنی مول کر خود کو کمرے میں قید نہیں کیا جاتا۔۔۔۔

جسکا دل دکھا ہو وہ سزا دے سمجھ میں آتا ہے۔۔۔

جسنے دل دکھایا ہو۔۔۔اسکے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا کہ وہ خود کیلیئے کسی بھی سزا کا انتخاب کریں۔

روبینہ کی باتوں سے اسکا چھوٹا سا چہرہ بالکل ہی اتر گیا تھا۔۔۔اور نہ ہی اب اسکے پاس کچھ کہنے کو بچا تھا۔

میری جان اٹھو اور آؤ ہمارے ساتھ۔۔۔۔باہر چلو کھانا کھاؤ۔

حنظلہ آئے گا تو بات کرنا اس سے۔۔۔۔۔

دیکھنا پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

روبینہ نے محبت بھرے لہجے میں کہا جبکہ حنظلہ کا نام سن کر وہ ہڑبڑا سی گئی تھی۔

بلکہ حنظلہ بابا سے ہم بھی بات کریں گے روبینہ باجی۔

نیہان کے زرد چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات دیکھ کر ہاجرہ بی روبینہ سے مخاطب ہو جیسے اسے حوصلہ دیا۔

ہاں ہاں کیوں نہیں بالکل کریں گے ہم بھی اس سے بات۔۔۔
بلکہ میں تو کان بھی کھینچوں گی اسکے بھلا کوئی اتنا اپنوں کو بھی پریشان کرتا ہے۔
روبینہ نے ہاجرہ بی کی ہاں میں ہاں ملتے ہوئے نیہان کی سمت دیکھ کر کہا۔
پھر زبردستی ہی سہی مگر وہ نیہان کو سہارا دے کر اپنے ساتھ باہر لے آئیں۔
یہ بات سچ تھی کہ نیہان کی آنکھوں میں نیند اور پاؤں میں ہلکا سا درد تھا مگر انہیں کون سمجھتا۔
ہاجرہ بی آپ کھانا گرم کر لیں۔۔۔
میں ذرا کباب فری کر لوں بیٹا۔۔۔
روبینہ نے ہال میں لگے صوفے پر اس بیٹھا اور دونوں کھانے کی تیاری کرنے کچن میں چلے گئیں۔
کچھ ہی دیر بعد جیسے ہی وہ باہر سے آیا پیشِ نظر صوفے پر نیہان نیم دراز گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ حیران سا ہوا وہی کھڑا اسکے نازک سے وجود کا جائزہ لینے میں استغراق ہو گیا۔ دو دن بعد حور کے چہرے کی زیارت اسکی آنکھوں کو ٹھنڈک بخش رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار نیہان کے چہرے کے ایک ایک نقوش کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا نجانے کتنے عرصے سے آنکھیں اسکی دید کی پیاسی ہوں۔
وہ اسکی صبیح چہرے کو محویت سے دیکھتے ہوئے اسکی سمت قدم اٹھا رہا تھا۔
اسکا دوپٹہ صوفے سے ہوتے ہوئے نیچے کارپٹ پر پھیلا ہوا تھا ذرا سی کروٹ لینے پر اسکی شرارتی زلفیں نے اسکے نرم و ملائم گالوں پر گدگدانہ شروع کر دیا۔
وہ اونگھ میں انہیں جتنا پیچھے کرتی وہ اتنا زیادہ اسے پچکارنے لگ جاتیں۔
اب وہ اسکے سر پر کھڑا اسکے ہاتھوں اور زلفوں کی تکرار بڑے مزے سے دیکھ رہا تھا۔
بے اختیار ہو کر وہ زرا سا اس پر جھکا اور اسکے دودھیا چہرے سے ریشمی بال پیچھے کو ہٹائے والہانہ محبت سے اسے دیکھنے لگا۔
گہری نیند سوئی آرام جاں (جسے دیکھ کر روح کو راحت ملے) کے شفاف چہرے پہ بلا کی معصومیت چھلک رہی تھی۔ جسکے صدقے اسکے نورانی چہرے سے حنظلہ کا پل بھر کیلئے بھی پلک سے پلک جھپکانا قدرے مشکل تھا۔
کھٹر پٹر کی آواز سے وہ نیہان کے حسن کے حصار سے نکلا اور ایڑیوں کے بل پیچھے کو گھوما۔
کلاس ویڈیو سے اسے کچن کا اندرونی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ کچن میں موجود ہاجرہ بی اور روبینہ اپنے اپنے کام میں مشغول تھیں۔
وہ کچن میں آیا تو دونوں عورتوں نے حیرانگی کے عالم میں کھڑکی سے باہر جھانک کر نیہان کو دیکھا۔
وہ سو رہی تھی۔
نیہان کی آنکھ کب لگی۔۔۔ حنظلہ کب آیا دونوں ہی اچنبت تھیں۔
نیہان باہر کیوں سو رہی ہے۔۔۔؟؟
فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے اسنے سرسری پوچھا۔
کچھ دیر پہلے والی اسکی گلابی رنگت یکدم زرد کیوں پڑ رہی تھی۔
نیند میں وہ سہمی سہمی آوازیں کیوں نکال رہی تھیں۔
نجانے اسکے ماتھے پر لا محدود شکنیں کس وجہ سے تھیں۔۔۔

کس چیز کا خوف تھا کہ وہ خود میں سموتے ہوئے سختی سے مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔

کچھ دیر پہلے والی اسکی آسودہ حالت میں یہ تبدیلی کیسی تھی۔

کیا وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی۔

شاید ہاں کیونکہ اکثر سوتے ہوئے وہ خوفناک خواب دیکھتی تھی۔

ابھی بھی وہ کوئی بھیانک خواب ہی دیکھ رہی تھی اتنا مخوف خواب کے نیند میں اسکی آنکھیں سے اشکباری ہو رہی تھی اسکا جسم بری طرح سے کانپ رہا تھا۔

کہہ تو رہی تھی کہ نیند بہت آئی ہے مگر اسنے کچھ کھایا پیا نہیں تھا اسلئے ہم زبردستی باہر لے آئے۔

کھانا نکالنے آئے۔۔۔کہ نیہان واقعی میں سو گئی۔

روبینہ نے عام سے لہجے میں جواب دیا۔

بوا کھانا ڈائننگ پر لگائے۔۔۔تب تک نیہان کو سونے دے۔

آج ہم سب مل کر کھانا کھائیں گے۔

حنظلہ نے پانی کا گلاس بھرتے ہوئے تحمل سے روبینہ کی بات سنی پھر گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا اور پانی کا ایک چھوٹا گھونٹ حلق سے نیچے اتر کر خوش مزاجی کہا۔

جی بہتر۔۔۔حنظلہ بابا۔

ہاجرہ بی نے احتراماً کہا۔

اب اسکی برداشت بس اتنی ہی تھی کہ وہ نیند توڑ کر اس ہولناک خواب سے باہر نکلتی۔

بابا۔۔۔بابا جانی۔۔۔۔

بب۔۔۔با۔۔۔بابا جانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسکے لبوں پر بمشکل اپنے باپ کا نام پھڑ پھڑایا۔

اطراف میں نظریں دوڑائی تو یکدم اسکی نگاہ کچن کی کھڑکی پر چپک گئی۔

بب۔۔۔بب۔۔با۔۔جانی۔۔۔۔بابا۔۔۔بابا جا یییییییییی۔۔

چولہے پر رکھی کڑائی تلے جلتی آگ اور پاس پڑی سلاد کی پلیٹ میں رکھی چھری دیکھ نیہان کی چیخیں سننے والی تھیں۔

اسی لمحے اسنے خود کو خوابی کیفیت میں محسوس کیا جبھی تو اسکی آواز حلق میں ہی اٹک گئی عقل جیسے مفلوج ہو گئی۔

پاؤں کی موچ تک وہ بھول گئی تھی یونہی ہڑبڑا کر وہ صوفے سے اٹھی تو درد نے دوبارہ اسے چیخنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسے کھڑا تک نہیں ہوا جا رہا تھا نجانے وہ خوف کے مارے لنگڑاتے ہوئے کچن سے کیوں بھاگ رہی تھی۔

نیہان کی چیخیں سن کر حنظلہ مجنونیت سے اسکی جانب بھاگا۔۔۔

روبینہ اور ہاجرہ بی حنظلہ کی پیروی کرتی کچن سے باہر کو آئیں۔

نیہان اس وقت اس قدر ڈر چکی تھی کہ اسکا روم روم کانپ رہا تھا۔۔۔اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اسے اگلا سانس بالکل نہیں آئے گا۔

وہ تینوں سرپٹ اسکی طرف بڑھ رہے تھے تبھی اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

اس سے پہلے کوئی اسے سنبھالتا وہ بے ہوش ہو کر زمین بوس ہو گئی۔

نیہان۔۔۔۔۔

روبینہ نے اس پکارا تھا ساتھ اسکے قدم ایک جگہ منجمد ہو گئے تھے جبکہ ہاجرہ بی کے چہرے کی ہوائیاں اُڑ گئی تھیں انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

سب سے برا حال حنظلہ کا تھا مگر وہ احساسات، جذبے چھپانے کا فنکار تھا۔

بے ساختہ حنظلہ اسکے قریب آیا اور اسے اپنی باہوں میں اٹھالیا ایسے جیسے نیہان کا کوئی وزن ہی نہیں اور وہ کوئی روئی کی مانند ایک گڑیا ہے۔

نیہان کو گود میں اٹھائے وہ کمرے کی سمت بڑا تو روبینہ تعجب سے باہر آئی۔

اس تو بخار ہے بہت تیز۔۔۔۔

نیہان کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اسنے محسوس کیا تھا۔

کچھ لمحے خاموشی کے تھے۔

میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔

نیہان کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہوئے اسنے پریشان حال میں کہا۔

انکا بی پی کافی لو ہے۔۔۔۔ جسکی وجہ سے یہ بے ہوش ہو گئی ہیں۔۔۔کچھ دیر میں انہیں ہوش آجائے گا آپ فکر نہیں کریں۔

ڈاکٹر نے ادویات لکھتے ہوئے پیشہ ورانہ انداز میں انہیں تسلی دی۔

بخار ذرا تیز ہے انہیں کا۔۔۔۔

آپ وقفے وقفے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرتے رہے گے تو انشاء اللہ بخار جلد ہی اتر جائے۔

ڈاکٹر نے لکھی ہوئی ادویات کی پرچی ملازم کو پکڑتے ہوئے ہاجرہ بی اور روبینہ کی سمت دیکھ کر کہا جو نیہان کے سرپر کھڑی پریشانی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔

نیہان کے پاؤں پر موج بھی آئی ہے ڈاکٹر۔

حنظلہ نے ڈاکٹر کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

جی پیر کی سوزش دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا مجھے۔

ڈاکٹر نے سرسری نگاہ نیہان کے سوجے ہوئے پاؤں پر ڈالتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

نیم گرم نمکین پانی میں پاؤں کو دس سے پندرہ منٹ کیلئے ڈبونے سے درد کی شدت میں کمی آئے۔

پیر کی مساج کرتے ہوئے پیر کو دھیر دھیرے ٹوسٹ کریں، زیادہ سے زیادہ انہیں ایکسائز کروائیں۔۔۔ ایسا کرنے سے دنوں میں آرام آئے گا۔۔۔ اور یہ جلد ہی چلنے کے قابل ہو جائیں گی۔

ڈاکٹر نے پاؤں کے علاج کا طریقہ بتاتے ہوئے حنظلہ کو دروازے کی سمت اشارہ کیا پھر وہ ایک ساتھ باہر کو نکل گئے۔

ہاجرہ بی شفقت بھری نگاہیں نیہان کے گلابی چہرے پر مرکوز کیے اسکے بالوں کو سہلا رہی تھی۔

روبینہ بیڈ کے قریب پڑی چیئر پر بیٹھ محو سوچوں میں گم تھی۔

میں نے آپ سے اندر بات نہیں کی کیونکہ وہ دونوں خاتون پیشنٹ کے معاملے میں بہت جذباتی نظر آرہی تھیں۔

وہ چلتے ہوئے گھر کے بیرونی دروازے تک پہنچ آئے تھے۔

جی بولیں کیا بات ہے۔۔۔۔؟؟

حنظلہ نے ملائمت سے سوال کیا۔

بچپن میں کوئی واقعہ ہوا تھا انکے ساتھ۔۔۔؟؟

ڈاکٹر نے تفتیشی انداز سے کہا تو حنظلہ نے نا سمجھی میں سر کو نفی میں جنبش دی۔

پھر ضرور انکے پیشِ نظر کسی اپنے کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہو گا۔

آپ ایسا کیوں کہ رہے ہیں ڈاکٹر۔۔؟؟

ڈاکٹر نے بڑے یقین سے اپنی بات مکمل کی جبھی دور کھڑی روبینہ نے مضطربانہ انداز میں سوال کیا۔

کیونکہ وہ کافی زیادہ ڈپریس ہے اور جس طرح مسٹر خان بتا رہے ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ڈر جاتی ہیں۔۔انہیں ڈراؤنے خواب بھی آتے ہیں۔۔۔

ان سب باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ ساری چیز ڈپریشن کا شکار بنا رہی ہیں۔

ایسے پیشنٹ کو اپنوں کی بہت ساری توجہ اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔

آپ کوشش کریں کہ وہ زیادہ سے زیادہ خوش رہے۔

ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں انہیں نصیحت کی جبکہ وہ دونوں ماں بیٹا اچھنبے سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

مجھے اجازت دے میں چلتا ہوں۔

اگر کوئی مسئلہ ہوا تو آپ مجھ سے رابطہ کر لیجئے گا۔

ڈاکٹر نے اجازت مانگی تو حنظلہ نے سر کو اثبات میں ہلا کر خوشدلی سے مصافحہ کیا۔

———•✦•———

میں تمہیں بہت کام کا سمجھتا تھا مگر تم کس کام کے نہیں ہو۔۔۔۔

حیدر نے اضطراری کیفیت میں کہا

کتنے دن ہو گئے ہمیں یہاں آئیں ابھی تک تم سے اتنا سا کام نہیں ہوا۔۔۔۔

حیدر علی کے تیور غصے میں تبدیل ہو گئے۔

جی میں لگا ہوا ہوں کھوج میں۔۔۔ جلد ہی کام نکل آئے گا لیکن ہر حال مجھے ذرا سی مہلت چاہیئے ہو گی۔

چارلس نے فون کی دوسری جانب سے مضبوط لہجے میں کہا۔

اور کتنی مہلت چاہیئے تمھیں۔۔۔۔؟؟؟

اگر تم نہیں کر سکتے تم صاف بتاؤ مجھے۔۔۔

کم از کم میں خود تو کچھ نا کچھ کروں اپنے بھائی کی اذیت کم کرنے کیلئے۔۔۔

حیدر علی نے ضبط کے گھونٹ پیتے ہوئے پوچھا۔

مسٹر حیدر ہماری برسوں کی واقفیت ہے۔۔ تو آپ اسطرح نالاں نہ ہوئے۔۔۔ ذرا سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ وجود جسکا ہر تعلق صرف آپکے دوست زوریز احمد کی ذات سے منسلک تھا۔۔۔ اب منوں من مٹی کے ڈھیر تلے دب چکا ہے۔۔ میں، آپ یا کوئی تیسرا۔۔۔ بغیر کسی بھی معلومات کے انکی نجی زندگی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں لگوا سکتا۔۔

کام ذرا مشکل ہے مگر میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں۔۔۔

مہربانی کر کے آپ حوصلہ رکھیں ذرا صبر کریں۔۔۔

اسطرح میرا کام آسان ہو گا تو آپکو ہی فائدہ پہنچے گا۔

چارلس نے طمانیت سے لفظ بہ لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا اور آخر پر التجائیہ لہجے اپناتے ہوئے حیدر کی تسکین کی۔

فون بند کر کے چارلس نے نظروں کے تعاقب میں رقیہ کے نورانی چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ رینگتی ہوئی دیکھی۔

تو اس نے تفاخرانہ انداز میں گردن اکڑاتے ہوئے فون کوٹ کی جیب میں ڈالا۔

گہرا سانس بھرتے ہوئے نیہان بیہوشی کی حالت میں یکلخت ہیبت سے اٹھی۔۔۔ اسکا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔۔ جبکہ اسکا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

کیا ہوا بیٹا۔۔۔

ہاجرہ بی نے نیہان کی پست پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنائیت سے پوچھا۔

پہلے اجنبیت پھر بغور ہاجرہ بی کا چہرہ دیکھ کر وہ یکدم ان سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔

اسے کچھ وقت لگا تھا خوابی کیفیت سے نکل کر حقیقت میں۔۔۔ لوٹنے میں۔

کیا ہوا ہے بیٹا۔۔۔ بتاؤ تو۔۔۔۔۔

ہاجرہ بی نے سرگردانی سے کہا تو وہ سسکنے لگی۔

نیہان۔۔۔۔۔

ہاجرہ بی نے اسکی پشت سہلاتے ہوئے قدرے حیرانگی سے اسے پکارا۔

بوا۔۔۔۔ جی۔۔۔۔ با۔۔۔ بب۔۔۔۔۔ بابا۔۔۔ ک۔۔۔ کک۔۔ کہاں۔۔۔ ہیں۔۔۔؟؟

ہاجرہ بی سے خود کو جدا کر سہمی سہمی نگاہیں اطراف میں دوڑاتے ہوئے اسنے پورے کمرے کا جائزہ لیا اور گنتی کے چند حروف بمشکل جوڑتے ہوئے مختصر سا سوالیہ جملہ مکمل کیا۔

شاہ جی۔۔۔۔۔؟؟؟

ہاجرہ بی نے اسکی زرد رنگت کو دیکھتے ہوئے حیران و پریشان ہو کر کہا تو بنا آواز کے روتے ہوئے اسنے اثبات میں سر ہلایا۔

بیٹا وہ تو یہاں نہیں ہیں۔۔۔ امریکہ گے ہیں۔۔۔

ہاجرہ بی نے اسکے آفتابی چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر قدرے ملائمت سے بتایا۔

اب نیہان کے آنسوؤں کی شدت اور بھی بڑھ گئی۔

جسکے ساتھ ساتھ ہاجرہ بی کی پریشان بھی اپنے عروج پر تھی۔

کیاہوا شاہ جی نہیں ہیں یہاں۔۔۔ہم سب تو ہیں نہ۔۔۔اپنی شہزادی کے ساتھ اسکے پاس۔
ہاجرہ بی نے اسکا آنسو سے بھیگا ہوا چہرہ اپنے دوپٹے سے خشک کیا اور اسکی گلابی پیشانی پر پیار کیا پھر اسے اپنے سینے سے لگا کر اپنائیت ظاہر کی۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ آندھیوں کی زد میں وہیں کھڑا سوچوں میں غرق ہو گیا تھا۔چہرے پر پریشانی کے تاثرات بکھرے ہوئے تھا۔۔۔اور آنکھیں لہو چھلکا رہی تھیں۔
جسکا کا صاف مطلب کہ نیہان کی تکلیف برداشت کرنے کی اس میں زرا بھی سکت نہیں۔

اس وقت ہمیں نیہان کے پاس ہونا چاہیے۔
روبینہ نے پریشانی کے عالم میں اسکی سوچوں میں خلل پیدا کرتے ہوئے اسنے نصیحت کی تو محض سر کو اثبات میں ہلا کر وہ اندرونی دروازے کی سمت بڑھا۔
وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو نیہان ہاجرہ بی کے گلے لگی رو رہی تھی۔۔۔اسکی آنکھیں متورم اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے جبکہ خمدار بال پست پر بکھرے ہوئے تھے۔
حنظلہ تڑپ کر اسکی سمت بڑھا۔
تبھی ہاجرہ بی نے اسے خود سے جدا کر کے اپنی نشست چھوڑی۔۔۔اور حنظلہ کو جگہ دی۔
کیا ہوا نیہان رو کیوں رہی ہو۔۔؟؟
بے اختیار اسنے آفتِ جاں سے سوال گیا۔
وہ حنظلہ کو قریب پر کر رو پڑھی۔۔۔
اسکی ہچکی بندھ گئی۔۔۔
وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔
نیہان۔۔۔۔۔۔تم ہمیں کچھ بتا کیوں نہیں رہی سب ٹھیک ہے نہ۔۔۔۔؟؟
روبینہ نے شفقت بھرا ہاتھ اسکے سر پر رکھ کر بے چینی سے پوچھا۔
نیہان کا دل خوف سے کانپ رہا تھا جبھی اسنے اپنا سر حنظلہ کے سینے میں چھپا لیا تھا۔
بوا جی پانی دیجئے گا۔
حنظلہ نے ہاجرہ بی سے کہا تو انہوں نے سائڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا جگ اٹھ کر گلاس میں پانی بھرا۔
نیہان پانی پیو۔۔۔
حنظلہ نے پانی سے بھرا ہوا گلاس ہاجرہ بی سے پکڑتے ہوئے شائستگی سے کہا تو نیہان نے اسکے سینے سے لگے سر کو نفی میں ہلایا۔
تھوڑا سا پی لو۔۔۔

حنظلہ نے دوبارہ کہا اسنے دوبارہ سر کو نفی میں جنبش دی۔

اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو میں ناراض ہو جاؤ گا۔

حنظلہ نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

تو۔۔۔تت۔۔۔تت۔۔۔۔تم۔۔۔۔مجھ۔۔۔سے۔۔۔ناراض۔۔۔۔نہیں ہو۔۔۔؟؟

نیہان نے بے ساختہ اسکے سینے سے سر اٹھا کر اپنے خشک ہوتے ہونٹوں کو تر کیا اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حقیقت میں واپس لوٹتے موافقت سے سوال کیا۔

نیہان کی آنکھوں سے بہتے اشک دیکھ حنظلہ کا دل سسکنے لگا۔

نہیں۔۔۔حنظلہ نے سر کو نفی میں ہلا کر یک حرفی جواب دے کر اسے مطمئن کیا۔

وہ زبردستی ذرا سا مسکرا پائی تھی۔

اگر تم پانی نہیں پیو گی۔۔۔اور ایسے ہی روتی رہو گی۔۔۔بتاؤ گی نہیں مجھے کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔۔۔۔تو۔۔۔۔قسم سے میں ناراض ہو جاؤ گا۔۔۔۔اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔

نیہان کے آنسوں اسے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے جبھی اسنے سنجیدگی سے دھمکی آمیز لہجے اپناتے ہوئے اسے چپ کروانا چاہا۔

نیہان کی سانسیں تھمنے لگی آنکھوں سے اشکوں کا سلسلہ ایک بھر پھر سے جاری ہو گیا دفعتاً حنظلہ کی اجنبیت وہ سمجھ نہیں سکتی تھی۔

ت۔۔۔تت۔۔۔۔تم۔۔۔۔تم۔۔۔می۔۔۔می۔۔۔۔میرے۔۔۔۔ساتھ۔۔۔ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔۔بابا بھی نہیں ہیں یہاں۔۔۔۔اگر تم بھی

چچ۔۔۔چچ۔۔۔چلے جاؤ گے۔۔۔تو۔۔۔۔۔۔؟؟

ووو۔۔۔۔وو۔۔۔۔ووووووووہ۔۔۔۔مار دے گی۔۔۔

مم۔۔۔۔ممار۔۔۔۔دے۔۔۔گی۔۔۔۔۔۔اس سے۔۔۔۔مو۔۔۔ج۔۔۔مجھے۔۔۔

جل۔۔۔جل۔۔۔۔جاؤں گی میں۔۔۔۔

نیہان نے حنظلہ کا بازو اپنی پوری قوت سے پکڑ رکھا تھا۔۔۔زارو قطار روتے ہوئے نیہان نے ہچکیاں باندھے ٹھہراؤ سے کہا۔

کون۔۔۔۔؟؟؟؟کسے۔۔۔۔مار دے گا۔۔۔۔؟؟

حنظلہ نے سراسیمگی سے سوال کیا۔

مم۔۔۔۔۔می۔۔۔میں۔۔۔۔مر جاؤنگی۔۔۔ووو۔۔۔وہ۔۔۔مار دے گی۔

نیہان نے جواباً اپنا وہی جملے دہرائے۔

نہیں۔۔۔ایسا نہیں ہو گیا۔۔۔بالکل نہیں ہو۔۔۔۔

میرے ساتھ ہوتے ہوئے تمہیں کوئی چھو تک نہیں سکتا۔۔۔۔

تم نے کوئی برا خواب دیکھا ہے۔۔۔۔

جو نیند سے بیدار ہونے۔۔۔پر۔۔۔ہی۔۔۔ٹوٹ چکا تھا۔۔۔۔
ٹوٹا ہوا خواب۔۔۔۔ایک بہادر لڑکی کو جو بخوبی اپنے لیے لڑنا جانتی ہے اسے شکست دے سکتا ہے کیا۔۔؟؟؟
حنظلہ نے اسکے بالوں کو سہلاتے ہوئے محبت سے سرشار لہجے میں اسے تسلی بخشی اور آخر پر سوال کیا۔

ہا۔۔آں۔۔آں۔۔ہاں۔۔۔دے سکتا ہے۔
نیہان نے اضطرابی کیفیت میں مبتلا ہو کر کہا۔
حنظلہ خاموشی اختیار کیے پریشانی کے عالم میں یک ٹک اسے دیکھتا رہا تھا۔
ان خوابوں نے میری آنکھوں سے نیند چرا لی ہے۔۔۔
میں رات میں کیا دن میں بھی سونے سے ڈرتی ہوں۔۔۔
تم جانتے ہو۔۔۔؟؟
مجھے سوتے جاگتے خاص کر جب میں تنہا ہوتی ہوئی۔۔
تو۔۔وہ آوازیں میرے کانوں میں گونجتی ہیں۔
کوئی بھرائی ہوئی آواز۔۔۔شفقت بھرے لہجے میں۔۔۔
ایک امید باندھے مجھے مدد کیلئے پکار رہا تھا۔
میں آواز کا پیچھا کرتی ایک بڑے سے ہال میں پہنچی آئی۔۔۔چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا۔۔۔مجھے کچھ نظر نہیں آرہا۔۔۔نہ ہی میری سمجھ میں کچھ آرہا تھا
۔۔۔
یکدم سے آوازیں سنائی دینا بند کیوں ہو گئی تھیں۔۔۔؟؟
میں بھی اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی۔۔۔۔جبھی میں نے موم بتی کی مدھم روشنی میں دیکھا کہ کوئی عورت رسیوں سے بندھی ہوئی تھی۔۔۔
اور اپنی مخالف سمت میں بے بسی سے دیکھتی ہوئی زار و قطار رو رہی تھی۔
میں نے اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔۔۔
تت۔۔۔تت۔۔۔۔تو۔۔۔کوئی عورت خون سے رنگے ہوئے ہاتھوں سے کسی آدمی کے۔۔۔
س۔۔۔سی۔۔سینے میں بڑی بیدردی سے۔۔۔۔خ۔۔۔خا۔۔۔خنجر۔۔۔پیوست کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔
میں آگے بڑھتی۔۔۔وہ آدمی دردناک چیخیں مارنے لگا۔۔۔۔
جبکہ وہ عورت۔۔۔۔اس آدمی کے سینے میں خنجر کی پیوستگی کرتے۔۔۔۔عا۔۔۔عج۔۔۔عجیب طرح سے ہنس رہی تھی۔
دوسری طرف رسیوں میں جکڑی عورت کرب سے آنکھیں بند کئے دھاڑیں مار مار کے رو رہی تھی۔۔۔خود کو مضبوط رسیوں کی گرفت سے آزاد کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔
میرے دیکھتے ہی دیکھتے آدمی کی سفید قمیض خون سے رنگ کر سرخ ہوتی جا رہی تھی اور کوئی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔
زخم دینے والی عورت اب خود بھی سسک رہی تھی۔

میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ آدمی کمزور ہے اور اپنے مقابل کھڑی عورت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اسے رسیوں میں جکڑی عورت کی مدد کی ضرورت ہے۔۔۔

میں یونہی اسکی طرف بڑھی میں آگ کے حصار میں آکر بے بس ہو گئی۔

کوئی مدد نہیں کر سکتا اسکی۔

وہ جنونی عورت کی قدرے بھاری آواز سے چیخی۔۔ نجانے وہ انتقام کے کس درجے پر تھی۔

میں نے ہمت کی اور انکی مدد کے لیے آگ سے باہر کھودنا چاہا مگر وہ آگ میرے قریب آتی ہوئی مجھے اپنی لپیٹ میں لینے لگی۔۔۔ میں اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔۔۔ تو اطراف سے زہریلی ہنسی اور آہ و بکا کا عالم جاری ہو گیا۔

میں بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

نیہان نے روتے ہوئے خوف سے کانپتے سارا خواب انکے گوش گزارا۔

مجھے ایسے خواب کیوں آتے۔۔۔؟؟ کیوں ہر بار میں انکے چہرے دیکھ نہیں پاتی۔۔۔؟؟ جب میں کسی کی مدد کے قابل نہیں ہوں تو کوئی مجھے اتنی محبت سے کیوں پکارتا ہے۔۔۔؟؟

آخر وہ عورت کون تھی۔۔۔؟؟؟ اتنی عجیب کیوں تھی۔۔۔؟؟؟ زخم دینے والے کو تڑپتا دیکھ وہ خود کیوں تکلیف میں مبتلا ہو رہی۔۔۔؟؟

میں آگ کے حصار میں تھی۔

آگ آہستگی سے مجھ پر اپنا دائرہ تنگ کر رہی تھی۔

اچانک آگ کی تپش اتنی بڑھ گئی تھی کہ میرا وجود سلگنے لگا تھا۔۔۔ میرا بدن میرے ہی پسینے سے بھیگنے لگا تھا۔

میرا خواب تھا۔۔۔ جو بھی تھا۔۔۔ میری آنکھوں کے سامنے کا منظر میری سمجھ سے بالاتر تھا۔

کیا میں جل جاؤنگی۔۔۔؟؟ کیا وہ آگ مجھے جلا کر راکھ کر دے گی۔۔۔؟؟ کیا میں مر جاؤنگی۔۔۔؟؟ میں مر جاؤنگی کیا۔۔۔؟؟؟

نیہان کے ہر سوال کے بدلے محض وہ سر کو نفی میں ہی ہلا پاتا۔۔۔ کیونکہ نیہان اسے کسی بھی جواب کی مہلت دیئے بغیر سوال پے سوال کر رہی تھی۔

وہ ایک برا خواب تھا۔۔۔۔۔۔

کچھ نہیں ہو گا تمہیں۔۔۔۔۔

ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔

نیہان نے حنظلہ کو ٹوکتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔

ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ اگر یہ خواب حقیقت ہوئے تو۔۔۔؟؟

می۔۔۔ می۔۔ میں نے پڑھا تھا ایک کتاب میں کہ جِ۔۔۔ جو۔۔۔ خواب ہمیں۔۔۔۔ بب۔۔۔ بب۔۔ بار بار آتے ہیں وہ حقیقت کا ح۔۔۔ حص۔۔ حصہ۔۔۔۔ حصہ ہوتے ہیں۔

ہمارے ساتھ ماضی میں کچھ برا ہوا ہو اور ہمیں یاد نہ ہو یا مستقبل میں کچھ برا ہونے والا ہو۔۔۔

تو۔۔۔ گزرے ہوئے وقت یا آنے والے وقت کی وہ دردناک جھلکیاں ہم خوابوں میں دیکھتے ہیں۔

خواب میں ہر بار میں اذیت اٹھا رہی ہوتی ہوں۔

کیا میرے ساتھ ایسا ہوا تھا۔۔۔یا میرے ساتھ ہو گا۔۔؟؟؟

کیا میں مر۔۔۔۔مر۔۔۔

الفاظ جیسے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے نیہان کو اپنی دھڑکنیں بند ہوتی ہوئیں محسوس رہی تھی۔

نیہان کا خواب اسکی باتیں سن کر روبینہ کے سماعتوں سے ڈاکٹر کی باتیں ٹکرانے لگیں۔

روبینہ نے ہاجرہ بی کے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس جو نیہان کیلئے پانی سے بھرا تھا لیا اور ایک ہی سانس میں سارا پانی حلق سے نیچے اترا۔

پھر ہاتھ کی پست سے ماتھے پر آئی پسینے کی ننھی ننھی بودوں کو صاف کیا اور جسم کی لرزاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی۔

نیہان کے ان گنت سوال میں حنظلہ کیلئے اذیت کی زیادتی مزید بڑھ رہی تھی۔۔۔نیہان کے آنسوں دیکھنے کی اب اس میں ذرا برابر سکت نہیں تھی۔۔۔وہ مزید کچھ کہتی حنظلہ نے اسے اپنی طرف کھینچ کر زور سے اسے اپنے سینے میں بھیچ لیا۔۔۔نیہان نے آہستگی سے آنکھیں بند کیں تو تواتر سے بہتے آنسو بے مول ہوتے ہوئے حنظلہ کا کندھا بھگونے لگے۔

ہم میں سے کسی کو نہیں یاد کہ تمھارے ساتھ ماضی میں ایسا کچھ ہوا تھا۔۔۔

اور رہی بات مستقبل کی تو۔۔۔۔؟؟؟

اللہ میری عمر دراز کرے میں تمھارے ساتھ ہونگا۔۔۔

اور کسی کو بھی تمہیں نقصان پہنچنے نہیں دونگا۔۔۔

حنظلہ نے اسکے بالوں کو سہلاتے ہوئے زرا ہنس کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

نیہان پر جو ہیبت طاری تھی وہ کسی بھی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔

وہ بخار میں جلتی ہوئی حنظلہ کیساتھ بالکل ایسے لگی تھی جیسے ایک چھوٹا بچہ خوف سے ماں کے آغوش میں چھپ جاتا ہے۔

میں نیہان کیلئے کھانا لے کے آتی ہوں۔

روبینہ نے گھبراتے ہوئے ہاجرہ بی سے کہا اور بجلی کی تیزی سے کمرے سے باہر چلے گئی۔

ہاجرہ بی کی سمجھ میں بھی سب آگیا تھا جبھی تو ذہن میں ماضی کے دردناک لمحے گردش کرنے کرتے ان پر بجلیاں گرانے لگے۔

اسطرح نیہان اور حنظلہ کے دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔

بہت کچھ کہتی ہوئی خاموشی۔۔۔جسے صرف وہ دونوں ہی سن سکتے تھے۔۔۔اس خاموشی میں اظہارِ محبت بھی تھا اور چند دنوں کی خفگی کا شکوہ بھی تھا۔

تمھارے آنسوں مجھے تکلیف پہنچا رہے ہیں۔۔۔

میرے وجود کو چھلنی کر رہے۔۔۔۔

تیزاب کیطرح۔۔۔مجھے میرے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے۔۔۔۔

حنظلہ نے دھیمے لہجے میں افسردگی سے کہا تو اس کیسری موم بتی کی گڑیا نے آہستگی سے اسکے چوڑے سینے سے سر اٹھا کر اسکی آنکھوں میں جھانکا۔۔پھر اسکی آستین سے شائستگی کیساتھ اپنی آنکھیں رگڑ کر آنسوں صاف کیے۔

نیہان کی اس بچگانہ حرکت پر ہاجرہ بی دھیرے سے مسکرائی جبکہ حنظلہ اپنے زوردار قہقہے پر قابو نہ پا سکا۔

جبھی نیہان بھی بلا کی معصومیت چہرے پر سجائے حنظلہ کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئی بلند آواز سے ہنسنے لگی۔

ایک لڑکی بہت سے پھول لیے
دل کی دہلیز پر کھڑی ہو گی

✦✧✦✧✦

میں یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ نہیں سکتا۔۔۔

مجھے کچھ کرنا ہو گا ورنہ میں پاگل ہو جاؤ گا۔۔۔۔

زوریز نے بھویں تان کر رنجیدگی سے کہا پھر گھر کا بیرونی دروازہ حیدر کے ہمراہ عبور کیا۔

کیا کرو گئے تم۔۔۔؟؟؟

حیدر نے چلتے ہوئے تفتیشی انداز میں سوال کیا۔

ہم جا کہاں رہے ہیں بتاؤں تو۔۔۔؟؟؟

حیدر علی کے اس سوال زوریز شاہ رکا تو ساتھ ہی حیدر علی نے اپنے قدم بھی روک لیے۔

ڈرائیونگ سیٹ سنبھلو بتاتا ہوں کہاں جانا ہے۔

زوریز شاہ نے گاڑی کی چابی حیدر علی کو پکڑتے ہوئے حکمیہ لہجے میں قدرے نرمی سے کہا۔

روبینہ چہرے پر پریشانی سجائے نیہان کیلئے ٹرے میں دودھ سے بھرا گلاس اور براؤن بریڈ رکھ رہی تھی اسکے ہاتھ و دل لرزش کا شکار تھا۔

روبینہ باجی آپ ٹھیک ہیں۔۔۔؟؟

ہاجرہ بی نے کچن میں داخل ہوتے ہی اسکی بگڑتی حالت کا جائزہ لے کر گھبرائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

نیہان کو وہ خواب ابھی بھی آتے ہیں۔۔۔ہاجرہ بی

اسنے ہم سے چھپایا کیوں۔۔۔۔؟؟؟

روبینہ نے الجھے ہوئے لہجے میں ہاجرہ بی کی سمت دیکھ کر کہا۔

اسکا خواب سنا تھا آپ نے۔۔۔۔۔

روبینہ نے ہاجرہ بی کو شانوں سے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

کتنا عجیب خواب تھا ناں۔۔۔۔؟؟؟

قدرے تجسّس و جستجو سے اسنے خود ہی جواب دیا۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بھائی زوریز، ایلی اور ارمینہ بھابھی کی کہانی سنا رہی تھی۔۔ انکا ماضی بتا رہی تھی۔

کچھ غلط ہونا کے احساس کو دل و دماغ میں سموئے روبینہ نے دہشت زدگی سے مکمل آنکھیں کھول کر ہکلاتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

روبینہ کے چہرے کے اتر چڑھاؤ اور زرد پڑتی رنگت دیکھ کر ہاجرہ بی کی بے چینی بڑھنے کے ساتھ انہیں چپ بھی لگ گئی۔

گھنٹے میں ان دونوں نے تقریباً ڈی بلاک میں بسنے والوں سبھی لوگوں کے گھروں میں دستک دے دی تھی۔

سوائے ایک گھر کو چھوڑ کر۔۔۔ وہ گھر عالیہ اور زوریز شاہ کا گھر تھا۔ زوریز شاہ کے قدم اپنے ہی گھر کیطرح اٹھنے پر انکاری تھے کیونکہ اب وہاں صرف انکی بے بس یادیں بسی تھیں۔۔۔ صرف انکی یادوں کا بسیرا تھا۔ یادوں کو چننے کی سکت نہیں تھی زوریز شاہ میں۔۔۔ اسلئے وہ ادر گرد سے عالیہ کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔۔

کچھ پرانے رہائشی ہجرت کر گے تھے، جن سے اچھے تعلقات تھے وہ ہمسائے دنیا سے کوچ کر گئے تھے، کچھ نوجوان، کچھ نئے جوڑے تھے، کسی کو نہیں پتہ تھا کہ وہ زوریز شاہ ہے۔۔۔ یا کوئی عالیہ یہاں رہتی تھی۔

ہر طرف سے خالی ہاتھ۔۔۔ وہ مایوسی چہرے پر سجائے بے جان قدم گاڑی کی سمت اٹھا رہا تھے۔

ایک نظر اپنے گھر کو دیکھ لو زوریز۔۔۔۔

حیدر نے اسکی پیروی کرتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

اتنے سال وہ کس حال میں کیسے رہی میں نہیں جانتا۔۔!!

اس نے اکیلے میں مشکلات کا سامنا کیسے کیا۔۔۔؟؟

اذیتیں برداشت کیسی کی۔۔۔؟؟

جب تک میں جان نہیں لیتا اپنی ندامت کو اسکے درد سے بڑھ کر سمجھو گا۔۔۔!!

زوریز شاہ نے رنجیدگی و شرمساری سے کہا تو ایک آنسو ٹوٹ کر اسکی گال پر لٹکنے لگا۔

حیدر نے ہونٹوں کو بھینچ کر اثبات میں سر ہلایا اور زوریز شاہ کے بغل گیر ہوتے ہوئے اسے گاڑی کیطرف چلنے کا اشارہ کیا۔

ایسکیوزمی۔۔۔۔۔۔

اپنے عقب سے آتی آواز پر انہیں نے مڑ کر دیکھا۔

سفید شرٹ اور نیلی جینس کی پینٹ میں ملبوس شاندار جاہت کا نوجوان انکی جانب چلتا آرہا تھا۔

آپ جسے تلاش کر رہے شاید میری نانو انہیں جانتی ہیں۔

لڑکے نے نہایت شگفتگی سے کہا۔

کیا واقعی۔۔۔؟؟؟

حیدر نے حیرت زدہ ہو رہے کر پرجوشی سے سوال کیا جبکہ حیرانگی کے مارے زوریز شاہ سے بولا ہی نہ گیا۔

جی ہاں۔۔!!

لڑکے نے مسکرا کر مثبت جواب دیا۔

مجھے دو ڈھائی سال ہوئے ہے یہاں آئے۔۔

اسلئے مجھے زیادہ کچھ نہیں پتہ یہاں کا۔۔۔

لیکن نانو یہاں دس بارہ سالوں سے رہ رہے ہیں۔۔۔

اس لحاظ سے وہ کچھ تو جانتی ہیں۔

لڑکے نے پر خلوص لہجے میں انکی امید باندھی۔

ہم نے جب آپکے دروازے پر دستک دی تو آپکی نانو کہاں تھیں۔

زوریز شاہ نے جانچتی نظروں سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

انکی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔

تو وہ دوائی کھا کر سو رہی تھی۔

لڑکے نے اپنے گھر کیطرف بڑھتے ہوئے عام سے لہجے میں جواب دیا۔

نانو جاگی تو میں نے باتوں ہی باتوں میں آپکا ذکر کیا۔بس پھر انہیں نے آپ سے ملنے کی خواہش کی تو میں یہ سوچتے ہوئے باہر آیا کہ آپ لوگ جا چکے ہو گئے۔۔۔

تلاش ختم نہیں ہوئی۔۔۔ مگر تھکے ہارے گھر ہی جا رہے تھے۔

زوریز شاہ نے قدرے مغموم لہجے سے کہا۔

دودھ کا گلاس آدھا ہو چکا تھا بریڈ بھی نیہان نے کھا چکی تھی۔۔۔ اب وہ سونے کیلیئے لیٹ گئی تھی مگر بخار سے اسکا بدن ابھی بھی جل رہا تھا۔

عجیب گھبراہٹ اور کچھ غلط ہونے کا احساس اسے بار بار ستا رہا تھا۔۔۔

گھبراہٹ کے باعث کبھی وہ لحاف اترتی کے پھینکتی تو کبھی سردی کے مارے وہی لحاف اچھے سے اپنے اوڑھ لیتی۔۔ کبھی اوڑھتی، کبھی اتر کر پھینکتی۔۔۔۔ نجانے کس کیفیت کا شکار تھی وہ۔۔۔؟؟؟ وہ خود بھی تو نہیں جانتی تھی۔۔۔!!

کوئی اپنا تکلیف میں مبتلا ہے شاید وہ محسوس کر سکتی تھی۔

میرے نواسے نے بتایا کہ آپ رقیہ ایدھی کے گھر کے بارے استفسار کر رہے تھے۔۔۔؟؟؟

اڈھیر عمر کی خاتون نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

رو۔۔۔رقیہ کا گھر۔۔۔؟؟؟

زوریز شاہ نے متحیر ہو کر سوالیہ انداز میں کہا۔

ہاں رقیہ ایدھی کا گھر۔۔۔۔

بڑی بی نے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

وہی دائیں ہاتھ جاتی سڑک کا تیسرے نمبر والا گھر۔۔۔؟؟

جسکے سامنے چھوٹا سا لیکن قدرے خوبصورت سرسبز گلشن ہے۔۔۔؟؟

سوالیہ انداز میں وہ گھر کی تفصیل بتا رہی تھی۔

آ آ آ آں۔۔۔ آں۔۔۔۔ہاں وہی گھر۔۔۔۔

زوریز شاہ نے دھڑکتے دل سے مغموم آواز میں کہا۔

وہ گھر تب سے خالی۔۔۔ بند پڑا ہے۔۔ جب سے رقیہ اس عورت کو یہاں سے لے کر گئی ہے۔۔؟؟؟

بڑی بی کے خاموش ہوتے حیدر علی اور زوریز شاہ نے ایک دوسرے کو حیرانگی سے دیکھا۔

آپکو معلوم ہے کہ وہ عورت کون تھی۔۔۔؟؟

اور کیا نام تھا اسکا عورت۔۔۔؟؟ اور وہ دوسری خاتون کی، کی، کیا نام بتایا تھا۔۔۔ آپنے انکا۔۔۔۔۔

را، را۔۔۔۔ رقیہ۔۔۔۔۔ ایدھی وہ اسے یہاں سے کیوں لے کر گئی تھیں اس عورت کو۔۔۔؟؟

زوریز شاہ نے ہکلاتے ہوئے قدرے بے چینی سے استفسار کیا۔

نہیں مجھے معلوم نہیں وہ عورت کون تھی۔۔۔ دیکھنے سے تو انتہائی سادہ۔۔۔ اور بے حد پردہ پسند نظر آتی تھی۔

شاید اِسلئے کسی سے بھی ملتی جلتی نہیں تھی۔

سارا دن گھر میں رہتی، باہر بالکل نہیں نکلتی تھی۔

اکثر میرا اس گھر کے سامنے سے گزر ہوتا تو اتفاقاً وہ بھی اپنی کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی باہر گلزار میں لہراتے پھولوں اور آسمان میں اڑتے ہوئے غٹر غوں کرتے پرندوں کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہی ہوتی تھی۔

وہ کون تھی۔۔۔؟؟ باہر کیوں نہیں آتی تھی۔۔۔؟؟

کسی کی کوئی بات یا اپنی کوئی بات کسی سے کیوں نہیں کرتی تھی۔۔؟؟

میرے توجہ دن بہ دن اسکی طرف جاتی جا رہی تھی۔۔۔ تجسّس کے مارے میں نے اس گھر کی طرف رخ کیا۔۔۔ یکدم میرے قدم رک گئے جب میں نے دیکھا کہ رقیہ ایدھی ڈھیر سارے پھل، سبزیاں اور دیگر ضروریات کا سامان لیے اسکے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

بڑی بی رقیہ ایدھی کون تھی۔۔۔؟؟

اور اس عورت کو یہاں سے کیوں لے کے گئی تھی۔۔۔؟؟

کیا آپ جانتی ہیں۔۔۔؟؟؟

وہ بات کر رہی تھیں جب زوریز احمد شاہ نے انہیں ٹوکتے ہوئے بے چینی سے اپنے پہلے کیے گئے سوال دہرائے۔

رقیہ ایدھی بہت بڑے دل کی مالک ہیں اور انکا وہ بڑا دل جذبہء خدمتِ خلق سے سرشار ہے۔

رقیہ صاحبہ بے بس، بے سہارا، تن تنہا لوگوں کا سہارا ہیں۔

کسی قوم، قبیلے، علاقے، یا مذہب کا فرق رکھے بغیر ہمہ وقت وہ دکھی انسانیت کی خدمت میں مصروف رہتی ہیں۔

ایک دفعہ رات گئے اس گھر کے باہر کافی پولیس جمع ہوئی تھی۔۔۔اسکے بعد رقیہ اس عورت کو اپنے ساتھ یہاں سے لے کر چلے گئیں۔
پاکستان اور امریکہ میں دکھی مخلوق کیلئے ایدھی ٹرسٹ ہیں۔۔۔
اس بے سہارا عورت جسکو رقیہ ایدھی نے اپنے گھر میں پناہ دی۔۔۔کسی وجہ سے شاید اسے شیلٹر ہوم میں شفٹ کر دیا گیا ہو۔
بڑی بی نے جواباً رقیہ ایدھی کا بیک گراؤنڈ بتایا ہوئے اندازاً عالیہ کے بارے میں بھی تھوڑا بہت بتایا۔
زوریز شاہ پر بڑھیا کی بات سن کر ایک سکتا طاری ہو گیا تھا۔
جب کے حیدر کا وجود مسلسل کانپ رہا تھا۔

وہ گھر رقیہ ایدھی کا گھر نہیں تھا۔
وہ گھر عالیہ زوریز احمد شاہ کا گھر تھا۔
آپ یہاں کئی برسوں سے رہ رہی ہیں۔
کیا آپ نہیں جانتی کہ عالیہ نامی عورت اس گھر میں رہتی تھی۔۔۔؟؟
حیدر نے سنجیدگی ورنجیدگی سے آخر پر سوال کیا۔
بارہ، تیرہ سالوں سے میں یہاں رہائش پذیر ہوں۔
وہ گھر میرے گھر کے بالکل قریب لگتا ہے۔
اِسلئے میں اچھے سے جانتی ہوں مجھے یہاں رہتے مہینے دو مہینے ہی گزرے تھے کہ وہ عورت یہاں آئی تھی۔۔پھر دس، پندرہ دن کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ رقیہ ایدھی کا گھر ہے کیونکہ کافی آنا جانا تھا انکا اس گھر میں۔۔۔دو، دوڈھائی سال بعد جب پولیس اس گھر کے باہر جمع ہوئی تو مجھے یقین ہو گا کہ وہ گھر رقیہ کا گھر ہے۔۔۔کیونکہ ایک آدمی کو میں نے پولیس سے بات چیت کرتے ہوئے سنا تھا اس گھر اور اس عورت کے متعلق۔
زوریز شاہ کو ایسا لگا رہا تھا جیسے بڑی بی اسکا امتحان لے رہی ہیں۔۔۔باتوں ہی باتوں میں انہیں اُلجھا رہی ہیں۔۔سب تفصیل سے بتا ہوئے۔۔۔جسکے بارے میں اتنا سب بتا رہی ہیں۔۔۔نجانے اسکا نام زباں پر کیوں نہیں لا رہی تھیں۔۔۔؟؟؟

کیا اس عورت کا نام عالیہ تھا۔۔۔؟؟؟
زوریز شاہ نے دانت بھینچے سوال کیا تو بڑی بی سوچ میں پڑ گئیں۔
بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ اس عورت کا نام بتا کر مجھ پر احسان کریں گئیں تو ممکن کے میری تلاش ختم ہو جائے۔
زوریز نے ترخیم اور التجائیہ کہا تو بڑی بی نے بغور اسکے چہرے کو جانچتی نظروں سے دیکھا۔
عالیہ۔۔۔۔۔۔بڑی بی کے لبوں پر نام پھڑ پھڑایا۔
توزوریز شاہ نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے اثبات میں سر ہلایا۔
گھر کے باہر جب پولیس جمع ہوئی تھی تو رقیہ ایدھی کے منہ سے ایسا ہی کچھ نام میں نے سنا تھا۔

وہ دیوانہ وار گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے عالیہ، عالیہ چیخ رہی تھی۔

بڑی بی کے بتاتے ہی زوریز شاہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری گئیں کہ ہر چیز اسکی نظروں کے سامنے دھندلا گئی اور جسم پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔

حنظلہ میری بابا سے بات کروادوں پلیز۔

نیہان نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

حنظلہ نے ٹھنڈے پانی کے پیالے میں پٹی بھگو کر نچوڑتے ہوئے دیوار پر لگی گھڑی کی سمت دیکھا۔

سوئی بارہ کا ہندسہ عبور کر چکی تھی۔

حنظلہ نے نیہان کے ماتھے پر ٹھنڈی پٹی رکھی جو چند لمحوں میں درجے تک پہنچتے پہنچتے بخار سے قدرے گرم ہو گئی تھی اب اس نے ٹھنڈے پانی کے باؤل سے دوسری پٹی نکال کر ماتھے پر رکھی پٹی سے تبدیل کی اور نگاہیں اسکے نرم و نازک ہاتھوں پر مرکوز کر لیں۔

ابھی بھی بخار بہت تیز ہے۔

پریشانی کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے حنظلہ اسکی بات کا جواب دینا ہی بھول گیا۔

میں کہہ رہی ہوں بابا سے بات کروادو میری۔

نیہان نے دوبارہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے اسکی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

رات کے بارہ بج چکے ہیں نیہان۔

حنظلہ نے جیسے اسے ٹالنا چاہا۔

تو کیا ہوا یہاں رات کے بارہ بج رہے ہیں۔۔۔وہاں دوپہر دو ڈھائی کا ٹائم ہو گا۔۔۔تم کرو کال مجھے بات کرنی ہے۔

نیہان نے نزاکت سے کہتے ہوئے اٹھنا چاہا مگر کمزوری اور نقاہت نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔

انکل کو تمھاری آواز سے ہی اندازہ لگ جائے گا کہ تمہیں کچھ ہوا ہے یا پھر تمھاری طبیعت ناساز ہے۔

وہ جس پریشانی کی وجہ مجبور ہو کر یہاں سے گئے۔

انکا سارا دھیان پہلے ہی تمھاری طرف ہی لگا ہو گا۔

ایسے میں انکی پریشانی بڑھانا ٹھیک نہیں۔

دوبارہ پٹی تبدیل کرتے حنظلہ مضطربانہ انداز میں کہا۔

بیٹا۔۔۔حنظلہ بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

صبح بات کر لینا۔۔۔ابھی دوائی کھا کر سو جاؤ۔۔۔

ہاجرہ بی نے اسکی حالت دیکھ کر پریشانی کے عالم میں کہا تو نیہان نے گھبراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

روبینہ باجی آج میں یہی اپنی بیٹی کے ساتھ اسکے کمرے میں سوؤں گی۔

اگر وہ ہماری بات مانے گی اور یہ دوائی آرام سے کھالے گی تو۔۔۔ ورنہ ہر گز نہیں سوؤں گی اسکے ساتھ یہاں اس کمرے میں۔

ہاجرہ بی نے روبینہ کو مخاطب کیا اور نیہان کی دوائی ہتھیلی پر نکال کر اسکی طرف بڑھا کر مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

ہاجرہ بی اسکے ساتھ سوئے گی اسے سن کر تسلی ہوئی۔ حنظلہ کے سہارے اٹھ کر نیہان نے میڈیسن کھائی اور واپس لیٹ گئی۔

کروٹ پر لیٹے وہ ایک پل کیلئے بھی پلکیں جھپکائے بغیر دیوار کو گھور رہی تھی۔

اسکی نظریں کچھ یادوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔

حنظلہ نے نیہان پر اچھے سے کمفرٹر اوڑھا کر ہاجرہ بی کی سمت دیکھا۔

یادوں میں بھٹکتے بھٹکتے نیہان کو کب نیند آئی اسے اندازہ ہی نہ ہوا۔

وہ اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوا پھر ذرا سا نیہان پر جھکا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اسکا بخار چیک کیا جو ابھی بھی کافی تیز تھا۔

پریشانی کے عالم میں دبے پاؤں وہ دروازے کی سمت بڑھا۔

ابھی بھی بخار تیز ہے۔

ہاتھ اسکے رخسار پہ رکھ کر روبینہ نے نیہان کا ٹمپریچر چیک کرتے ہوئے پریشانی سے کہا۔۔ پھر پیار سے اسکے بال سہلا کر وہ ہاجرہ بی کے ہمراہ حنظلہ کے پیچھے کمرے سے باہر نکلی۔

بوا جی دروازہ کھولا اور لائٹس آن ہی رکھیے گا۔۔۔ میں یہی ہال می۔۔۔

بیٹا تم ٹینشن نہیں لو۔۔۔ ہاجرہ بی ہیں نہ نیہان کے ساتھ ویسے بھی وہ سو چکی ہے۔ سو مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں بے آرام ہونے ضرورت ہے۔۔۔

حنظلہ نصیحت آمیز لہجے میں ہاجرہ بی سے مخاطب تھا جبھی روبینہ نے اسے بات مکمل کرنے سے باز رکھا۔

بیٹا آپ جائے اور آرام کریں۔

صبح کے اٹھے بھاگ دوڑ میں لگے ہیں تھک گے ہوگے۔۔۔ اگر نیہان کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو میں ہوں نہ یہاں اسکے پاس۔۔ آپ جائے۔۔۔!!

ہاجرہ بی نے حنظلہ کے بازو پر ہاتھ رکھ کے محبت سے بھرپور لہجے میں اسے مطمئن کرنا چاہا تبھی وہ دماغی پریشانی سے زیرِ لب بولا۔

اگر اسے میری ضرورت ہوئی تو۔۔۔۔؟؟

کیا۔۔۔؟؟؟؟

ہاجرہ بی نے سوالیہ انداز میں پوچھا جبکہ روبینہ کی تشویشی نظریں اسکے چہرے پر مرکوز رہیں۔

جج۔۔۔ ججججی۔۔۔ وہ مجھے نیو پروجیکٹ پر پریزنٹیشن تیار کرنا ہے۔۔۔۔

آفس کے کچھ کام کرنے والے پڑے ہیں۔۔۔۔

جنکی فائلز بھی تیار کرنی ہیں۔۔۔

اسلیئے۔۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ ادھر۔۔۔ میں ہال میں۔۔۔۔۔۔۔ ہی ہوں۔

حنظلہ کے حیلے حوالے کرنے سے دونوں ہی عورتیں خوب اچھے سے واقف تھیں۔۔۔ اسی لیے اس پر زور دینا مناسب نہ سمجھتے ہوئی انہیں نے اپنے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

رات گئے دبے پاؤں چوروں کیطرح وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اسکے کہے کے مطابق کمرہ روشن تھا۔
دروازے سے بائیں ہاتھ چھوٹے سے سجے ہوئے پلنگ پر وہ بڑے آرام واطمینان کے ساتھ سو رہی تھی۔
مکمل روشنی میں اسکا چہرہ ہر طرح کے تاثرات سے پاک تھا۔یونہی وہ اسکے قریب پہنچا اپنا الٹا ہاتھ اسکی نرم و گرم گال پر رکھ کر اسکا ٹمپریچر چیک کرنے لگا۔
بخار قدرے کم تھا جبھی اسنے چین کا سانس لیا پھر ملائمت سے اپنا انگوٹھا اسکی گال پر رگڑتے ہوئے بے اختیار مسکرانے لگا۔
ہاجرہ بی کا خیال ذہن میں گردش کرتے ہی مجبوراً اسنے نیہان کے صبیح چہرے سے نظریں ہٹا کر بیڈ کی دوسری جانب دیکھا۔
ہاجرہ بی گہری نیند میں لگ رہی تھیں۔ مگر انکے اٹھنے کا ڈر دل میں سموئے حنظلہ نے اپنی نگاہیں نیہان کی سمت گھمائیں۔۔۔یونہی وہ میٹھی میٹھی نظروں سے نیہان کے چاند سے خوبصورت چہرے کو تکتے تکتے دروازے کی سمت الٹے قدم اٹھا رہا تھا۔
دروازے کے پاس پہنچ کر ایڑیوں کے بل وہ دروازے کی سمت گھوما۔
ایک نظر دوبارہ دشمنِ جاں کے چہرے پر ڈال کر سر کو جھکائے اثبات میں جنبش دیتے وہ دھیرے سے مسکرایا۔
اب اسنے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کے ہلکا سا گھمایا تو دروازہ بناء آواز کے کھولتا چلا گیا۔۔۔۔
دل کو سمجھاتے ہوئے بمشکل کمرے سے باہر نکل کر اسنے آہستگی سے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

تھی خلقت سے اس آب و گل کی بری
نہ جانے کہ تھی حور یا وہ پری،،،،،،،

حنظلہ کے کمرے سے باہر نکلتے ہی ہاجرہ بی نے مسکراتے ہوئے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔۔۔ذرا سا سر اٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا پھر اپنی نگاہیں پہلو میں لیٹی گڑیا کیطرف گھمائیں۔
خوبصورت مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس نازک گڑیا کا مرمریں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہاجرہ بی نے دربارہ آنکھیں موند لیں۔

سورج کی نارنجی شعاعیں پر پھیلائے سحری کے پھیکے اندھیرے کو اپنے دبیز پروں تلے ڈھانپ کر زمین پر اتر رہی تھیں۔
درختوں پر نظم و ضبط سے بیٹھے پرندے چہچہاہٹ کرتے ہوئے اللّٰہ سبحان وتعالی کی حمد و ثناء کر رہے تھے جبکہ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو پاک ہوا کیساتھ اُڑتی ہوئی ماحول میں رچی بسی تھی۔۔۔کمرے میں پھیلا خوبصورت صبح کا احساس ایک لگ ہی طلسم بنا رہا تھا۔اس تازگی کو اپنے اندر اترتے ہوئے وہ انگڑائی لیتی

ہوئی اٹھی۔ حنظلہ کے مان جانے کی خوشی، اسکی قربت اسکے لمس کے احساس نے کچھ دیر کیلئے نیہان کے دل ودماغ پر اس ہولناک خواب کے زنگی دھبے مٹ دے تھے۔ یکایک باپ کی آواز سن کی طلب اسکے محورِ تخیل میں سرایت کرنی لگی۔

سائڈ ٹیبل پر پڑا فون ہاتھ میں لیتے ہی اسنے باباجانی کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری بیل پر بھی دوسری جانب سے کسی نے اسکی کال ریسیو نہ کی تو وہ ذرا پریشان سی ہو گئی۔۔

پریشانی کے عالم میں لب کچلتے پیشانی کھجاتے ہوئے اسنے دوبارہ سے نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔۔ بیل جارہی تھی۔۔۔ اب اسنے فون کان سے ہٹا کر مضمحل نظروں سے سکرین کو دیکھا۔ بیل جارہی تھی۔

ہراساں ہو کر اسنے فون گود میں رکھے آنکھیں میچ لیں۔

یکدم فون سے مدھم سی آواز ابھری تو نیہان نے پھرتی سے آنکھیں کھول کر فون کان سے لگایا۔

ہیلو، ہیلو۔۔۔۔بابا۔۔۔۔

نیہان نے پرجوش آواز میں بولی۔

اااممم۔۔۔

دوسری جانب موجودہ شخص نے بولنے سے جیسے پرہیز کیا۔

باباجانی۔۔۔۔

ہمپ کی بار اسنے سوالیہ انداز میں پکارا۔

ہمممم۔۔۔۔

دوسری جانب سے محض (ہ،م) کی آواز آئی۔

آپ ٹھیک ہیں۔۔۔۔۔۔؟؟ ہنہ۔۔۔۔۔؟؟؟

وسواؤں کی زد میں اسنے بے اختیار سوال کرتے فوری تصدیق چاہی۔

بیٹا میں حیدر بات کر رہا ہوں زوریز سو رہا ہے۔۔۔۔

حیدر نے خمار آلودہ آواز میں کہا جیسے نیند میں ہو۔

آپ بھی سو رہے تھے۔۔۔۔؟؟؟

نیہان نے آہستگی سے پوچھا۔

ہاں میں بھی سو رہا تھا مگر فون بار بار بج رہا تھا۔۔۔

خیر۔۔۔۔تم نے اس وقت فون کیا خیریت تھی۔۔۔؟؟

حیدر علی فوری مدے پر آیا۔

بابا کی یاد آرہی تھی سوچا خیریت معلوم کرلوں۔

نیہان نے اصل بات ٹالنے کی کوشش کی۔

زوریز بالکل ٹھیک ہے بیٹا فی الحال تو سو رہا ہے ورنہ آپکی تسلی ہو جاتی۔

دوسری جانب موجودہ شخص کو شاید اسکی پریشانی معلوم ہوئی جبھی زبردستی ذرا سا ہنس کر جیسے اسنے یقین دلایا۔

ٹائم نکال کر بابا کی مجھ سے بات کروا دیجیے گا انکل۔

نیہان نے قدرے بے چینی سے کہا۔

فکر نہیں کرو بیٹا صبح لازمی کروا دوں گا۔

حیدر نے اطمینان سے کہا۔

انکل کب واپس آئے گئے آپ لوگ۔۔۔۔؟؟؟

نیہان نے ملائمت سے سوال کیا۔

وعدہ کرو کسی سے ذکر نہیں کرو گی کہ حیدر انکل نے بتایا۔

حیدر نے جواباً شرط رکھی۔

پکا وعدہ کسی کو نہیں بتاؤں گی۔

محکم و مستحکم لہجے میں کہا۔

ایک دوست کو غموں اور پریشانیوں نے ایسے جکڑ رکھا کہ وہ اپنے دکھ درد کسی کے ساتھ بانٹے بھی تو اسکی تکلیفیں، اذیتیں کم نہیں ہوں گئیں۔۔۔

بلکہ مزید بڑھ جائے گئیں۔۔

ایسے میں ناکامی ہتھے چڑھ جائے۔۔۔۔تو۔۔۔۔کوئی کیسے کسی بھی امتحان میں سرخرو ہو سکتا ہے۔۔۔؟؟

دوسری جانب موجودہ شخص نے اپنے دوست کا خیال دل میں رکھے ہوئے تاسفاً کہا جبکہ اسطرح وہ بات مکمل ہونے کی منتظر خاموش رہی۔

اپنے بزنس پارٹنر کی بات کر رہا ہوں نہایت غم زدہ ہے۔

نہ ہی کام کرنے کی حالت میں ہے۔۔۔اسکی پریشانی باٹنے آئے تھے یہاں۔۔۔۔

مگر اسکا ایسا حال دیکھا نہیں جا رہا۔۔۔۔

اسلئے تھوڑے دن اور رکے گے۔۔۔۔باقی انشاءاللہ زوریز سنبھال لے گا۔

وہ بات کرتے ہوئے زوریز کی جانب بڑھا جو گاڑی سے ماتھا ٹکائے اپنی قسمت کا ماتم کر رہا تھا۔

حیدر کو پورا یقین تھا کہ نیہان ضرور کوئی سمجھداری کی بات کریں گی اسلئے یونہی اسنے فون سپیکر پر ڈالے غمزدہ زوریز کے قریب کیا تو فون سے سانس خارج کرنے کی آواز ابھری۔

”دیکھئے انکل یہ کامیابیاں، ناکامیاں۔۔۔

اچھا، برا وقت ہر انسان پر آتا۔۔۔۔۔

ایک ہی وقت میں کسی کے گھر خوشی تو کسی گھر کے ماتم کا سما ہوتا۔۔۔۔

موت برحق ہے۔۔۔۔۔اور یہی دنیا کی ریت۔۔۔۔کہ

جو آیا اسے ایک دن جانا بھی ہو گا ہے۔۔۔“

وہ بڑی سنجیدگی سے اللہ کے بنائے نظام پر بات کر رہی تھی کہ زوریز شاہ کے کانوں یونہی اس کی آواز ٹکرائی اسنے قدرے حیرت سے حیدر علی کی سمت دیکھا۔

"انکل یہ اونچ نیچ ہی تو زندگی کا حصہ ہے۔
اور زندگی ایک ایسا دریا جسکی کوئی لہر برابر نہیں ہوتی۔۔۔اور ہر آنے والی لہر سانس لینے والوں کیلئے ایک پیغام لے کر آتی ہے۔۔۔کسی کیلئے خوشی کا تو کسی کیلئے غم کا۔۔۔زیادہ تر لوگوں کو غم کی لہروں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔۔۔وہ لوگ جن کو خود پر بھروسہ نہیں ہوتا وہ لوگ مقابلہ کرنے سے گھبراتے ہیں۔۔۔خود کو طاقت ور نہیں سمجھتے ہوئے مایوس ہو کر زندگی سے دامن چھڑانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔
یہ جانتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں مایوسی کفر ہے۔۔۔انسان خود کو گنہگار کرنے سے باز نہیں آتا۔
میں جانتی ہوں اپنوں کے مرنے کا غم ہوتا ہے مگر انکے ساتھ مرا نہیں جاتا انکل۔۔۔۔
ویسے بھی اسلام نے ۷۲ گھنٹوں سے زائد سوگ منانے کو ممنوع قرار دیا ہے۔
کون ہے جو اپنی زندگی میں مشکلات اور مسائل کا سامنا نہیں کرتا۔۔۔؟؟ ہر کوئی مصیبتوں کا شکار ہوتا ہے۔۔۔ہر ایک کو اپنی تکلیفیں خود اٹھانی پڑتی ہیں۔۔۔اپنے لیے خود لڑنا پڑتا ہے، ہر چیز کا مقابلہ خود ہی کرنا پڑا ہے۔"
بابا جانی یا آپ۔۔۔۔۔اپنے بزنس پارٹنر کے کاروباری حصہ دار بن سکتے انکے غموں کے نہیں۔
یہ بات اگر آپ سمجھ لیں تو شاید آپکے بزنس پارٹنر خود کو سنبھالنے کے قابل ہو جائے۔
سنگینی سے بات کرتے ہوئے آخر پر نیہان کے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔
دوسروں کی تکلیف کا احساس تھا مگر ہر حال اسے اپنا باپ نظروں کے سامنے بھی چاہیئے تھا۔
وہ ہتھے سے اکھڑتی حیدر نے فون سپیکر سے ہٹا کر کان سے لگایا اور زوریز سے فاصلہ اختیار کیا۔

ارے بس بس اتنی بڑی بڑی باتیں کر کے اپنے انکل کی نیند چھومنتر کرنے کا ارادہ ہے کیا۔
حیدر نے بظاہر تمسخرانہ انداز سے سوال کیا۔
نہیں بھئی حقیقت سے آشنا کرنے کی کوشش میں آپکو گھر بلانے کا چھوٹا سا منصوبہ ہے بس۔
نیہان نے ہنستے ہوئے خوشدلی سے کہا۔
جواب سن کر دوسری طرف خاموشی کے ساتھ چہرے پر سنجیدگی بھی پھیل گئی۔
انکل۔۔۔۔
نیہان نے بڑی محبت سے پکارا۔
بیٹا ہم ایسے واپس آ گئے تو ہمارے یہاں اتنے دن رہنا نہ رہنے کے برابر سمجھا جائے گا۔
اور ہماری تین مہینوں کی محنت یونہی رائیگاں چلی جائے گئی۔
اسطرح بزنس کا بہت نقصان ہو گا۔۔۔جو ہم بالکل نہیں چاہتے۔۔۔۔
حیدر نے زوریز کو دیکھتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

کیا مطلب انکل آپ کہنا کیا چاہتے ہیں کھل کے بتائے پلیز کہ کب تک واپسی ممکن ہے آپکی۔۔۔؟؟؟

نیہان نے بے چینی و پریشانی کے عالم میں سوال کیا۔

ہمیں دو، تین دن کی مہلت د۔۔۔

ٹھیک ہے انکل۔۔۔۔

تین دن سے ایک دن نہیں اوپر ہونا چاہیے ورنہ میں روٹھ جاؤں گی آپ سے اور بابا جانی دونوں سے۔۔۔

حیدر علی بول رہا تھا جب نیہان نے اسکی بات کاٹتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں اپنی بات رکھی۔

ٹھیک ہے بیٹا میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ دو دن کے اندر یہاں کے سارے کام ختم ہو جائے تا کہ جلد از جلد ہماری گھر واپسی ممکن ہو سکے۔

حیدر نے اطمینان سے کہہ کر نیہان کو مطمئن کیا۔

تھینک یو تھیک یو سوووووووووچ انکل آپ واقعی میں بہت اچھے ہیں۔

نیہان نے اپنی جگہ بیٹھے اچھل کر خوشی سے لبریز لہجے میں کہا۔

اس بات کا زوریز یا روبی کو پتہ نہیں چلے بیٹا ورنہ سپرائز خراب ہو جائے گا۔۔۔

حیدر نے قدرے مایوسی سے کہا۔

بالکل بھی پتہ نہیں چلے گا آپ بے فکر رہیں۔

نیہان نے خوش مزاجی سے بولی۔

ہمم۔۔۔

حیدر علی نے کچھ سوچتے ہوئے ناک سے آواز نکالی۔

بہت شکریہ انکل اب آپ سو جائے۔

اور بابا سے بات لازمی کروا دیجئے گا کل۔

نیہان نے تشکرانہ انداز میں کہتے ہوئے ایک اور خواہش کی۔

ان دو دنوں میں مجھے اتنے کام ختم کرنے ہیں کہ میرے پاس سر کھجانے کا ٹائم۔۔۔۔

ہاں ہاں ٹھیک ہے انکل میں سمجھ گئی سوائے گھر آنے کے آپ اور کسی بھی چیز کی فکر نہیں کریں۔ ویسے بھی میری باقاعدگی سے بابا جانی سے بات ہوتی ہے۔۔۔ وہ خود کال کر لیں گے ورنہ میں کر لونگی۔

آپ بے فکر ہو کر سو جائے۔۔۔ اور۔۔۔۔ ایک دفعہ اور بہت شکریہ آپکا انکل۔

نیہان نے اپنی طرف سے بات کو نیا ڈھنگ دیتے ہوئے ترنگ لہجے میں کہا۔

ہمم۔۔۔۔ ہمم۔۔۔ سہی ہے گڈ نائٹ بیٹا۔

حیدر علی نے پریشانی کے عالم میں کہتے ہوئے فون کان سے ہٹایا اور ایک بار پھر زوریز کی سمت دیکھا جو اب گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

گڈ نائٹ انکل۔

نیہان نے خوشدلی سے کہا اور فون کاٹ کر اپنے پیازی لبوں سے لگا لیا۔

نیہان سو رہی تھی جب ہاجرہ بی نمازِ فجر کیلئے اٹھیں۔۔

انکی وجہ سے نیہان کی نیند میں خلل پیدا ہو تا یہ سوچتے ہوئے وہ وضو کر کے ساتھ والے کمرے میں نماز ادا کرنے کے لیے چلے گئیں۔

نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کر کے یونہی وہ فارغ ہوئیں۔

نیہان کے کمرے کیطرف بڑھیں۔

اٹھ گئی ہماری شہزادی صاحبہ۔۔۔؟؟

نیہان کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ اور اطمینانیت دیکھ کر ہاجرہ بی نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

ہاجرہ بی کی آواز پر اسنے فوراً دروازے کی سمت دیکھا۔

جی ہاں اٹھی گئی آآآآ آپکی شہزادی بوا جی۔

نیہان نے نہایت عمدہ انداز سے کہا۔

موڈ بڑا اچھا لگ رہا ہے میری بیٹی کا کوئی خاص وجہ ہے کیا۔۔۔؟؟

ہاجرہ بی نے اُسکے پاس پہنچ اسکے ماتھے کو ہاتھ لگا کر سوال کیا تو نیہان نے انکا ہاتھ اپنے ماتھے سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں لیا اور پر جوشی سے اثبات میں سر ہلایا۔

میری حیدر انکل سے بات ہوئی۔

چلو یہ تو اچھا ہی ہوا کہ تم مطمئن ہو گئی۔

ہاجرہ بی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہاں بہت اچھا ہوا۔نیہان نے اپنی مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

چائے پیوں گی۔۔۔؟؟

نیہان کا بخار اتر چکا تھا موڈ اچھا ہونے کے باعث اسنے ابھی تک کل رات یا اس خواب کا ہاجرہ بی سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

نہ ہی ہاجرہ بی اس بارے میں ذکر کر اسکے موڈ کا ستیاناس کرنے کا ارادہ رکھتی تھی اسی لیے صبح صبح ہی خود کو کام میں مصروف کرنا چاہتی تھی۔

ہاں جی پیوں گی۔۔!!ٹھیک ہے ابھی بنا کر لاتی ہوں۔

نیہان نے مثبت جواب دیا تو ہاجرہ بی اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھی اور جانے لگی۔

ارے مجھے بھی لیں جائے بھئی۔۔۔میں کیا کروں گی اکیلی اس کمرے میں۔۔۔؟؟

آرام۔۔۔!!

نیہان کی آواز پر ہاجرہ بی نے پلٹ کر جواب دیا۔

مجھے نہیں کرنا آرام ورام۔۔۔اسنے اکتاہٹ سے کہا تو ہاجرہ بی کے بھویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

اور کتنا کروں آرام۔۔۔۔؟؟؟ تین دن سے اس قید خانے میں بند آرام ہی تو کر رہی ہوں۔نیہان نے خراب موڈ کیساتھ قدرے خفگی سے کہا۔

مگر بیٹا تمھارا پیر۔۔۔؟؟ہاجرہ بی نے اسکے پاؤں کیطرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

اس پیر کی وجہ سے مجھے اپنے ہی کمرے سے کوفت ہونے لگی ہے۔

نیہان نے اپنی بڑی آنکھوں میں بے پناہ اداسی سموئے نظریں کمرے کے چاروں اطراف دوڑاتے ہوئے قدرے بیزاری سے کہا۔

ملازمین کے سر پر کھڑے ہو کر کام کروانا پڑتا ہے بیٹا۔۔۔

میں جانتی ہوں بوا جی۔۔۔۔

ہاجرہ بی کی مقدور بھر کوششیں دیکھ نیہان ناخوشگواری سے بولی۔

میں مصروف ہو جاؤں گی تو میری شہزادی کو کمپنی کون دے گا۔۔؟؟

کیونکہ باقی گھر والے تو سو رہے ہیں ابھی تک۔

اچھا۔۔۔!؟

ہاجرہ بی کی بات سن کر ایسی بد قسمتی پر وہ چھوٹا سا منہ بنائے زیرِ لب بولی پھر ہاجرہ بی کی سمت متوجہ ہوئی۔

باہر دیکھئے کتنی پیاری صبح ہے میں لان می۔۔۔

بالکل نہیں۔۔۔۔ تازہ گھاس دیکھ کر عادتاً ننگے پاؤں ٹہلنے کا دل کرے گا تمھارا۔

ہاجرہ بی نے پہلی فرصت میں ہی اسے منع کر دیا۔

جوگینگ، ٹہلنا، صبح سویرے گانے سننا سب تو ممنوع کر دیا آپ نے میرے لیے۔۔۔ ایسے کریں بابا کی سٹڈی روم میں لے چلیں کوئی اسلامی کتاب ہی پڑھ لونگی۔

اچھا آؤ۔۔۔ جاتی ہوں لے کر۔۔۔

نیہان منہ بسور کے قدرے ناراضگی سے بولی تو ہاجرہ بی مسکرا کر کہتے ہوئے اسے سہارا دیا۔

سٹڈی روم کے وسط میں از حد عالیشان ڈبل سیڈیڈ صوفہ شمال اور جنوب کی اطراف میں پڑا تھا جو خود ہی اپنی قیمت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ہاجرہ بی نے نیہان کو صوفے پر بیٹھا کر اسکی کہے کے مطابق نیلی رنگ کی کتاب اسے تھمائی اور چائے بنانے کیلئے کچن میں چلے گئیں۔

ہاجرہ بی پڑھی نہیں تھیں۔۔ اِسلئے انہوں نے جو اسلامی کتاب سمجھ کر نیہان کو دی اصل میں وہ ناول تھا۔

نیہان اس بات سے بے خبر کہ صوفے کی دوسری طرف حنظلہ سو رہا ہے ناول پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔

"حد ہے یار یہ لڑکا بھی بڑا ہی کوئی بیوقوف قسم کا انسان ہے۔۔۔ اتنی دیر لگا کر اظہارِ محبت کرے گا تو ظاہر ہے اُس بچاری معصوم لڑکی کے جذبات ویسے ہی مر جاتے ہیں"

وہ غصے میں خود کلام تھی اور یہ اسکی ہمیشہ کی عادت تھی کہ اسے غصے میں بات کرنے کیلئے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ وہ خود ہی کافی تھی اسکے لیے۔

حنظلہ کی آنکھ بڑبڑاہٹ کی آواز سن کر کھلی جو صوفے کی مخالف جانب سے آ رہی تھی۔ وہ جمائی لیتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا پھر نیہان کی بڑبڑاہٹ بغور خاموشی سے سننے لگا۔ جبھی نیہان نے خود پر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس کی تو گھبراتے ہوئے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

حنظلہ نے بلیک شیٹ پہنے اسکی آستین کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھیں جس میں اسکے مضبوط ہاتھ قدرے چھلک رہے تھے جبکہ ماتھے پہ بکھرے بے ترتیب بال اس پر اچھے لگ رہے تھے مگر پیشانی پر لاتعداد شکنیں پڑی ہوئی تھیں کیونکہ نیہان کی باتیں بغور سن کر اسے اپنی پڑ گئی تھی۔

دوسری طرف نظروں کے تعاقب میں حنظلہ کا چہرہ دیکھ کر نیہان کے چہرے سے گھبراہٹ کئی غائب ہو کر اسکی جگہ خرمی و فرحت کے تاثرات اُمڈ آئے تھے۔

باہر سے آتی ہلکی چرچراہٹ اور کھڑپٹر کی آواز سے یونہی حنظلہ کا طلسم ٹوٹا اور وہ نیہان کی سمت متوجہ ہوا۔

شکر ہے بخار اتر گیا تمھارا۔

اپنی سوچوں میں گم اسے حنظلہ کا ہاتھ اپنے ماتھے پر محسوس ہوا۔ جواب غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ حنظلہ کی سرخ سوجی ہوئی آنکھیں اور بکھرا بکھرا سا حلیہ اسکے رات بھر جاگنے کی چغلی کھا رہی تھی۔

تم یہاں۔۔۔ دونوں ہی ہم آواز دھیرے سے بولے۔

ہاں وہ۔۔۔۔ دوبارہ ہم آواز بولے۔

کیسے آئی تم یہاں۔۔۔؟؟؟ حنظلہ نے حیرت سے پوچھا۔

ظاہر ہے اللہ نے پاؤں دیئے ہیں۔۔۔ ویل چیئر پر بیٹھ کر آنے سے تو رہی اب میں۔ نیہان نے ناول صوفے پر پھینک کر جلے کٹے لہجے میں کہا۔

اللہ نے تمہیں پاؤں دیئے ہیں میں بھی جانتا ہوں مگر تمھارا ایک پاؤں مڑ۔۔۔

پاؤں مڑا ہے ٹوٹا نہیں۔۔۔ شکر الحمدللہ چلنے کے قابل ہوں میں۔

وہ بات کر رہا تھا جب نیہان نے اسے ٹوک کر قدرے بیزاری دوٹوک جواب دیا۔

یہ کیسے بات کر رہی ہو تم میرے ساتھ۔۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے قدرے حیرانگی سے سرد لہجے میں پوچھا۔

کک۔۔ کی۔۔ کیسے۔۔۔؟؟ نیہان نے پلکیں جھپکاتے ہوئے الٹا اسی سے سوال کیا اور اپنا رخ سامنے کی جانب بدل لیا۔

یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ یہ کیسے بات کر رہی ہو تم۔۔۔؟؟

حنظلہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو کے اسکی جانب قدم لیتے ہوئے مدھم آواز میں نرمی سے اپنی بات دہرائی۔

کمرے میں رہ رہ کر دم گھوٹ رہا تھا میرا۔۔ مگر کسی کو میری پرواہ ہو تو۔۔

اتنا دل کر رہا تھا میرا۔۔۔ باہر لان میں جھولا جھولنے کا مگر بوا جی نے باہر جانے سے صاف انکار کے دیا بولا کہ میں ٹہلنے لگ جاؤں گی۔۔۔

میں نے سوچا کوئی بات نہیں ادھر بیٹھ کر کوئی کتاب ہی پڑھ لیتی ہوں۔۔۔ مگر یہاں، یہ، یا، یہاں آنے پر بھی۔۔۔۔ کئی سوال کھڑے ہو گئے میرے لیے۔

حنظلہ کا یکایک سرد گرم رویہ دیکھ نیہان روہانسی ہو کر اپنی ہی دھن میں شروع ہو گئی۔

جبکہ حنظلہ ہولے سے نیہان کے زیرِ سایہ اسکے قدموں میں چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔۔۔ پُر مفہوم اور مثبت مسکراہٹ اسکے عنابی لبوں پر رقصاں تھی جبکہ چہرے پر پوشیدہ جذبہ محبت کے کچھ نرالے ہی رنگ دمک رہے تھے۔

نیہان ہم سب تمھاری فکر کرتے ہیں۔۔۔ حنظلہ نے شائستگی سے کہا۔

وہ اپنی جگہ ساکن، حیران و ششدر رہ کر اسے اپنے قدموں میں بیٹھا دیکھ پلکیں جھپکانا تک بھول گئی تھی۔

وہ۔۔۔ اسکے قدموں میں بیٹھا تھا۔۔۔۔ جو اپنی طرز کا ایک مکمل جہاں تھا۔

وہ اس شوخ چنچل شہزادی کے قدموں میں بیٹھا تھا جس سے کبھی اسے عجیب سی چڑ ہوا کرتی تھی مگر اب بالکل بھی نہیں تھی۔

تت۔۔۔ تت۔۔ تم اٹھو۔۔۔ اٹھو نیچے سے۔۔۔

حنظلہ کا ایک نیا روپ دیکھ وہ بے یقینی کیفیت میں ہکلاتے ہوئے بولی۔

تم نے سنا میں نے کیا بولا۔۔۔؟؟

حنظلہ نے گھمبیر اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں قدرے نرمی و ملائمت سے پوچھا۔

کسی کو کوئی فکر کوئی پرواہ نہیں ہے میری۔ نیہان کرخت لہجے میں کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی مگر اپنے بازو پر حنظلہ کی گرفت محسوس کی تو دوبارہ اپنی جگہ پر ڈھ گئی۔

اور ایسا کس نے کہا تم سے کہ کسی کو تمھاری فکر تمھاری پرواہ نہیں۔۔۔؟؟ حنظلہ نے آہستگی سے پوچھا۔

میں کسی کی بات نہیں کر رہی حنظلہ۔۔۔ میں تمھاری بات کر رہی ہوں۔

اس بار وہ کسلمندی سے بولی۔۔۔ تو اچنبھے سے حنظلہ کی بھویں آپس میں جڑ گئیں۔

میری بات۔۔۔۔؟؟؟؟ حنظلہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

کچھ لمحے خاموشی کے نام ہوئے۔

شاید تم مجھے جانتی نہیں ہو کہ میں کتنا سنجیدہ اور کس حد تک متفکر ہوں تمھارے لیے۔۔!! حنظلہ نے رومانوی انداز میں نرمیت سے کہا۔

کبھی تپتی دھوپ تو کبھی گھنی چھاؤں سے تمھارے نرم گرم رویے کی سمجھ نہیں آتی مجھے۔۔۔ نیہان نے غمگین ہو کر کہا۔

تمھارا غصّہ، سخت ناراضگی، روٹھنا پھر خود ہی مان جانا۔۔۔

میرا غصّہ، میری ناراضگی تمہیں تکلیف میں دیکھنے پر مجھے مجبور نہیں کر سکتی نیہان۔۔۔

وہ بول رہی تھی جب حنظلہ نے اسکے شفاف اور نرم و نازک ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی نرم گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔

میں جانتا ہوں اسے دن میرے غصے کی شدت نے تمہارے دل میں جو وہم ڈالا ہے نکالنا مشکل ہے مگر وہ سب تمھاری ہی فکر میں تھا نیہان۔۔۔

میں تمھارا منگیتر ہوں اس لحاظ سے تمھاری حفاظت میری زمے داری ہے۔

تم میری ایسی کسی بھی بات کی پابند نہیں ہو جو تمہیں ٹھیک نہیں لگتی بلکہ تم میری کسی بھی بات کی پابند نہیں ہو۔۔ کیونکہ تم میری منگیتر ہی نہیں کزن بھی ہو بلکہ ہم بہت اچھے دوست بھی ہیں۔

حنظلہ نے گوہر افشانی کر کے آخر پر اپنا سر گرا لیا۔ جبکہ نیہان کھوجتی نظروں سے اسکے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

دوستی کی تھی تم نے مجھ سے ریسٹورنٹ میں یاد ہنہ۔۔۔؟؟

سر جھکائے حنظلہ نے سوالیہ انداز میں یاد کروانا چاہا۔

نیہان نے سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دی تو حنظلہ دھیرے سے مسکرایا۔

اب سر اٹھا کر اسنے نیہان کے چہرے کو بغور دیکھا۔۔۔ پھر یونہی کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہوئے۔

میری نزدیک دوستی سے زیادہ کچھ اہم نہیں۔۔۔۔

میں نے انتہائی تحمل مزاجی سے تمہیں گاڑی میں بیٹھنے کا بولا تھا۔

تمھارے کزن ہونے یا کسی اور منسوب کیے رشتے کے حیثیت سے نہیں بلکہ ایک دوست ہونے کے ناطے میں نے تمہیں منع کیا تھا اس جاہل انسان کے قریب جانے سے جو شکل سے ہی بے غیرت نظر آ رہا تھا۔

حنظلہ نے دانت بھینچ کر بے غیرت لفظ پر زور دیا۔

تم نے ہماری دوستی کا بھرم نہیں رکھا نیہان۔۔۔۔۔

حنظلہ نے نیہان کی بھوری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سخت نالاں ہو کر کہا۔

ایک ہی جست میں میری گرفت سے آزاد ہو کر تم اسکی طرف بھا۔۔۔

میرے کہنے پر جب تم ہائی سٹڈی کا بہانہ کر ابروڈ چلے گئے تھے۔۔۔

میری پھر ان بچوں سے لڑائی ہوئی تھی۔۔۔میں نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا مگر میرا دل بہت کچھ کرنے کا کہہ رہا تھا۔۔سکول میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو میری طرف تھا۔۔۔سب ایک طرف تھے اور میں اکیلی ایک طرف تھی۔

ان سب کے تضحیک و تحقیر آمیز جملے، ملامت بھری نظریں اور طنزیہ مسکراہٹ۔۔

میری برداشت بس اتنی ہی تھی کہ میں وہاں سے بھاگ گئی۔۔۔

پھر میرے پیچھے فلک شگاف قہقہے بلند ہونے لگے۔۔۔جتنا تیز میں بھاگ رہی تھی اتنی ہی تیز انکے تکلیف دہ الفاظ میرا پیچھا کرتے میرے کانوں پر بجلیاں گرا رہے تھے۔میں مسکین ہوں میری ماں نہیں اور تم بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔۔یہ،وہ۔۔میرے لیے لڑنے والا میرے ساتھ کھڑے ہونے والا اب کوئی نہیں۔۔میں اچانک دوڑتے دوڑتے گر گئی۔۔۔میرے ہاتھ چھل گے تھے۔

یکدم خاموش ہوتے ہی اسنے سسکی بھر کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا جو حنظلہ کے ہاتھوں میں سختی سے پیوست تھے۔

حنظلہ کی آنکھوں میں نمی دیکھ نیہان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

میرے ان زخمی ہاتھوں سے خا۔۔۔۔۔خُ۔۔خون۔۔۔۔بہتا ہوا۔۔۔می۔۔۔می میرے۔۔۔ی۔۔یِ۔۔یویونیفارم کی۔۔۔سا۔۔۔سس۔۔۔سفید شرٹ کو لال رنگ میں بدلنے لگا۔۔۔

باب نمبر 49

نیہان نے دوبارہ خاموش ہو کر سرد آہ بھری اور زبردستی خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

مجھے چوٹ لگی تھی، درد ہو رہا مگر کسی کو کوئی فرق پڑ رہا تھا۔۔۔۔

فرق پڑتا بھی کیوں سبھی کو میری حالت دیکھ کر مزہ جو آرہا تھا۔۔۔۔

ویسے میری حالت دیکھنے والی تھی۔۔۔اس بار اسنے ہلکا سا مسکرا کر ملول لہجے میں کہا۔حنظلہ نے آنسوں سے بھری آنکھیں اٹھا کر نیہان کے زرد چہرے کو دیکھا جس پر ماں سے جدائی کا دکھ رقم تھا۔

پتہ ہے خون کو دیکھ کر میں پاگل ہو گئی تھی۔۔۔

کیونکہ اچانک مما کا خون میں لت پت وجود میری نظروں کے سامنے گردش کرنے لگا پھر گردش کرتا چلا گیا۔۔۔

یونہی میں زاروقطار روتے ہوئے مما کو پکارتے پکارتے بیہوش ہو کر گر گئی۔نیہان کی بات سن کر آنسوں حنظلہ کی آنکھوں میں زیادہ دیر قید رہ سکے۔۔۔اور اسکے رخسار پر بہتے ہوئے ٹپ ٹپ نیہان کے ہاتھوں کی پست پر گرنے لگے۔

میں بیہوش تھی جب مجھے میرے ہاتھ پر مانوس سا لمس محسوس ہوا میں نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھولیں تو مما کو سامنے پا کر رونے شروع کر دیا۔

مما نے نہایت شفقت و محبت سے میرا آنسوں سے تر چہرہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

وہ میرے ساتھ ہیں اور ہمیشہ رہے گی۔۔۔ مما کی آواز سن کر مجھے بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی میرا دل کر رہا تھا بس وہ بولتی رہے اور میں انکی میٹھی آواز سنتی رہوں۔

(نیہان روتے ہوئے مسکرا کر بولی تو حنظلہ کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکان در آئی)۔

میں خاموشی سے انہیں سن رہی تھی۔انہوں نے محبت سے مجھے پکارا۔

میں نے انکی طرف دیکھا تو وہ پوچھنے لگی کہ۔۔۔

|||[ماضی]|||:----

تم ان بچوں سے ڈر کر بھاگی کیوں تھی۔

شفقت بھرے لہجے میں نرمی سے پوچھا گیا مگر وہ خاموشی سے سر گرے بیٹھی رہی۔ ارمینہ ہنوز منتظر نگاہوں سے اسے کچھ لمحے دیکھتی رہی پھر سانس خراج کر کے مصنوعی خفگی سے بولی۔

”غلط اور ڈر کا۔۔ڈھٹ کر مقابلہ کرنے سے آپکی برداشت۔۔۔ کبھی جواب نہیں دیتی۔۔۔اس بناء پ۔۔۔۔

مما برداشت کی بھی ایک حد ہوتی اور کوئی بھی انسان حد سے بڑھ کر برداشت نہیں کرتا۔

قدرے چیختے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھی۔

میں بھاگی ضرور تھی مگر کسی کے ڈر سے نہیں۔۔

نیہان نے ارمینہ کے سر پر کھڑے اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے آزردہ لہجے میں کہا۔

ارمینہ اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے اسکے روبرو کھڑی ہوئی۔

میں نے اس حقیقت سے بھاگنے کی کوشش کی تھی جسے تسلیم کرنا میری برداشت سے باہر تھا مما۔

نیہان نے نظریں اپنے پیروں پر جمائے سسک سسک کر کہا۔

آپ ایک مضبوط لڑکی ہو بیٹا۔۔۔

آپکو تو پتہ ہونا چاہئیے کہ ہر مسئلے کا حل بھاگنا بالکل نہیں ہوتا۔۔۔

ارمینہ نے اسے شانوں سے تھام کر محبت و ملائمت سے کہا۔

میں نے، آپکے باباجانی نے ہمیشہ آپکو یہی سکھایا ہے کہ۔۔۔

حقیقت سے فرار کی بجائے، حقیقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ہی آپکو بہادر بناتا ہے۔

میں کیسے مان لوں مما۔۔ کہ آپ میرے ساتھ نہیں۔۔۔کیسے مان لوں میں اس حقیقت کو جسے تسلیم کرنے سے میرا دل اور دماغ تک انکاری ہیں۔۔بتائے مجھے۔۔؟؟

ارمینہ نے دریادلی سے جیسے ہی اپنی بات مکمل کی نیہان نے اضطرابی کیفیت میں فوراً سوال کیا۔

نیہان میں آپکے ساتھ ہوں، اور تب تک رہونگی جب تک میری یادیں آپکے دل و دماغ میں محفوظ ہیں بیٹا۔۔۔

ارمینہ نے بارہ سالہ مجروح لڑکی کی گلابی پیشانی پر آئی آوارہ لٹ کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے آہستگی سے اسکے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے نہایت تحمل مزاجی سے شفقت بھرے لہجے میں کہا تو اسکے ماتھے پر کئی شکنیں ابھرتی ہوئی روبرو کھڑی پُرسکون ارمینہ کو دکھائی دیں۔

گزرے ہوئے لوگ اور وقت۔۔۔یادیں تو انکی ہوتی ہیں نہ مما۔۔

نیہان نے معصومانہ انداز سے کہا تو ارمینہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

.You know you are my whole universe

.....You are the best mother, best friend, the best comfort in difficult times

وہ ایک ہی سانس میں شفاف الفاظ استعمال کرتے ہوئے حقیقت کو ظاہر کر کے یکدم خاموش ہوئی۔

سب کچھ تو آپ ہیں میرے لیے۔۔۔

آپکے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں مما۔۔۔

نیہان نے کھسیانی آواز میں مرجھاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

You tell me... How can I face these bad situations and bad people? How can I believe that you have left me ?while you are standing in front of me and talking with me

نیہان نے سائیڈ ٹیبل پر ڈھ کر ہاتھوں میں سر گرائے زار و قطار روتے ہوئے سوال پر سوال اٹھائے۔

آپکے ساتھ کوئی کھڑا ہو یا آپکے ساتھ کوئی بھی نہ ہو۔۔۔

دونوں ہی صورتوں میں آپکو مشکل وقت، برے حالات اور غلط لوگوں کا سامنا اکیلے ہی کرنا پڑتا ہے کیونکہ آپ خود ہی اپنے لیے ایک بہترین دوست، بہترین دنیا اور مشکل وقت میں وہ دلاسہ وہ تھپکی ہے جو آپکو کبھی ہارنے نہیں دیتی۔

ارمینہ نے سنگینی و شائستگی سے لفظ بہ لفظ ٹھہراؤ سے کہا تو نیہان نے متورم آنکھیں اٹھا کر اپنی ماں کے منور چہرے کو گہری نظر کے حصار میں لیا۔

دوسری طرف حقیقت تسلیم کرنے کا انکاری اللہ عزّوجلّ کے معاملات میں مداخلت کی تابمقدور کوششیں کرتا ہوا اپنے ہی کندھوں پر گناہِ کبیرہ کا بوجھ ڈال رہا ہوتا ہے۔

اپنوں کی جدائی کے کرب میں لوگ خود کو گنہگار کرتے ہوئے اپنوں کی خوبصورت یادوں کی چمک ختم کرنے کی غلطی پر ہوتے ہیں بیٹا۔

ارمینہ نے ضبط و برداشت، اور مضطربانہ انداز میں کہا تو اس معصوم لڑکی نے شرمندگی اور پشیمانی کے باعث نکلنے والے اپنے آنسو چھپانے کیلئے ایک بار پھر سے نظریں چرائیں۔

اپنے اندر کے ڈر کو ختم کرو اور مقابلہ کرنا سکھوں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کڑوی حقیقت کے سامنے کمزور پڑ کے لوگوں سے ہار جائے۔

ارمینہ نے شفقت بھرا ہاتھ بیٹی کے سر پر رکھ کے مناسب الفاظ میں فہمیدگی و سرت سے سمجھنا چاہا جبکہ وہ لڑکی تاہنوز چشم پوشی کر رہی تھی۔

ایسے تم خود کو اذیت میں مبتلا کر کے مجھے تکلیف پہنچا رہی ہو بیٹا۔

ارمینہ نے بھرائی آواز میں عاجزانہ کہہ کر آخر دفعہ پھر سے نیہان کی پیشانی پر پیار کیا۔

م۔۔۔مم۔۔۔ما۔۔نیہان نے بمشکل زیرِ لب ماں کو پکارتے یونہی سر اٹھایا تو مجسمے کیطرح ساکت اس سمت دیکھتی رہی جہاں کچھ لمحے پہلے ارمینہ کا عکس موجود تھا۔

مما۔۔۔۔۔۔دوبارہ ماں لفظ اسکے خشک لبوں پر پھڑ پھڑایا اور وہ بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھی اور متلاشی نگاہیں کمرے میں دوڑاتے ہوئے قدرے بے چینی و بیقراری سے اپنی ماں کو پکارنے لگی۔

کچھ ہی لمحوں میں جب اسے احساس ہوا کہ ارمینہ کہیں نہیں۔۔۔تو چہرے پر ہاتھ رکھے وہ مایوسانہ انداز سے منہ کے بل بیڈ پر گر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"""(اپنے اندر کے ڈر کو ختم کرو اور مقابلہ کرنا سکھوں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کڑوی حقیقت کے سامنے کمزور پڑ کے لوگوں سے ہار جائے)"""

اشکباری میں یکایک ارمینہ کے جملوں اسکے سماعتوں سے ٹکرانے لگے۔

زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔۔۔اچانک حادثہ کسی کی بھی موت کا سبب بن سکتا ہے۔ ویسے بھی۔۔۔حکمِ الٰہی کیطرف سے جو کچھ ہے اسے گوارا کرنا ہی پڑتا ہے۔۔۔

بیشک قادر کے حکم کی سرکشی کسی کے اختیار میں نہیں۔۔۔"

نیہان نے اپنے آنسوں کو ضبط کرنے کی ناکام کوشش میں بلند ہمتی و خود آگہی سے کہا۔

ششش۔۔۔۔خاموش ہو جاؤ۔۔۔حنظلہ سرد آہ بھر کر زیرِ لب گویا ہوا۔

میری وجہ سے مما کی روح کو تکلیف نہ پہنچے۔۔۔اسلئے میں نے لڑنا سیکھ لیا۔۔۔

نیہان نے قدرے مہارت سے مسکراتے ہوئے کہا تو حنظلہ جبر واختیار سے زرا سا مسکرایا مگر اپنے آنسوں کو آنکھوں کی قید میں رکھنے کی زیادتی نہ کر سکا۔

مجھے تمہاری سٹویشن سمجھنی چاہیئے تھی۔

مگر، میں، مم۔۔میں ووووہ۔۔۔

!!..I'm really sorry for my stupidity

مجھے ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہئے تھا۔۔

مگر وہ تمہارے بارے میں کیا بک۔۔۔

وہ تیزی سے بولتے ہوئے کچھ سوچ کر خاموش ہوا۔

میں اپنے غصے پر کنٹرول نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی خود کو تمھاری فکر سے باز رکھ سکتا تھا۔۔۔

تو کیا تم ہمیشہ میری اتنی ہی فکر کروگے۔۔۔؟؟

نیہان نے اسے ٹوکتے ہوئے مدھم آواز میں سوال کیا۔۔۔تو حنظلہ کی آنسوسے دھاندلی نگاہیں نے اشارۃً حامی بھری۔

اور غصّہ۔۔۔؟؟نیہان نے سوالیہ انداز میں کہا۔۔وہ پہلے کیطرح اب بھی خاموش رہا۔

کیا غصّہ بھی اتنا ہی کروگے۔۔۔؟؟

نیہان نے شتابی سے دوبارہ سوال کیا۔

نن، نن، نہیں، غا۔۔غغ۔۔غصّہ بالکل نہیں۔۔بالکل نہیں کروں گا۔

حنظلہ نے اسکے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے اسکے ہاتھ اپنے چوڑے سینے پر رکھے اور بمشکل الفاظ کو ترتیب دے کر قدرے بیقراری سے جواب دیا۔

یونہی حنظلہ کی زبان تالو سے چپکی اطراف میں خاموشی پھیل گئی۔

دونوں کی مضطرب نگاہیں قدرے بیباکی سے ایک دوسرے کے گلرنگ چہروں کا طواف کرنے لگیں۔

حنظلہ کی ارغوانی آنکھوں سے آنسو نکل کر اسکے رخسار پر قطار کی صورت بہہ رہے تھے جو تھوڑی سے ہو کر نیہان کی بازو پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

نیہان حنظلہ کے ہر اثر پذیری کی کیفیت سے واقف ہوتی جا رہی تھی۔

وہ اپنے تاثرات چھپانے میں ماہر تھا مگر نیہان کے سامنے اسکی ہر مہارت ناکارہ تھی۔کیونکہ وہ بے حد سنجیدہ خوبرو نوجوان جو کبھی کبھار مسکراتا تھا اس لاپرواہ لڑکی کی چاہت میں اب اکثر ہی فلک شگاف قہقہے لگاتا، اس نادان لڑکی کی مخمور آنکھوں میں اشک دیکھ کر اس سنگدل کا دل بجھنے لگتا۔اگر وہ روتی تو وہ بے اختیار ہو کر رونے میں اسکا ساتھ دیتا۔

وہ بالکل ہی بدل چکا تھا اپنے جذبات تک چھپانا بھول گیا تھا۔۔۔

اس بناء پر وہ ناسمجھ لڑکی آج پہلی بار روبرو بیٹھے لڑکے کے خیالات واحساسات کا ظہور، اس کی تمام ترمذبذبانہ باتیں، آنسوں سے بھری آنکھیں، ملول چہرہ، روکھے پھیکے تاثرات اور اداس طبیعت سمجھ رہی تھی۔۔۔

بغیر کہے وہ اسکی بے انتہا فکر و محبت اپنے لیے محسوس کرتی ہوئی بے یقینی سے مسکرا رہی تھی۔ جبکہ حنظلہ نیہان کے آفتابی چہرے کو محویت سے دیکھتے ہوئے کیا سوچ رہا تھا اور وہ کیا کہہ گیا تھا اسکی نفسیاتی حالت، دلی کیفیت اسکی اپنی سمجھ سے بالا تر تھی۔ حالانکہ اسکے بولنے کی صلاحیت تک اب مفلوج ہو گئی تھی۔

سوری۔۔۔ کچھ لمحے خاموشی کے نام کر کے بلا آخر دونوں ہی ہم آواز بولے اور خاموش ہو گئے۔ نیہان اب سر جھکائے دھیرے سے مسکراتی ہوئی آنسو بہا رہی تھی جبکہ ان کے گرد خاموشی گنگناتی ہوئی رقص کر رہی تھی۔

حنظلہ نے ترچھی نظروں سے بغور اسکے صبیح چہرے کو دیکھا۔۔ اسکے لبوں پر تبسم تھا جبکہ بڑی بڑی سرخ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ایسے گرتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے جیسے پتیوں پر سے شبنم کی بوندیں گر رہی ہوں۔

مجھے نہیں پتہ تھا کہ میری صبح کا آغاز بھی تمھارے آنسوؤں سے ہو گا۔

حنظلہ نے بھاری آواز میں مصنوعی طور پر کہا تو نیہان نے بے ساختہ بھیگی پلکیں اٹھا کر قدرے حیرانگی سے اسکی سمت دیکھا۔

ہاجرہ بی۔۔۔

ہاجرہ بی ہاتھ میں چائے کی ٹرے لئے سٹڈی روم کی جانب قدم بڑھا رہی تھیں جب روبینہ نے آواز لگا کر انہیں رکا۔

بب، بو، بوا جی آ رہی ہیں۔۔

نیہان نے قدرے خجالت و گڑبڑاہٹ سے اسطرح کہا جیسے اسکی کوئی چوری پکڑی جانے والی تھی۔

تو۔۔۔۔۔؟؟؟ کیا ہوا۔۔؟؟ بوا جی ہیں کوئی پچھل پیری تھوڑی ہے۔۔۔ جس کے آنے سے تم اتنا گھبرا رہی ہو۔

حنظلہ اپنی حالت و کیفیت سے انجان مزاحیہ انداز میں بولا۔

اٹھ گئی آپ۔۔۔؟؟؟ ہاجرہ بی نے پلٹ کر روبینہ سے پوچھا۔

جی کچھ دیر پہلے ہی اٹھی ہوں۔۔ روبینہ نے عام سے لہجے میں جواب دیا۔

اچھا۔۔ ہاجرہ بی نے جواب پاتے ہی رسماً مسکرا کر کہا۔

ہاجرہ بی میں نیہان کو دیکھنے اسکے کمرے گئی تھی مگر وہ اپنے کمرے میں نہیں دیکھی مجھے۔ روبینہ نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

جی باجی وہ سٹڈی میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی ہو گی۔ یہ چائے بھی میں اسکے لیے لے کر جا رہی ہوں۔ ہاجرہ بی جواباً اسکی پریشانی ختم کی۔

یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ نیہان اپنے کمرے سے باہر نکلی۔۔۔ آج بھی نہ نکلتی تو شاید گہری پریشانی اور بیماری کا شکار ہو جاتی۔

روبینہ نے قدرے شائستگی سے ذرا مسکراتے ہوئے کہا۔

بوا جی کی جگہ کوئی پچھل پیری بھی آ جائے مجھے گھبرانے کی کوئی۔۔۔۔ ضرورت نہیں گھبرانے۔۔۔۔۔ کی۔۔۔۔ ضرورت تو اس جن کو ہونی چاہئے جو ایک نازک لڑکی کے نرم و ملائم ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی سخت گرفت میں لیے اسکے قدموں میں بیٹھا ہے۔

نیہان نے بنا کسی تاثر کے الفاظ پر دباؤ اور وقفہ دیتے اسے آگاہ کیا۔

اوہ ہو ہاجرہ بی میں نے آپکو باتوں میں لگا کر نیہان کی چائے ٹھنڈی کر دی۔

روبینہ نے ماتھے پر ہاتھ مار کر قدرے مایوسی سے کہا۔

کوئی بات نہیں باجی آپ ایسا کریں سٹڈی روم میں جائے اسکے پاس بیٹھے میں آپ دونوں لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔

ہاجرہ بی میں نیہان کو باہر لے کر آتی ہم چائے لان میں بیٹھ کر پیے گے۔

وہ خود بھی بہت ضد کر رہی تھی باہر بیٹھنے کی۔۔ اچھا ہے، آپ اسے ساتھ لے کر چلیں۔۔۔۔ میں چائے لاتی ہوں۔

ہاجرہ بی کی بات ختم ہونے پر روبینہ نے سر کو اثبات میں ہلا کر سٹڈی روم کی جانب قدم بڑھائے۔

نیہان کی بات سن کر حنظلہ کی گرفت اسکے ہاتھوں پر ذرا ڈھیلی پڑی اور یونہی کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔

تو کیا ہوا۔۔؟؟ منگیتر ہو تم میری۔۔!!

حنظلہ نے یکایک سوال کیا اور قدرے پھرتی سے زرا مجوبانہ اور معشوقانہ انداز میں مسکراتے ہوئے دوسرا جملہ کہا۔

تمھاری منگیتر ہوں منکوحہ نہیں جو اس قدر بے حیائی سے میرے ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے سے لگائے میرے قدموں میں بیٹھے رونے میں میرے ساتھ دے رہے ہو۔

نیہان نے غصیلی نظریں سے حنظلہ کو دیکھتے ہوئے دانت بھینچے خفگی کے عالم میں کہا۔

بڑی ناانصاف اور ظالم لڑکی ہو۔۔۔

خود۔۔۔۔ دو دفعہ۔۔۔ میرے سینے سے لگ کر رو چکی ہو۔

جبکہ میں صرف۔۔۔ تمھارے ہاتھوں۔۔۔ کو سینے سے لگا کر رو رہا ہوں۔۔ پھر بھی تم ہو کہ مجھے طنز کر رہی ہو۔

حنظلہ نے لفظوں پر دباؤ ڈال کر رومانوی وڈرامائی انداز میں کہا۔

حنظلہ کی بات پر وہ خجلت اٹھاتے ہوئے اپنے احساس کو چھپانے کی کوشش میں کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

افففففف۔۔۔۔ ایسے نہ مجھے تم دیکھو۔۔۔ سینے۔۔۔۔ س۔۔۔۔۔

حنظلہ کے الفاظ منہ میں رہ گئے جب نیہان یکدم اپنے ہاتھوں کو اسکی ٹھوس گرفت سے آزاد کرواتے جزبز ہو کر اپنی جگہ سے اٹھی۔

تمہیں تو گانے بے حد برے لگتے تھے۔۔۔ تم اتنا بدل گے ہو، نن نہیں نہیں تم۔۔۔ بے شرم۔۔۔۔۔ بے۔۔۔۔۔۔ شرم ہو گئے ہو۔ نیہان نے غیظ وغضب اور تذبذب کا شکار ہو کر کہا تو حنظلہ کھکھلا کر ہنستے ہوئے اسکے قدموں سے اٹھا۔

"انسان بھی بڑی عجب شے ہے"

کسی کو۔۔۔۔۔ خاص کر کے۔۔۔۔ کسی اپنے کو آنکھوں کے سامنے روتا ہوا دیکھ نہیں سکتا۔۔۔۔

حنظلہ نے بلا تصنع آہستگی سے کہا۔ نیہان نے اسکی طرف دیکھنے سے پرہیز کیا۔

پتہ ہے کیوں۔۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنی سمت متوجہ کر کے سوال کیا۔

کک، کک۔۔۔ کو

نیہان دروازے کی آہٹ پر کان لگائے بول نہ سکی۔

کیوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔۔

اپنوں کے آنسو۔۔ پتھر دلوں کو۔۔ پگھلانے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔

تم "میری" "منگیتر، "میری" ہونے والی بیوی ہو۔۔۔۔

یعنی حال اور مستقبل میں تمھارے ذکر کے ساتھ ساتھ میرا ابھی تذکرہ کیا جائے گا۔

ایسی موجودہ حالت میں نیہان کو حنظلہ فضول گوئی کرتا ہوا محسوس ہو تا جبکہ حنظلہ کا بات بڑھا کر بیان کرنا کسی بڑے مقصد کے تحت تھا۔

بات کو پھیل۔۔

حنظلہ پلیز تم کئی چھپ جاؤ۔۔ دیکھنے والے کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ تم۔۔ رو رہے تھے۔۔ اور اگر کسی نے تم سے پوچھ لیا کہ تم کیوں رو رہے ہو تو کیا جواب دو گے۔۔؟؟

حنظلہ کو ٹوکتے ہوئے نیہان نے اپنی گہری چپی توڑ کے تیزی سے اپنے احمریں لبوں سے چند سوالیہ الفاظ کہے۔

تمھارا سب کچھ میرا ہے۔۔۔۔

تمھاری اداسی، خوشی۔۔۔۔ تمھاری مایوسی، مسکان۔۔۔۔ سب کچھ۔۔۔۔ تمھارے آنسو میرے اپنے ہیں۔۔۔۔ تمھارا سب۔۔۔ کچھ میرا ہے۔

کیونکہ تم میری ہو، میری بہت ہی۔۔۔۔۔۔۔ اپنی ہو۔۔

حنظلہ نے اسے تھوڑی سے پکڑ کر اسکا چہرہ اونچا کیا اور ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی محبت کا سحر اسکے کانوں میں پھونکا۔

اور اگر مجھ سے کسی نے پوچھا کہ میں کیوں رو رہا تھا تو میں کہہ دو کہ۔۔۔۔۔۔۔۔ "اپنی منگیتر" کی آنکھوں میں آنسوں دیکھ میرا دل بھی پگھل گیا جبکہ آنکھیں اپنے آپ آنسوؤں سے بھر آئیں "میری منگیتر" رو رہی تھی۔۔۔ تو اسلئے میں نے بھی رونا شروع کر دیا۔۔۔

نیہان۔۔۔۔۔۔

اسکے اظہار و جواب پر نیہان حیرانگی کی مورت بنے کھڑی اسے گھور رہی تھی روبینہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے پکارنے پر۔۔۔ نیہان کو اپنے اطراف میں بجلیاں گرتی محسوس ہوئیں۔

روبینہ دروازے پر قدم رکھتی نیہان نے ٹھیک وقت پر حنظلہ کو ایک ہی دھکے میں دروازے کے پیچھے دیوار سے لگا دیا کر چھپا دیا۔

نیہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نیہان کے چہرے کی اڑی ہوئی ہوائیاں دیکھ کر روبینہ کے الفاظ منہ میں دبنے کے ساتھ قدم دروازے پر ہی جم گے۔

جا۔۔ جج۔۔۔ جی۔۔ آنٹی۔۔۔ نیہان نے خوف و دہشت کے باعث جھوجری آواز میں کہا۔

کیا ہوا بیٹا۔۔۔؟؟ تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں لگ ہو۔۔۔؟؟

مم۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ آنٹی۔۔۔۔؟؟

نیہان نے جواباً سوال کیا۔

ہاں بیٹا تم۔۔۔ روبینہ نے سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔

نہیں آنٹی۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔۔ نہیں ہے۔

نیہان نے دروازے کے پیچھے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے حنظلہ کو شاہجی آنکھوں کے حصار میں قید ہوئے گڑبڑا کر کہا۔

روبینہ نے کچھ قدم اسکی جانب اٹھا کر اپنے اور اسکے درمیان فاصلے کی زرا کمی کی تو مارے گھبراہٹ کے نیہان کی رنگت زرد پڑنے لگی۔

روبینہ اب پریشان و حیران ہو کر کھوجتی نظروں سے اسکے چہرے کو تکنے لگی۔

دراصل آنٹی میں نہ ناول پڑھ رہی تھی۔۔۔ بیٹھے بیٹھے اور کچھ زیادہ پڑھنے کی وجہ سے میری آنکھیں اور ٹانگیں بہت تھک گئی تھیں۔۔۔ میں نے سوچا کچن میں ہاجرہ بی کے پاس چلتی ہوں۔۔۔ اٹھی ہی تھی کہ پاؤں میں درد شروع ہو گیا بس اسلیئے میں آپکو ذرا گھبرائی ہوئی نظر آرہی ہوں۔۔ ورنہ ایسی ویسی تو کوئی بات نہیں ہے۔

نیہان نے ایک ہی سانس میں مضطر اور ہیبت زدہ ہو کہا اور آخر پر حنظلہ کی سمت اچٹتی سی نگاہ ڈال کر سرعت سے روبینہ کی جانب متوجہ ہو گئی۔

اوہ ہو بیٹا اگر باہر آنا تھا تو ہاجرہ بی کو آواز لگا لیتی خود اٹھنے کی کیا ضرورت تھی جانتی بھی ہو کہ پاؤں ابھی ٹھیک نہیں ہوا۔۔۔ پھر بھی۔۔۔

آنٹی آپ پریشان نہیں ہوئے درد نہیں ہے اب۔۔۔

نیہان نے روبینہ کا سہارا لیتے ہوئے باہر کی جانب تیزی سے قدم اٹھائے۔

آرام سے بیٹا۔۔۔ روبینہ نے نیہان سے قدم ملاتے ہوئے اسے تاکید کی۔

حنظلہ ہنستے ہوئے دروازے کے پیچھے سے نکلا اور نظروں سے اوجھل ہوتے اس کے وجود کو دیکھتا ہوا صوفے پر اسی جگہ ڈھ گیا یہاں کچھ دیر پہلے نیہان بیٹھی ناول پڑھ رہی تھی۔

چلتے چلتے نیہان نے اپنی گال چومتی آوارہ لٹ کو کان کی پیچھے کرتے کنکھیوں سے حنظلہ کے دھندلے سے ڈھانچے کو دیکھا تو اسے اپنا دل کانوں میں ڈھکتا ہوا محسوس ہوا۔

(چاہت) حنظلہ نے ہاتھ میں ناول لیئے زیرِ لب اسکا عنوان کہا پھر نیہان کے غائب ہوتے وجود پر ایک میٹھی سی سرسری نگاہ ڈال کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سر گرائے دوبارہ سے ہنسنے لگا۔

فاصلہ قرب بنا، قرب بھی ایسا کہ مجھے
دل کی دھڑکن ترے قدموں کی صدا لگتی ہے

روبی آنٹی بتادے اسے کہ میرا پاؤں بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ مالش کرنے کی کوئی ضرورت۔۔۔۔

کیوں نہیں ہے۔۔۔۔ کوئی ضرورت مالش کرنے کی۔۔۔۔؟؟

نیم گرم پانی کی ڈولچی میں پاؤں رکھے وہ لان میں لگے جھولے پر بیٹھی سر پر کھڑے حنظلہ کی سمت دیکھ کر روبینہ سے مخاطب تھی۔ کہ ہاجرہ بی نے بات کے بیچ بولتے ہوئے سرعت سے سوال کیا۔

کیونکہ میرا پاؤں بالکل ٹھیک ہے نہ تو سوجن، نہ کوئی درد ہے۔

نیہان نے تیزی سے جواب دیتے ہوئے پانی سے اپنے پاؤں نکال کر تروتازہ ہرے خودرو نرم روئیدگی گھاس پر رکھے تو ہاجرہ بی کانچ کی چھوٹی کٹوری میں تیزی سے انگشتِ شہادت گھماتے ہوئے اسکی طرف بڑھیں۔

بوا جی مجھے دیں میں کرتا ہوں۔ حنظلہ کی جملے پر تینوں متحیر ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ نیم گرم تیل سے بھری کٹوری ہاجرہ بی سے پکڑ کے وہ نیچے بیٹھا۔
نیہان نے سر کو نفی میں ہلا کر اپنے پاؤں پیچھے کر کے اشارتاً اسے ایسا کرنے سے منع کیا۔۔ کیونکہ نیہان کو یہ ہرگز گوارہ نہ تھا وہ اسکے قدموں میں بیٹھے اسکے پاؤں کو چھوئے۔۔۔ حنظلہ نے زرا سا تیل ہاتھ میں نکال کر کٹوری گھاس پر رکھی۔ نیہان نے امید بھری نگاہ روبینہ کے چہرے پر ڈالی شاید ماں کے کہنے پر وہ رک سکتا تھا مگر روبینہ نیہان کے بالوں کو سہلانے میں مگن ہو گئی۔ روبینہ کیطرف سے ناامید ہو کر وہ ہاجرہ بی کی جانب دیکھنے لگی۔۔۔ اسی لمحے اپنے مرمریں پاؤں پر گرماہٹ کا احساس محسوس کرتے ہوئے اسنے یکدم نگاہیں حنظلہ کی سمت گھومیں۔۔۔ وہ اسکے دودھیا، نرم و نازک پاؤں پر اپنے ہلکے ہاتھ سے مساج کرنے میں محو تھا۔۔۔ حنظلہ کے لمس کی تپش اب اسکا دل پگھلا رہی تھی جبھی وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتے ہوئے دھیرے مسکرا رہی تھی جبکہ وہ چپ چاپ بیٹھا اپنے ہاتھ کو اسکے پاؤں پر مسلسل حرکت دے رہا تھا۔
وہ ہلکا سا سسکی تو حنظلہ نے نگاہیں اٹھا کر اسکی بڑی بڑی ساحر آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسکا پاؤں مروڑ کر ظلم کی حد کر ڈالی۔
نازک پاؤں سے درد کی اٹھتی ہوئی ٹیس نے اسے چیخنے پر مجبور کیا تو روبینہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اسے خود سے لگالیا۔ درد پر اپنائیت بھاری پڑی تو اسکی چیخ حلق میں ہی دب گئی مگر درد کی شدت اتنی تھی کے اسکی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر آئیں۔ اسے دیکھ ہاجرہ بی کا دل بھی پسیجنے لگا۔۔ حنظلہ زمین سے اٹھ کر روبینہ کے برابر کھڑا ہو گیا۔
ہاجرہ بی آپکی شہزادی کے پاس رونے کے سوا اور کوئی کام بھی ہے۔۔۔ جو یہ اتنے ہی اچھے سے کرتی ہے۔۔۔۔۔ ؟؟
نیہان کو تنگ کرنے میں اسے بہت مزہ آتا تھا اسلئے اسکے خراب موڈ کو موقع غنیمت جانتے ہوئے اسنے طنزِ ملیح انداز میں ہاجرہ بی سے سوال کیا۔۔۔
اسکے سوال پر وہ روبینہ سے جدا ہو کر تلملاتے ہوئے جھولے سے اٹھی اور حنظلہ کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی۔
کیا مطلب تھا تمھاری اس بات کا۔۔۔۔۔ میں سمجھ نہیں پائی۔
نیہان نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔
سمجھدار کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے جبکہ عقل کے دشمن کو بار بار سمجھانے پر بھی زرا برابر سمجھ نہیں آتی۔۔ سو تم تو رہنے ہی دو۔
عنابی لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں بھرپور شرارت لئے حنظلہ نے مصنوعی طنز سے کہا۔
کیا مطلب ہے تمھارا۔۔۔۔ کہ۔۔ میں عقل کی دشمن ہوں، مجھے سمجھ نہیں ہے، میں سمجھدار نہیں ہوں۔
ہو کیا۔۔۔ ؟؟ حنظلہ نے سوال کے بدلے سوال کیا۔
ہوں یا نہیں ہوں۔۔۔۔ بتاتی ہوں تمہیں۔۔۔ ٹھہرو تو ذرا۔۔۔
دانت بھینچے نیہان نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کر چڑیلوں کی طرح ہاتھ پھیلائے اسکی گردن دبوچنے کو آئی مگر حنظلہ فوراً جھولے کی دوسری طرف ہو گیا۔ کبھی کم عقل کبھی عقل کی دشمن۔۔ یعنی کہ ناسمجھ ہوں میں۔۔۔
اب وہ جھولے کے ارد گرد چکر لگاتی حنظلہ کو پکڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔
نیہان۔۔۔۔۔ حنظلہ۔۔۔۔۔۔۔ رک جاؤ بیٹھا۔۔۔
روبینہ انہیں لڑتا جھگڑتا دیکھ آوازیں دینے لگی۔۔۔
روبی آنٹی آخر یہ خود کو سمجھتا کیا ہے جو منہ میں آتا کہے جاتا ہے۔۔۔ اس بار میں اسے بالکل بھی نہیں چھوڑوں گی۔
پہلے پکڑ تو لو محترمہ۔۔۔۔۔ لمبی لمبی بعد میں چھوڑ لینا۔

نیہان رک کر روبینہ سے مخاطب ہوئی حنظلہ کے چڑھانے پر مزید پیچ و تاب کا شکار ہو کر دوبارہ اسکے پیچھے بھاگنے لگ گئی۔

ارے کیا کر رہے ہو تم دونوں۔۔۔۔رک جاؤ۔۔۔رک جاووووؤ۔۔۔حنظلہ۔۔۔۔نیہا۔۔۔

وہ دونوں روبینہ کے گرد چکر کاٹ رہے تھے یونہی وہ ہاجرہ بی کی جانب بڑھے روبینہ خاموش ہو کر ماتھے پر خارش کرنے لگی۔

یہ کیا۔۔بب۔۔۔ببب۔۔۔باجی روکیں انہیں۔۔۔۔حنظلہ بابا۔۔۔۔۔۔

بیٹیاں۔۔۔روک جاؤ ورنہ دوبارہ موچ آجائے گی تمھارے پاؤں میں۔۔

ہاجرہ بی کے منہ سے جملہ ادا ہوتے ہی یکدم چند قدموں کی دوری پر عین ہاجرہ بی کے سامنے انہوں نے ایک ساتھ بریک لگائی اور حیران و پریشان ہو کر قدرے بے یقینی سے ایک دوسرے کو پھٹی پھٹی نظروں سے گھورنے لگے۔ تمھارا پاؤں ٹھیک ہو گیا۔۔۔حنظلہ نے حیرانگی کے عالم میں ذرا کم آواز میں کہا۔ نیہان نے متحیر ہو کر اپنے پیر کی طرف دیکھا۔

ہاں ٹھیک میرا پیر بالکل ٹھیک ہو گیا۔۔۔نیہان نے اپنے مرمریں پیر کو تھوڑا سا اوپر کر جنبش دیتے ہوئے کہا۔

میرا پیر ٹھیک بالکل۔۔۔۔۔۔ٹھیک ہو گیا۔۔۔۔۔بوا جی میرا پیر۔۔۔۔

وہ خوشی کے مارے بے اختیار اپنی جگہ پر اچھلتے ہوئے باریک آواز میں بولتے ہاجرہ بی سی لپٹ گئی۔

شاباش میرے چیتے۔۔۔شاباش بہت اچھا کام کیا۔ روبینہ نے حنظلہ کے قریب آکر اسکے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے گرمجوشی سے کہا۔

بہت شکریہ اس تعصب و ستائش کا مما۔ حنظلہ نے سینے پر ہاتھ رکھے جھک کر ادب و احترام سے شکریہ کہا۔

شکر ہے ہلکا سا مروڑنے پر ہی پاؤں ٹھیک ہو گیا اگر ٹھیک نہ ہوتا تو پاؤں مروڑنے کے عمل میں ذرا سختی در آنی تھی۔

خود پر نیہان کی محبت بھری نگاہوں کی تپش محسوس کرتے ہوئے حنظلہ نے روبینہ کے گرد بازو حائل کر کے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

اگر تم نے ہلکا سا مروڑا ہوتا تو میرے پاؤں سے اتنا درد نہ نکلتا۔

حنظلہ کے سحر سے باہر نکل کر نیہان نے سرد لہجے میں شکوہ کیا۔

شکایت نہیں شکریہ کرو مجھے کہ تمھارے پاؤں کی موچ ٹھیک کر دی میں نے۔۔۔۔۔۔

کیوں نہ کروں میں شکایت۔۔۔؟؟؟ تمھاری وجہ سے تو میرے پاؤں میں موچ آئی۔۔۔اگر تم نے اپنی غلطی کی تلافی کی ہے تو اس میں میرا شکریہ ادا کرنے کیا جواز بنتا ہے۔۔۔؟؟

نیہان سوالیہ انداز میں شوخ و تلخ لہجے میں کہہ کر اسے نظر انداز کرتی ہوئی گھر کے اندرونی حصے کی سمت بڑھ گئی۔۔۔

اسکی بات سن کر حنظلہ کے ماتھے پر حیرت کی شکن ابھری۔۔ہاجرہ بی نیہان کی پیروی کرتے اندر کو بڑھیں۔

ناشکری کنجوس کہیں کی۔۔۔۔کم از کم ایک تھینک یو تو بول ہی سکتی تھی۔

خاموش ہو جاؤ نیہان نے سن لیا تو الٹا لٹکا کر معافی قبول کرے گی۔

حنظلہ نے مدھم آواز میں قدرے خفگی سے کہا تو روبینہ نے فوراً اسے تخویف و نصیحت کی۔

آں ہاں یہ بھی ہے۔۔۔حنظلہ کی نظروں نے اس البیلی چال چلتی لڑکی کا پیچھا کرتے ہوئے بظاہر ہیبت زدہ ہو کہا تو روبینہ نے بے اختیار فضا میں قہقہ بلند کیا۔ ہاجرہ بی اور اسنے رک کر پیچھے کو مڑ دیکھا تو ماں بیٹا دونوں ہی ہنسی دبانے کی کوشش کرنے لگے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

حال میں لگے صوفے پر ہاتھ میں ریموٹ پکڑے بیٹھی وہ ٹی وی کے چینلز تبدیل کرنے میں مشغول تھی۔

مما۔۔حنظلہ نے سیڑھیاں اترتے ہوئے روبینہ کو آواز لگی تو وہ اسکی سمت متوجہ ہوئی۔

مما یہ دیکھیئے۔۔۔نیہان شاہ کے شایانِ شان میری محبت کا تحفہ۔۔۔کیسا ہے۔۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے کوٹ کی دائی جیب سے سرخ رنگ کی مخملی ڈبیہ نکال کے ماں کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔روبینہ نے ریموٹ سائڈ پر رکھا اور ہاتھ بڑھا کر ڈبیہ سے انگوٹھی نکالی۔گولڈ کی انگوٹھی پر احمرین ڈائمنڈ ابھرا ہوا نہایت دلکش لگ رہا تھا جبکہ سرخ ہیرے کے گرد قدرے چھوٹے نازک نگینے جڑے ہوئے۔۔۔دیکھنے والے کی آنکھیں کو چمکا رہے تھے۔

مشاءاللہ بہت خوبصورت ہے،نیہان کے ہاتھ میں بہت اچھی لگی گی۔۔روبینہ نے مسکراتے ہوئے خوشدلی سے کہا۔وہ دھیرے سے مسکرایا۔پہناؤ گے کب۔۔۔؟؟؟میں نہیں آپ پہنائے گی اسے۔روبینہ کے پوچھنے پر اسنے لمحے کی تاخیر کیے بغیر کہا۔

میں کیوں پہناؤ گی تم پہناؤ گے۔۔۔تم نے لیا ہے نہ۔۔۔گفٹ اسکے لیے۔۔۔تم دو گے تو اسے زیادہ خوشی ہو گی۔روبینہ نے عام سے لہجے میں کہا۔

آپ جانتی ہیں ہماری رینگ سرمنی نہیں ہوئی آپ لوگوں نے ابھی صرف بات ہی پکی کی ہے ایسے میں۔۔۔

ہاں تو کیا ہوا تمھارے پاپا اور انکل جیسے ہی گھر آئے گے ہم انگوٹھی پہننے کی یہ رسم بھی ادا کرلے گئے۔

وہ بول رہا تھا جب روبینہ نے اسے ٹوکتے ہوئے اپنی طرف سے تسلی دینی چاہی۔

مما آپ سمجھ نہیں رہی۔۔۔میں یہ رینگ نیہان کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔

اگر میں نے اسے یہ تحفہ دیا۔۔۔تو وہ۔۔قبول کرلے گی۔۔۔مگر۔۔۔؟؟انکل کی غیر موجودگی میں بالکل بھی نہیں پہنے گی۔۔۔اسلئے اگر آپ پہنائے گی تو وہ آپ کا بھرم رکھنے کیلئے اس انگوٹھی کو ضرور پہن لے گی۔

حنظلہ نے قدرے شدت مگر ٹھہراؤ سے سمجھایا۔

ٹھیک ہے بیٹا میں پہنا دونگی۔۔۔۔روبینہ نے حنظلہ کے رخسار پر ہاتھ رکھ کے محبت و ملائمت سے کہا۔تھینک یو مما آپ بہت بہت۔۔۔بہت اچھی ہیں۔حنظلہ نے روبینہ کے گلے لگا کر بیتی و تندی سے کہا۔

پتہ ہے مجھے روبینہ نے اسکی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

ٹن ٹن ٹن۔۔۔۔فون کی گھنٹی پر حنظلہ نے روبینہ سے جدا ہو کر پینٹ سے فون نکالا اور کان سے لگایا۔۔۔

یار تم کب آؤ گے۔۔۔؟؟کال پک کرتے ہی فون کی دوسری جانب سے بیزار ہو کوئی بولا۔ہاں بس پانچ منٹ تک پہنچ رہا ہوں۔حنظلہ نے طمانیت سے کہتے ہوئے سرعت سے باہر کی جانب قدم اٹھائے۔۔۔

کہاں جا رہے ہو حنظلہ۔۔۔؟؟اشعر سے ملنے۔۔۔روبینہ کے سوال پر اسنے پلٹ کر جواب دیا۔۔

باہر موسم خراب ہے بیٹا۔۔لگتا ہے بارش ہونے والی ہے۔۔۔۔۔ آج رہنے دو کل مل لینا۔۔۔ آفس کا کام ہے اسلئے ملنا ضروری ہے مما۔

ماں کی تلقین کو وہ نظر انداز کرتا ہوا باہر کی جانب بڑھا گیا۔

ابھی تو ں گھر ہے۔۔۔؟؟؟قدرے حیرانگی و غصیلی آواز میں پوچھا گیا۔

حنظلہ نے مرکزی داخلی دروازے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ آسمان پر یکدم سیاہ بادلوں نے قبضہ جما لیا پھر لمحے کی تاخیر کے بعد۔۔۔مینہ ٹپ ٹپ کسی پھوار کیطرح شاہ ہاؤس پر برسنے لگی۔

پیشِ نظر آفتِ جاں کو میٹھی میٹھی ہواؤں اور موسم کی خنکی سے لطف اندوز ہوتا دیکھ وہ اپنی آنکھوں سے سیاہ شیشوں کی برانڈڈ گلاسز کا پہرا ہٹا کر خود فراموشی اسے دیکھنے لگا۔

ہیلو ہیلو۔۔۔۔میری آواز آ رہی۔۔۔۔ ہیل۔۔۔۔یکدم فون سے ابھرتی آواز نے حنظلہ کا طلسم توڑا۔

آ۔۔۔ آں۔۔۔ہاں۔۔۔،

ایسا کرو۔۔۔۔ کہ۔۔۔ تم۔۔گھر ہی رہو، میں بھی گھر جا رہا ہوں۔۔۔کیونکہ میں تمھارا مزید انتظار نہیں کر سکتا۔

ہوں ہاں کی آواز حنظلہ کے حلق سے نکلی ہی تھی کہ فون کی دوسری جانب موجودہ شخص نے اپنی بات مکمل کر کے فوراً سے پہلے فون بند کر دیا۔

حنظلہ نے سرسری سی نظر فون پر ڈال کر نیہان کی سمت دیکھا تو وہ کھڑی پہلے سے ہی اسے دیکھ رہی تھی۔

نگاہوں کے طواف میں کانوں سے ٹکراتی برستی بارش کی آواز نے انکے درمیان رقصاں خاموشی میں خلل پیدا کیا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔۔؟؟؟

دیکھ رہا ہوں کہ پاؤں ٹھیک ہوا نہیں۔۔۔ کہ بارش میں بھیگ کر۔۔۔ بیمار پڑنے کا ارادہ بھی کر لیا محترمہ آپ نے۔

نیہان نے تشویشی انداز میں پوچھا تو حنظلہ نے سینے پر ہاتھ باندھ کر مصنوعی طور پر جواب دیا۔

بارش تو اللہ پاک کی عنایت و مہربانی ہوتی ہے۔

اسلئے بارش کچھ نہیں کہتی۔۔۔خاص طور پر سورج کی کرنوں کیساتھ زمین پر پڑتیں بارش کی بوندیں تو کچھ بھی نہیں۔۔۔

مسرت و شادمانی سے کہہ کر وہ دونوں بازوں کو پھیلائے بارش کی بوندوں کو اپنے چہرے پر گرنے دے رہی تھی۔

"اکثر لوگ کہتے ہیں۔۔۔۔ دھوپ میں برستی بارش میں جو بھی دعا مانگیں۔۔وہ ضرور قبول ہوتی ہے" وہ خود محوری میں بے اختیار بول رہی تھی۔ جبکہ حنظلہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا اسے میٹھی میٹھی نظروں سے تک رہا تھا۔

بہت بھیگ گئی ہو تم۔۔۔ شیڈ کے نیچے آ جاؤ۔۔۔ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔

وہ فکر مندانہ انداز میں بولا۔۔۔۔نیہان نے سپاٹ چہرہ بنائے پلٹ کے پیچھے دیکھا۔

میں نے ابھی بتایا نہ کہ بارش کچھ نہیں کہتی۔۔۔۔اب کی بار وہ پوری اسکی جانب مڑ کر مصنوعی سنجیدگی و خفگی سے بولی۔

مگر نیہا۔۔۔۔

کیا۔۔۔۔ تمہیں بارش پسند نہیں ہے۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟؟

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نیہان نے اسے ٹوکتے ہوئے سوال کیا۔

ہمم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔؟؟؟اب تھوڑی بہت پسند آ رہی ہے۔
حنظلہ نے اسکے چہرے کے پھیکے پڑتے تاثرات دیکھتے ہوئے قدرے ٹھہراؤ سے کہا تو اسکی آنکھیں ایک بار پھر سے اپنی حسن وخوبی سے چمکنے لگیں۔

بارش کی خوبصورتی کو محسوس کرو۔۔۔پھر تھوڑی بہت نہیں، بہت بہت۔۔۔بہت پسند آئے گی تمہیں یہ بارش۔۔۔
وہ اسکی جانب قدم اٹھاتی ہوئی بول رہی تھی۔
بارش کو محسوس کرنا۔۔۔۔۔۔۔؟؟کیا مطلب۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟حنظلہ نے متحیر ہو کر پوچھا۔

-

-

اس بارش کی آواز کو غور سے سنو اس میں تمہیں بہت خوبصورت سی دھن محسوس ہو گی۔۔۔
کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہوئے جس میں دونوں نے ٹپ ٹپ برستی بارش کی بوندوں کی ہلکی ہلکی سی آواز اپنے سماعتوں سے ٹکراتے سنی۔

-

-

سنا تم نے۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟نیہان نے امنگ سے پوچھا۔
ہاں کمال ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حنظلہ نے قدرے کم آواز میں جواب دے کر ٹپ ٹپ زمین میں پڑتیں بارش کے قطروں کا نغمہ سننے میں محو ہو گیا۔
یونہی بارش کی بوندوں کی دھن مدھم پڑی زمین میں سے مٹی کی بھینی بھینی خوشبو اڑتی ہوئی بارش کے رکنے کا پیغام فضا میں ہر سو پھیلانے لگی۔

-

-

بارش تھم رہی ہے۔۔۔۔۔۔!!جلدی۔۔۔جلدی کوئی دعا مانگو۔۔۔۔!!!
نیہان نے سرعت سے کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیے۔۔۔آنکھیں بند کیں اور دعا مانگنے میں مشغول ہو گئی۔
انکے دعا مانگتے ہی مانگتے بارش تھم چکی گئی اور نیلے آسمان کے چوڑے سینے پر بادلوں سے بے پردہ براجمان سورج اپنی پوری آب وتاب سے جھلملانے لگا۔
بارش ہو چکنے کے بعد فضا میں موجود بارش کے باریک قطروں میں سے سورج کی شعاعیں نے گزر کر آسمان کے اوپر ایک ست رنگی کمان بنایا جو قدرے خوبصورت لگ رہا تھا۔
تسلی سے دعا مانگ کر نیہان نے جیسے ہی اپنی آنکھیں کھولیں تو پیشِ نظر قوس قزح۔۔۔۔مسرت اور سرور کا ایک حیرت انگیز منظر دیکھ کر جھوم اٹھی۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔رینبو۔۔۔۔۔۔۔۔۔
بے ساختہ چند قدم سامنے کو اٹھا کر بیخودی وشادمانی سے کہا پھر اسنے نظروں کے تعاقب میں حنظلہ کا مسکراتا چہرہ دیکھا جو آسمان کی جانب اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔
کچھ سوچتے ہوئے اسے نے۔۔۔حنظلہ کیطرف رخ کیا۔
کیا دعا مانگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟نیہان نے مصنوعی چہرہ بنائے سوالیہ انداز میں پوچھ کر اسکی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔
ہمم۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنے لیے۔۔۔۔۔۔تمہیں۔۔۔اور۔۔۔۔تمھارے لیے۔۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے قدم اسکی طرف لیتے ہوئے اپنے اور اسکے درمیان کا فاصلے ختم کر کے قدرے ٹھہراؤ سے کہا۔۔۔اس انکشاف پر نیہان کو اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو شور کانوں کے پردے پھاڑتا ہوا محسوس ہوا۔۔۔وہ بے ساختہ پیچھے کو ہٹی۔۔۔۔

حنظلہ نے اسکے شانوں سے تھام کر اسے اپنی جانب کھینچا تو وہ جھینپ سی گئی۔

""" تمھارے لیے میں نے ڈھیر ساری خوشیاں مانگیں۔۔۔۔،

اسلئے علاوہ جوانی سے بڑھاپے تک۔۔۔ایک دوسرے کا ساتھ اور سہارا،اس رنگین گمان کیطرح زندگی کے خوشنما رنگ مانگے۔۔۔،

ایسے رنگ۔۔۔۔جو وقتی یا کچے نہ ہو،جو کبھی پھیکے نہ پڑے۔۔۔اور ان رنگوں میں شامل ہمارے رشتے میں خوبصورتی،وفاداری،اعتماد،پیار اور ساتھ مانگا۔۔۔۔،زندگی کی ناہموار راہوں پر قدم بہ قدم ایک ساتھ چلنے کی دانائی و توانائی۔۔۔۔اور مشکل وقت میں صابر اور ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑے رہنے کی پختگی کے ساتھ ساتھ موجودہ وقت میں اپنے لیے تمہارے دل میں محبت کے جذبات و احساسات اور چاہت کی سرشاری مانگی"""۔

وہ ایک سے ایک حسین جملے معنی خیز اور ساحرانہ انداز میں کہتے ہوئے نیہان کے کانوں میں اپنی چاہتوں کا سحر پھونک رہا جس سبب نیہان کی آنکھیں اپنی خوشی بجتی پر آب و تاب سے چمک لگی تھیں۔

یونہی حنظلہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا نیہان نے گھبرائے شرمائے انداز میں لرزتی پلکیں اٹھا کر اسکی سمت دیکھا تو حنظلہ کی نگاہیں پہلے سے اسکے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔۔۔بے ساختہ نیہان نے دوبارہ نظریں جھکالیں کیونکہ وہ حنظلہ کی محبت بھری نگاہوں میں جھانکنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔

اب تم بتاؤ۔۔۔۔کہ تم نے کیا مانگا۔۔۔؟؟؟؟

حنظلہ کے دانستہ اور ذو معنی انداز میں سوال کرنے پر وہ لاجواب کھڑی رہی۔۔۔جبکہ دل نے بے اختیار بولا کہ مانگی گئی دعا بتایا نہیں کرتے مسٹر خان۔

نیہان گھبراؤ نہیں اور جلدی بتاؤ کہ تم نے کیا دعا مانگی۔۔۔۔کیونکہ پھر مجھے

۔۔۔تمہیں اپنی داستانِ محبت بھی سنانی ہے۔

حنظلہ نے اسکے کندھوں سے ہاتھ ہٹا کے اسکے شفاف اور نرم و نازک ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر محبت سے چور لہجے میں کہا تو وہ متحیر کھڑے باقاعدہ لرزنے لگی۔

میں اصل میں کوئی جن یا فولاد نہیں ہوں۔۔۔جو تم میرے سامنے اتنی بری طرح سے کانپ رہی ہو۔

حنظلہ نے اسکی زرد رنگت اور اسکے وجود میں ارتعاش محسوس کرتے ہوئے استہزائیہ کہا۔وہ آج موڈ میں لگ رہا تھا۔

میری طرف دیکھو میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔۔۔۔اس بار حنظلہ نے قدرے بیزاری و ناگواری سے مصنوعی غصے میں کہا تو اسکی خنکی و خفگی کا خوف آنکھوں میں سموئے نیہان نے بے ساختہ لرزتی پلکیں اٹھا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

"نیہان۔۔۔۔۔۔تم کب میرے لیے اتنی اہم ہو گئی۔۔۔اور کس لمحے تم نے مجھے اپنی محبت کا اسیر بنالیا۔۔۔میں تم سے کب،کیسے محبت کر بیٹھا۔۔۔ مجھے پتہ ہی چلا۔۔۔۔۔تمھارا عکس ہر وقت ہر جگہ۔۔۔۔۔۔ہر چیز میں مجھے تم دکھائی دینے لگی۔۔۔۔۔تمھارا پل پل میرے پاس ہونے کا میٹھا احساس میری رگوں میں شدت سے دوڑنے لگا۔قابو سے باہر ہوتی اپنی حالت و کیفیت اور محبت کا انکشاف میں تم سے کرنا چاہتا تھا لیکن اظہار کی منزل طے کرنے لیے قسمت نے شاید آج کا یہ حسین دن مقرر کیا ہوا تھا۔

کہ آج میں اپنے پورے ہوش و حواس میں بے اختیار ہو کر اس برستی بارش میں۔۔۔۔میں اپنے جذبوں کی شدت تمہارے دل میں انڈیلتا ہوا۔۔۔۔تمہیں جذبہء چاہت سے آشنائی دے رہا ہوں۔۔۔تمہیں بتا رہا ہوں کہ مجھے تم سے کتنی کتنی زیاددددددددہ۔۔۔۔۔محبت ہے"

حنظلہ کے غیر متوقع طور پر اظہار کرنے پر نیہان کے اوسان خطا ہو گئے جسم پر تھر تھری چھوٹ گئی۔۔۔ہاتھ برف کی مانند سخت سرد پڑ گئے۔۔۔ جبکہ بڑی بڑی ساحر آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

نیہان۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟ سوالیہ نگاہ اسکے مرمریں ہاتھوں پر ڈال کر حنظلہ نے اسکے صبیح چہرے کی سمت دیکھتے ہوئے اسے پکارا۔

تمھارے ہاتھ سرد پڑ رہے ہیں۔۔۔ تمھاری دھڑکنوں کا شور بخوبی مجھے سنائی دے رہا ہے۔۔۔۔۔ تم گھبرا رہی ہو۔۔۔۔بہت زیادہ گھبرا رہی ہو۔۔۔ لیکن کیوں۔۔۔۔؟؟؟

کک۔۔۔ کیا۔۔۔ میں نے کچھ غلط کہہ دیا۔۔۔؟؟ بتاؤ۔۔۔۔کچھ تو بولو نیہا۔۔۔ مجھے فکر ہو رہی ہے تمھاری۔۔۔۔کچھ تو۔۔۔ک۔۔۔۔

مجھے الجھن ہو رہی ہے۔۔۔۔!!

وہ اسکے رخسار پر ہاتھ رکھ کر قدرے ملائمت اور فکرمندی سے سلسلہ وار جملے کہہ رہا تھا۔جب نیہان نے دھیرے دھیرے نظریں جھکائے مدھم آواز میں بولا تو وہ بالکل ہی خاموش ہو گیا۔

پھر کچھ لمحے یونہی خاموشی کی نظر ہوئے۔۔۔۔ حنظلہ کی نظروں میں اداسی بھر آئی۔۔۔۔

کک۔۔۔۔۔۔۔۔کی۔۔۔۔۔۔کیا۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟ سوال تھا کہ کوئی آبلہ جو اسکے چھلنی چھلنی دل پر آگ سی لگ گئی۔شاید وہ غلط سمجھ بیٹھا تھا۔

مجھے گیلے کپڑوں میں الجھن ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ ہلکی ہلکی سی ٹھنڈ بھی لگ رہی ہے۔نیہان ہچکچاتے ہوئے بولی تو حنظلہ نے مطمئن ہو کر ہولے ہولے چلتی سرد فضا میں قہقہہ بلند کیا۔

وہ شرمندہ سی ہوئی۔۔۔ تو اسنے اپنے ہاتھ حنظلہ کے ہاتھوں سے نکال کر۔۔۔۔ دو قدم پیچھے کو ہٹائے پھر رخ موڑ کے جانے لگی۔

یکبارگی حنظلہ نے اسکی کلائی پکڑی تو نیہان نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

میرے طرف سے کیے گے اظہارِ محبت پر تمھارے دل کی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کا شور مجھے چیخ چیخ کر بتا رہا کہ تم بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"دل کی دھڑکنوں کی زبانیں نہیں ہوتیں"

حنظلہ نے ایک قدم اسکے جانب اٹھایا۔۔۔ اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتا۔۔نیہان مضبوط لہجے میں بولی۔

اچھا جی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!؟ حنظلہ نے نیہان کی بازو کھینچ کر اسے اپنی جانب دھکیلا اور مخمور لہجے میں کہا۔۔۔ جس پر نیہان لڑکھڑاتے ہوئے اسکے سینے سے جا ٹکرائی۔۔۔ اور وہی سر ٹکائے کھڑی رہی۔

آوچ۔۔۔۔۔ سر پر ہاتھ رکھے وہ اسکے سینے سے سر اٹھاتے ہوئے درد سے چلا اٹھی۔۔۔ پھر اسکی کی گئی اچانک حرکت پر اسے غصیلی نظروں سے گھورنے لگی۔

دل کی دھڑکنوں کی زبانیں نہیں ہوتیں۔۔۔ مگر آنکھیں پڑھنے کا فن ہر محبت کرنے والا جانتا۔۔۔۔ اور میں بہت اچھے سے جانتا ہوں کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو۔

۔

۔

تم نے بھی میری طرح اپنی دعاؤں میں مجھے مانگا ہنہ۔
چہرے پر خوشنودی آنکھوں میں چمک انداز میں بے تکلفی لیے پھر سے شروع ہوتے ہوئے اسنے آخری جملے میں تصدیق چاہی۔
نہیں۔۔۔ سر کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے نیہان نے نفی میں جواب دیا۔
اسکے منفی جواب پر حنظلہ کو اپنے اطراف میں بجلیاں گرتی محسوس ہوئیں۔۔۔ ساتھ ہی نیہان کے بازو پر اسکی گرفت ڈھیلی پڑھ گئی۔
چہرے پر تلملاہٹ آنکھوں میں اداسی۔۔۔ نیہان نے بغور اسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنا بازو اسکی نرم گرفت سے آزاد کیا اور ایڑیاں اٹھا کر قد سے اونچے خوبرو نوجوان کے ماتھے پر بکھرے بے ترتیب سے بالوں کو سنجیدگی و شائستگی سے درست کرنے لگی۔۔۔ پھر سر کو اسکے کان کے پاس لے کر گئی۔
”جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی نواز دیا ہو اسے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔۔۔۔ مسٹر حنظلہ خان“
وہ رازدارانہ انداز میں اپنے جملہ مکمل کر اسکے سینے پر ہاتھ مار کر ہنستی ہوئی۔۔ وہاں سے اندر کی جانب بھاگ آئی۔۔۔ حنظلہ بھی توازن برقرار رکھتا ہوا مضطربانہ و مسرورانہ انداز میں فوراً اسکی جانب اندر کو بڑھا۔ یونہی اسنے مرکزی داخلی دروازے سے اندر قدم رکھا۔۔۔ سامنے کا منظر نہایت خوبصورت اور دل آویز تھا۔
کیونکہ روبینہ۔۔۔۔ نیہان کو حنظلہ کی جانب سے انگوٹھی پہنا رہی تھی۔
یہ خوشی کا منظر دیکھ کر حنظلہ کے انداز اور چہرے کے تاثرات میں اضطرابی و بیقراری بالکل ہی ختم ہو گئی اور ایکا ایکی اسکے عنابی لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ جبکہ چہرے پر خوشی و خرمی چھلکنے لگی۔
چاروں اطراف اب خوشیاں کا سیلاب سا اُمڈ آیا تھا۔۔۔ لیکن قسمت کی آنکھیں آنسوں سے لبالب بھری ہوئی تھیں۔۔۔ نجانے قسمت کو کیا منظور تھا۔

تمہارے لمس نے خوشبو کو کر دیا پاگل
پھر اس کے بعد چمن کا چمن ہُوا پاگل

ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

✿ ع۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باب نمبر 20

وہ بے حس و حرکت اس چھوٹے سے سرسبز و شاداب گلزار کے پاس کھڑا پیشِ نظر محل نما بوسیدہ گھر جس کے گرد اندھیرے کے سیاہ ہیولے محورِ قص تھے دیکھ رہا تھا۔۔۔۔وہ دیکھ رہا تھا۔۔کہ ایک عرصہ پہلے یہ باغ بالکل ایسے ہی تروتازہ تھا جیسے کے آج ہے۔مگر آنسوں سے دھندلی نظروں کے سامنے یادوں کا آشیانہ اس قدر پژمردہ پڑا چکا تھا کہ ریت کی اونچی دیواروں کے متوازی محسوس ہو رہا تھا۔

حیدر علی نے زوریز کے ہاتھ پر ہاتھ در کر اسکی ہمت باندھی چاہی۔۔۔اب قدموں کی چاپ کے علاوہ وہاں صرف خاموشی کی گنگناہٹ تھی۔۔۔۔۔جیسے جیسے وہ اپنے بھاری قدم اس گھر کی جانب اٹھا رہا تھا۔۔ویسے ویسے اس گھر سے عالیہ کی خوشنما یادوں کے جگنو اس ستمگر کی جانب اڑتے ہوئے اسکا والہانہ استقبال کرنے میں مشغول ہونے لگ گے تھے۔

ماضی

(تم خود چل کے آؤگے اور میری چوکھٹ پر دستک دوگے۔میرے پاس میرے در پر تم ضرور آؤگے۔۔۔۔تم آؤگے۔۔۔۔تب۔۔۔۔جب زندگی پر۔۔۔۔نہ تمھارا نہ میرا کوئی اختیار ہوگا۔۔۔۔تم آؤگے ایک بار مجھے ملنے تم ضرور آؤگے)۔

عالیہ کے درد بھرے جملوں کا جیسے زوریز کے ذہن پر ہیجان طاری ہو گیا۔ضبط کے باعث اسکی آنکھیں سرخ اور دماغ کی نسیں ماتھے پر نیلی لکیروں کے جال میں ابھر آئیں۔۔۔۔

کہیں دور۔۔۔اس منظر کو دیکھتے کسی کے پاؤں اپنی جگہ منجمد تھے۔

بس تھک گئے۔۔۔۔۔۔؟؟؟ناشناسا سی قدرے باریک آواز ہوا کو چیرتی ہوئی زوریز شاہ کے کانوں میں پڑی۔۔۔وہ بے ساختہ پیچھے کو پلٹا۔

نگاہوں کے مقابلے میں المشہور و معروف جذبہ خدمتِ خلق سے سرشار سراپے کو دیکھ کر وہ ایک پل کیلئے ششدر سا رہ گیا۔

سرمئی رنگ کی پوشاک پر ہمرنگ حجاب پہنے،ہاتھوں میں کرسٹل کی جگہ موٹے دنوں کی تسبیح،آنکھوں میں عجیب سی چمک اور لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے۔۔۔۔رقیہ ایدھی اپنے وہی سابقہ انداز میں نہایت پرسکون کھڑی اسکی سمت دیکھ رہی تھی۔

عمر اور وقت کے تقاضے سے چہرے پر جھریاں اور بھوں پر چاندنی اتر آئی تھی۔۔مگر رعب اور رحم دلی کی ملتی جلتی چمک سے چہرہ آج بھی منور تھا۔

رقیہ ایدھی۔۔۔۔؟؟؟قدرے چونک کر زیرِ لب کہتے ہوئے حیدر علی نے اپنے پہلو میں ساکت کھڑے زوریز کی سمت دیکھا۔

جی ہاں۔۔۔۔۔رقیہ ایدھی۔۔۔!!اب کی مرتبہ جانی پہچانی سی آواز انکے سماعتوں سے ٹکرائی۔۔۔۔۔دونوں نے فوراً سے پہلے نظریں رقیہ کی جانب گھمائیں تو اس سے دو قدم پیچھے اسکے سائے میں کھڑے چارلس کو دیکھ کر انکے تعجب کی انتہا نہ رہی۔

کئی لمحے سبھی کے بیچ خاموشی حائل رہی۔

چارلس کیا تم نے ہمارے ساتھ۔۔۔۔۔۔جی ہاں۔۔۔۔

حیدر علی کے ادھورے سوال کا یک حرفی جواب دے کے چارلس نے اپنے بازو پیچھے باندھ کر احتراماً سر جھکالیا۔

تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔۔۔۔۔؟؟؟کیونکہ اسے ایسا کرنے کا حکم میں نے دیا تھا اسلئے۔

حیدر علی نے حیران و پریشان ہو کر بے اختیار پھر سے سوال کر ڈالا۔

جس پر رقیہ ایدھی زوریز کے مقابل آن کھڑی ہوئیں۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد حیدر علی کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر چارلس کی جانب سے جوابأوہ دوٹوک انداز میں بولی۔

حیدر نے فکر مندی سے زوریز کی سمت دیکھا جو سر جھکائے آنکھوں میں چمکتی نمی چھپانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

گلابی لبوں پر تبسم سجائے رقیہ ایدھی نے حیدر علی کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

ادھوری کہانی کی پرواہ۔۔۔۔اور۔۔۔اپنے کیا کا خوف آخر کار آج تمہیں ایک مظلوم عورت کے در پر کھینچ ہی لایا۔

پتھریلے تاثرات چہرے پر سجائے رقیہ ایدھی نے زوریز کو اپنی سمت متوجہ کیا مگر اس پشیمان کا آنکھیں ملانا قدرے مشکل تھا۔

اس گھر کو دیکھو۔۔۔۔۔۔زوریز کیطرف سے جواب نہ ملنے پر انہوں نے حکمیہ لہجے میں کہا۔۔۔مگر وہ ابھی بھی نظریں جھکائے کھڑا رہا۔

دیکھو اس گھر کو۔۔۔۔۔۔۔رقیہ ایدھی نے کچھ قدم گھر کی جانب اٹھا کر اپنی بات پر زور دیا۔

تمھاری طرح یہ بھی بڑا ظلم ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گھر کی عمارت کا معائنہ کرتے ہوئے استہزاء کہا۔

ایک تن تنہا عورت کو اپنی چھت تلے برداشت نہیں کر سکا۔

انہوں نے قدرے سنجیدگی و آزردگی سے تلخ ہنسی کے ساتھ ایک مختصر سا جملہ ادا کیا۔۔۔تو زوریز شاہ نے اپنی سوالیہ نگاہوں میں گھر کا نقشہ کھینچتے ہوئے اپنا رخ اسکی سمت موڑا۔

میں ایک دن اسکے پاس ضرور آؤ گا وہ اس بات پر بضد تھی۔

وہ قدرے کم آواز میں بات کے درمیان پہلی بار بولا۔۔۔تو اسکی آنکھوں میں قید آنسوں بہنے پر بے تاب ہو گئے۔

اسکی بات پر وہ سخت سنجیدگی چہرے پر سجائے قدرے ناگواری سے طنزیہ مسکرائی۔

بمشکل ہی سہی مگر وہ اپنے ماضی کی گرد اس گھر میں جھاڑ کر اسکی دہلیز لانگتے ہوئے باقی روحوں کی مانند اپنے اصل کیطرف لوٹنے میں سرخرو ہو گئی تھی۔پھر پلٹ کر اسنے ایک نظر اس گھر دیکھ گوارہ نہیں کیا جانتے ہو کیوں۔۔۔۔۔؟؟؟؟

چارلس سے تالے کی چابیاں پکڑ کر وہ گھر کے مرکزی داخلی دروازے کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے بولی۔۔۔اور آخر پر سوال کر کے تالا کھولنے میں مصروف ہو گئی۔

شاید اسلئے کہ اس گھر میں بسی میری یادوں کے ساتھ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔زوریز نے روہانسا ہو کر نا صرف تاسف بلکہ خود کو حقیر جانتے ہوئے جواب دیا۔جس پر رقیہ ایدھی ایک پل کیلئے ششدر رہ گئی۔۔۔وہ اتنا جانتا تھا عالیہ کو۔۔۔۔؟؟؟زوریز کے جملے نے اسے لاجواب کر دیا۔

ہاں مرنا تو وہ نہیں چاہتی تھی مگر۔۔۔۔رقیہ نے تالا کھول کر دانستہ طور پہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا اور یکدم دروازے کے دونوں پٹ کھول کر گھر میں قدم رکھا۔۔۔پھر ہاتھ کے اشارے سے زوریز کو اندر آنے کی دعوت دی۔

گھر میں ایسی بھیانک خاموشی، ہولناک ویرانی اور بے رونقی کا سماں تھا کہ وہاں موجود افراد کے دل کو غم رنج افسردگی و بیزاری محسوس ہونے لگی تھی۔ہر ایک شے جالوں، دھول اور غیر معمولی اداسی کی لپیٹ میں تھی۔

(ماضی)

اب پتہ چلے گا تمہیں کہ جن سے ہم پیار کرتے ہیں انکے بنا جینا حرام کیسا ہوتا ہے۔

عالیہ کے گزرے وقت میں کہے گئے سرد الفاظ برچھیاں بن کے زوریز کو اپنے وجود میں اترتے ہوئے محسوس ہوئے۔

~~~~~~~~~~~~

مزید کوئی یاد اسکے سینے میں زدوکوب کرتی اسکا دھیان گھر کے بکھرے سامان کی جانب مبذول ہوا۔

گھر کی ایسی ابتر حالت ہوئی پڑی تھی۔۔ کہ وہاں موجود ہر کسی کی حالت پر ناگوار گزر رہی تھی۔

رات کے آخری پہر عالیہ کا سر درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔۔۔

زوریز کی سوالیہ نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کرتے رقیہ ایدھی نے ان کہے سوال کا جواب دینا شروع کیا۔۔۔۔ مگر زبان داستانِ غم کہنے سے انکاری اور ذہن سنانے پر مصر تھا۔ جبھی انکی آنکھیں نمکین پانیوں سے لبالب بھر آئی تھیں۔۔۔۔پیٹھ پھیر کر انہوں نے ایک لمبا سانس لیا۔

وہ جو کوئی بھی تھا۔۔۔۔۔۔۔چوری کی غرض سے گھر میں داخل ہوا۔

عالیہ چائے بنا کر کچن سے باہر نکلی تو۔۔۔۔۔۔

وہ قدرے ٹھہراؤ سے بمشکل لفظوں کی ادائیگی کر رہی تھی۔

تت۔۔۔۔۔تت۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو کیا۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

زوریز نے متحیر ہو کر پریشانی کے عالم میں سوال کیا۔۔۔۔وہ خاموش رہیں۔

تو کیا بولیں۔۔۔۔۔زوریز نے انکی خاموشی سے کوفت محسوس کرتے ہوئے قدرے چیخ کر کہا تو چارلس فوراً اس کی سمت بڑھا۔۔ مگر رقیہ ایدھی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہی ٹھہرنے کا حکم صادر کیا اور زوریز کی جانب پلٹ کر دیکھا۔

(ماضی)

وہ یہی کھڑا گھر کا معائنہ کر رہا تھا۔۔۔۔ غیر متوقع طور پر اپنے علاوہ کسی دوسرے کی موجودگی سے عالیہ کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔۔ سراسیمگی میں اسکے ہاتھوں سے چائے کا کپ چھوٹ کر زمین بوس ہوتے ہی دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ جبھی اس لُٹیرے کی گندی نگاہ سراپا حور پر پڑی اور اسکی نیت میں فتور اُمڈ آیا۔۔۔وہ بیچاری اپنی مدد کیلئے کسی کو پکارتی اس بد تہذیب نے ریوالور دیکھا کر جیسے اسکی آواز ہی بند کر ڈالی۔

رقیہ ایدھی کا تخیل بڑی تیزی سے ماضی کے دھندلکوں میں پرواز کر رہا تھا۔
~~~~~~~~~~~~

ناول: محورِ محبت   مصنفہ: فاطمہ رانا

وہ آگے کچھ بولتیں زوریز شاہ کی نسیں پھٹنے لگیں مگر وہ لب بھینچے ساکت سا خالی خالی نظروں سے بکھرے سامان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ تو عالیہ کی ہمت تھی کہ ایسی مصیبت میں بھی اسکا ذہین پوری طرح سے ماؤف نہیں ہوا۔ صوفے کے سائیڈ ٹیبل پر پڑی پتھر کی خوبصورت گیند چستی و ہوشیاری سے پکڑ کر اسکی جانب اچھالی جو ٹھیک اسکے ہاتھ پر جاکر لگی تھی۔۔۔ جبھی اس کے ہاتھ سے ریوالور زمین پر کہیں دور جا گرا۔۔۔ اور وہ درد کی شدت سے کراہ کر رہ گیا۔۔۔۔

موقع دیکھ کر عالیہ نے بے ساختہ اپنے کمرے کی جانب دوڑ لگا دی۔۔۔۔ عالیہ کی اس حرکت پر اس درندہ کے جذبات کو اشتعال ہوا اور وہ وحشیانہ انداز میں عالیہ کے عقب میں جھپٹا اور توازن برقرار نہ رکھتا ہوا منہ کے بل زمین پر جا گرا۔

وہ کھسیانی آواز میں بولتی ہوئیں عالیہ کی کمرے کی جانب قدم اٹھاتی ہوئی آخر پر استہزائیہ ہنسی۔

فرش پر پھیلی منجمد پڑی چائے اور ٹوٹے کپ کیساتھ گھر کے بکھرے سامان پر طائرانہ نگاہ ڈال کر وہ رقیہ ایدھی کے مٹی میں بنے قدموں کے نشانات پر پاؤں رکھتا ہوا اسکے پیچھے چل پڑا۔

وہ کمرے کا دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی جبکہ زوریز دروازہ سے ذرا دور کھڑا رنجیدگی کا رنگ چہرہ پر سجائے غمزدگی سے انہیں سن رہا تھا۔

اندھا دھند دوڑتے ہوئے وہ کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرنے کی مقدور بھر کوشش میں لگ گئی۔۔۔ دروازے کی اس جانب ایک حسین و جمیل لیکن تنہائی کی ماری بے یارو مددگار، ناچار، بے بس بے سہارا عورت تھی جو آنکھوں میں بے پناہ خوف وہیبت لیے اپنی عزت و جان کے تحفظ کیلئے دروازہ بند کرنے میں اپنی پوری طاقت لگا رہی تھی جبکہ دوسری جانب ایک وحشی و طاغوتی طاقت تھی جو اسے دروازہ بند کرنے سے روک رہی تھی۔

یکا یک وہ زور سے چیخی اور اپنی ساری طاقت لگاتے ہوئے دروازہ بند کرنے میں بلآخر کامیاب ہو گئی۔

ہرن کے ہاتھ سے نکلنے پر وہ بھوکا بھیڑیا غیظ و غضب سے دروازہ پیٹنے لگا۔

جبکہ اندر اس بیچاری کا نازک وجود زور آور کھٹکھٹاہٹ کے ساتھ لرز سا رہا تھا۔

دروازہ ٹوٹنے کا اندیشہ پیسجتے ہوئے دل میں سموئے وہ اپنے خم دار بالوں کو ہاتھوں کی مٹھیوں میں سختی سے جکڑے قدرے گھبراہٹ سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔۔ جبھی اسکی نگاہ کھڑکی کے قریب پڑے ٹیبل پر ریت اور سیپی سے بنے خوبصورت گلدان پر پڑی۔

لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہ ٹیبل کے پاس پہنچی اپنی عزت کی حفاظت کیلئے سرعت سے اسنے گلدان کو ہاتھ میں لیا ہی تھا۔۔ کہ۔۔۔ یکدم وہ درندہ کھڑکی پر جھپٹا اور تحفظ کیلئے اٹھایا گیا کمزور عورت کا ہتھیار زمین بوس ہو کے اسکے پاؤں پہ جا گرا۔۔۔ جبھی اسکے دودھیا اور نرم و نازک۔۔۔ پاؤں کو۔۔۔ خون رنگتا ہوا زمین پر پھیل گیا۔۔۔ اسکے ہونٹ نیلے، چہرے پر پیلاہٹ اور کلیجہ اچھل کر منہ ہی آچکا تھا۔۔۔ حیرانگی و تکلیف سے اسکا ذہن معاوف ہو گیا۔

دم بخود وہ پتھر کی مورت بنے کھڑی تھی۔ کہ اس جانور نے زوردار قہقہ لگا کر اسکا سکتہ توڑا۔ وہ الٹے قدم پیچھے کو ہٹی اور رک گئی۔۔۔ شش و پنج میں مبتلا وہ ارد گرد دیکھنے لگی۔۔۔ پھر کچھ ہمت کر کے کھڑکی کیطرف بڑھی اور پھرتی سے پردے برابر کر اپنی جگہ واپس آکر کھڑی ہو گئی۔

اسکی اس حرکت پر وہ وحشی حیوان مزید طش میں آگیا اور قدرے خونخواری سے کھڑکی و دروازہ پیٹنے لگا۔

اندر کمرے میں وہ کانوں پر ہاتھ دے کر زار و قطار روتے ہوئے دل ہی دل میں اللہ سے موت مانگنے لگی۔۔۔ باہر وہ غصے سے پاگل ہوتا ہوا گھر میں تباہی مچانے لگا۔

بولتے بولتے رقیہ ایدھی کی آنکھیں نم ہونے لگیں اور گلے میں گلٹی سی ابھر کر پھر غائب ہو گئی۔۔۔وہ آگے بتانا چاہتی تھی مگر انکی ہمت اب جواب نہیں دے رہی تھی۔

چارلس رقیہ ایدھی کی سمت آگے بڑا تو حیدر علی اپنے حواسوں میں واپس لوٹا۔۔۔مگر زوریز شاہ اپنی جگہ مجسمہ بنے کئی خیالوں میں مستغرق تھا۔۔۔کہ کاش عالیہ اسکے نام کے ساتھ جڑی ہوتی تو اسکی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کسی میں اتنی ہمت نہ ہوتی۔

یار۔۔۔۔زوریز کو پکارنا تھا کہ حیدر علی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک لڑی نکل کر اسکی گال پر لٹکنے لگی۔

زوریز شاہ کا سکتہ ٹوٹا تو وہ بے جان قدم اٹھاتا ہوا کمرے کے دروازے تک پہنچا۔۔۔سامنے کا جان لیوا منظر دیکھ کر اسکی آنکھیں ضبط کی شدت سے لہو رنگ ہو گئیں۔۔۔

کھڑی کے پاس ٹوٹے گلدان پر خون کا رنگ چڑھا ہوا تھا اور پاس ہی سے لہو سے بنے قدموں کے نشانات شروع ہوتے ہوئے بیڈ تک آکر ختم ہو رہے تھے۔۔۔

بیڈ پر ایک چھوٹا میز جو کہ الٹا پڑا تھا۔۔۔۔جبکہ پنکھے سے لٹکتا ہوا دوپٹے کا پھندا۔۔۔۔ایسا ہولناک منظر پیش کر رہا تھا کہ زوریز شاہ کے چہرے پر وحشت کھنڈتی جا رہی تھی۔۔۔۔کمرے کی ابتری دیکھ کر پیدا ہونے والے تصوراتی ہیولے سے اسے اپنے دل کی دھڑکنین کانوں میں بجتی ہوئی محسوس ہوئیں۔۔۔زلزوں زد میں خود کو محسوس کرتے ہوئے وہ سہارے کیلئے دروازے کا ہینڈل پکڑ کر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

ع۔۔۔عا۔۔۔۔عا۔۔۔۔۔۔۔۔ع۔۔۔۔۔۔۔عالی۔۔۔عالیہ

نے۔۔۔۔۔۔۔۔خ۔۔۔۔خ۔۔خود۔۔۔۔۔خو۔۔خو۔۔۔۔کشی۔۔۔۔۔ش۔۔۔۔۔کک۔۔کک۔۔۔کی۔۔۔۔تھی۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟

گھٹنوں کے بل بیٹھے سکتے کے عالم میں پھانسی کے پھندے کو گھورتے ہوئے اسنے بمشکل لفظوں کی ادائیگی کی۔

نہیں۔۔۔۔۔۔رقیہ نے سرد مہری سے جواب دیا تو اس نے متحیر ہو کر انکی جانب دیکھا۔

(ماضی)<——————

بے اختیاری کی حالت میں کوئی دوسری صورت نہ ہوتے ہوئے

چاروناچار میز پر کھڑی پھندے کو ہاتھوں میں پکڑے وہ زاروقطار رو رہی تھی۔۔۔۔باہر وہ غصہ میں پاگل ہوا حیوان گھر کی ہر شے نیست و نابود کر رہا تھا جس سے برپا ہونے والا شور بے بس و مجبور عورت کے کانوں میں پگھلتے ہوئے سیسے کیطرح پڑ رہا تھا۔

سوچوں میں بھٹکتی ہوئی اسکی آنکھیں پل بھر میں خشک سیلاب بن کر ویران ہو گئی تھیں۔۔۔۔اسکی آنکھوں میں ویرانی ہی ویرانی ہوتے اسکے اندر موت کا سا سناٹا اترنے لگا۔ساتھ ہی باہر سے اندر آنے والا شور یکدم تھم گیا۔

دھیرے سے اسکی سہمی سہمی نگاہوں نے دروازے کا ارتکاب کیا تو کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے کی زوردار آواز نے اسکے پاؤں تلے سے میز کھینچ لیا۔اور وہ منہ کے بل بیڈ پر جا گری۔۔۔۔پاؤں سے نکلتے لہو کی روانگی کے ساتھ تکلیف اپنی انتہا کو چھونے لگی۔

خودکشی، عشق، فنا، قتل یا پھر ترکِ وفا

کچھ بھی کر سکتی ہے جذبات میں آئی لڑکی

اب وہ بھیڑیا کھڑکی کے جال سے ہاتھ اندر ڈال کر پردہ ایک طرف ہٹنے کی کوشش میں لگ گیا۔ جبکہ اندر وہ خوف سے لرزتی ہوئی بیڈ پر بیٹھی سرہانے میں سر دبائے شدت سے رو رہی تھی۔۔۔ایک عرصہ تنہائی میں رہتے آج اسے پہلی بار اپنے وجود سے خوف آرہا تھا۔۔۔اسکے لب ایسے سیل گئے تھے۔۔کہ وہ اس ظالم سے اپنے لیے رحم کی بھیک بھی نہیں مانگ پا رہی تھی۔

یکلخت ایسی خاموشی ہوئی کہ اسے اپنا دل کانوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔۔۔سرہانے سے سر نکال کر اسنے کھڑکی کی سمت دیکھا وہ وہاں نہیں تھا۔۔۔دل ہی دل میں وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اسکی نظر بیڈ پر پڑے اپنے فون کیطرف گئی۔۔۔۔

تیزی سے فون ہاتھ میں پکڑتے اسے پہلا خیال ہی رقیہ اید ھی کا آیا۔

دوسری گھنٹی پر رقیہ کی نیند میں خلل پیدا ہوا۔۔تو نیند میں ڈوبی بند آنکھوں کے ساتھ انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل ڈھونڈنے کیلیئے ہاتھ بڑھایا۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~

ہیلو۔۔۔۔۔خمار آلودہ آواز عالیہ کے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی۔

"رقیہ آپا۔۔۔۔۔!!" وہ خوف و دہشت کے باعث ہلکی آواز میں سسکتے ہوئے بولی تو رقیہ اید ھی کی آنکھیں جھٹ سے کھولیں۔۔۔

ایک نظر وہ اپنے موبائل کو دیکھا کر پھر ٹائم کو دھیان میں لائیں۔۔۔۔تو دو بج کر ستائیس منٹ ہو رہے تھے۔

وہ بات کر رہی تھی کہ ٹھہری ہوئی خاموشی میں گولی چلنے کی آواز سے دھماکہ سا سنائی دیا۔۔۔وہ مضطربانہ انداز میں کھڑی ہوئی ساتھ ہی فون اسکے ہاتھ سے نکل کر زمین بوس ہوتے ہی سارا کا سارا کھول کر رہ گیا۔

جبھی اس درندے نے دروازے کی سمت اندھا دھند گولیاں چلانا شروع کر دیا۔۔اندر وہ کمزور، بے یارو مددگار بیچاری کانوں میں ہاتھ دبائے زور زور سے اپنی مدد کیلیئے چیخنے لگی۔۔۔پھر کچھ ہی دیر میں ناامید ہو کر دیوار سے پشت ٹکائے لمبی لمبی سانسیں لیتی ہوئی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ دوسری طرف بلا آخر وہ بھوکا بھیڑیا بھی اپنے شکار سے صرف اور صرف ایک قدم دور تھا۔

وہ تو شکر اللہ کا جس نے ہمسائیوں کی شکل میں فرشتوں کی ایک تعداد مدد کیلیئے بھیجی۔

جیسے ہی کچھ لوگ مدد کیلیئے گھر میں داخل ہوئے تو ایک سر تا پا سیاہ پوش ہاتھ میں ریوالور تھامے دروازے کے فریم میں کھڑا تھا۔

وہ حیران و پریشان رہ کر ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔۔۔ان میں سے کوئی ایک بھی غلطی یا ہوشیاری کرتا پولیس کی گاڑی کا بجتا سائرن اس سیاہ پوش کی کانوں کے پردوں سے ٹکرایا اور اسکی سیٹی گل ہو گئی۔

چند سیکنڈز عالیہ کی سمت تنفر سے گھورنے کے بعد سامنے کھڑے افراد پر ریوالور تان کر۔۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔

مگر پولیس کی گرفت سے خود کو بچنے میں ناکام رہا۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~

ناول: محورِ محبت   مصنفہ: فاطمہ رانا

رقیہ ایدھی کا گلابی چہرہ عالیہ کی کہانی کا اختتام بتاتے ہوئے بری طرح سے مرجھا کر بے تاثر سا ہو گیا۔ جبکہ آنکھوں میں کرب کی داستان بھی رقم تھی۔

(ماضی)←——————

عالیہ میں نے کئی دفعہ تم سے گزارش کی ہے کہ میرے ساتھ چلو تمہارا اس گھر میں اکیلے رہنا صحیح نہیں۔۔۔ مگر تم مانتی نہیں ہو میری۔۔۔
رقیہ نے اسکے پاؤں پر مرہم لگتے ہوئے تاسف سے کہا تو عالیہ ویران نگاہوں سے اپنے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ تھم جانے والے طوفان کے ساتھ اسکی آنکھوں میں آنسو جم سے گئے تھے۔
عالیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!! یہ انسانوں کی دنیا ہے مگر ان سے کہیں بڑھ کر یہاں وحشی، درندے ہیں وہ وحشی درندے جو ایک تنہا، حسین بے یارومددگار عورت کو سب سے پہلے جبر و زیادتی کا نشانہ بناتے ہیں۔
رقیہ ایدھی نے شفقت سے اسے پکار کے نوحہ و حقارت سے کہہ کر جیسے آگاہ کرنا چاہا۔
"رقیہ آپا میں نے تو خود کو کئی دروازوں اور دیواروں کے پیچھے چھپار کھا تھا۔۔۔ میں انکے پیچھے رہ کر آنسوں بہاتی، سسکتی، آہیں بھرتی۔۔۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ دھاڑیں مارتی۔۔۔ میرا شور۔۔۔۔ یادوں کے اس قید خانے سے باہر نہیں جاپاتا تھا۔"
"پھر کیسے کوئی۔۔۔۔ محبت میں جدائی کی شدت سے۔۔۔۔ میرے دل سے نکلتی ٹیسوں کو سن سکتا ہے۔۔۔۔؟؟؟ کیسے کوئی درد میں مبتلا یعنی پہلے سے لٹے پٹے انسان کو لوٹنے کی کوشش کر سکتا ہے۔۔۔؟؟؟ کیسے رقیہ آپا۔۔۔ لوگ اتنے بے رحم کیسے ہو سکتے ہیں۔۔۔۔؟؟
عالیہ آزردگی سے سوال پر سوال کر رہی تھی اور وہ خاموشی سے بیٹھی اسے سن رہی تھیں۔
تم تو خود بڑی بے رحم ہو عالیہ۔۔۔۔ اتنی بے رحم ہو۔۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔ تمہیں خود کی حالت پر بھی ذرا رحم نہیں آتا۔
میں بے رحم نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔ خود غرض ہوں۔۔۔۔۔
اس گھر میں صرف اسلئے رہ رہی ہوں کہ یہاں اسکی خوشبو اور یادیں بسی ہوئی ہیں۔۔۔۔
آپ جانتی ہیں یہاں ہر چیز میں مجھے وہ نظر آتا۔۔۔ اسکا چہرہ نظر آتا ہے۔۔۔۔
اور میں اسکے چہرے، خوشبو اور عکس سے فرار نہیں چاہتی۔۔۔ اسلئے نہیں کہ آج بھی کہیں میں اس سے شدت سے محبت کرتی ہوں۔۔۔ بلکہ اسلئے کہ اسکی ہر شے، اسکے احساس تک سے مجھے شدید نفرت ہے۔
اور میری اس سے یہ نفرت ہی مجھے سانس لینے پر مجبور کرتی ہے۔۔۔ مجھے زندہ رکھتی ہے۔۔۔۔ اس دن کے لیے جس دن وہ یہاں اس گھر میں میرے پاس آئے گا، اور میں اسے یہی اس گھر میں ملوں گی۔۔۔ وہ میرے سامنے روئے گا، گڑگڑا کر معافی مانگے گا۔۔۔۔ اور میں اسے معاف نہیں کروں گی۔۔ بلکہ اسکا گریبان پکڑ کر پوچھوں گی۔۔۔ کہ کیا قصور تھا میرا۔۔۔؟؟؟ کیا قصور تھا۔۔۔؟؟؟ پوچھوں گی۔۔۔۔ کیا محبت کرنا قصور تھا میرا۔۔۔۔؟؟؟ ہاں۔۔۔۔؟؟؟؟
شاید ہاں۔۔۔!!! محبت کرنا قصور تھا میرا۔۔۔۔!!!!
تبھی تو ہجر کی سیاہی سے میری زندگی کی تمام تر راتوں میں گہری تاریکی چھا گئی ہے۔
آنسوؤں اور جذبات میں بہہ کر عالیہ نے اپنی خود غرضی بتاتے ہوئے اپنی محبت کا نفرت میں لپٹا ہوا اظہار کر کے دھاڑیں مارنے لگی۔
رقیہ ایدھی نے عالیہ کی تکلیف کا اندازہ لگاتے ہوئے یوں محسوس کیا جیسے انکی روح کو کسی نے بری طرح سے جھنجھوڑ کر انہیں بھیانک حقیقت بتائی ہو۔

~~~~~~~~~~~~~~

پیاری عالیہ یادیں ہر کسی کیلیئے رحمت نہیں کسی کیلیئے زحمت بھی بن جاتی ہیں۔
یہ ہر کسی کو جینا نہیں کسی کو مرنا بھی اکساتی ہیں۔
خود غرض بن کر سوچو گی تو پانی کیطرح یادوں کا ذرا سا بہاؤ اور ٹھہراؤ۔۔ میری جان تم دونوں ہی برداشت نہیں کر پاؤں گی۔۔۔ یقیناً یہ بے رحم یادیں تمھارے اس ویرانے میں قیام تک۔۔۔ تمھارے لیے خطرہ پیشِ آہنگ کرتی رہیں گئیں۔۔۔ اسلئے بے غرض ہو کر سوچو۔۔ تاکہ تمہیں خود کے حق میں بہتر فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکے۔
انہوں نے عالیہ کے آنسوؤں سے تر چہرے کو صاف کیا۔ پھر پنکھے سے لٹکتے دوپٹے کی سمت دیکھتے ہوئے قدرے سنجیدگی و افسردگی سے کہا۔
اگر میں بے غرض ہو جاؤں۔۔۔ سب چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ کو مانگوں۔۔۔۔ تو کیا۔۔۔ اللہ۔۔۔۔ مجھ خطاکار کو معاف کر کے اپنے لیے چن لے گا۔۔۔؟؟؟
عالیہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آہستگی سے سوال کیا۔۔۔ جیسے وہ گہری سوچ میں غرق تھی۔
اسکے اچانک سوال پر رقیہ ایدھی کا بے تاثر چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ بکھر گئی۔
توبہ کا خیال اگر دل میں آجائے تو دل ہر غرض سے پاک ہو جاتا۔
اور اگر دل صاف اور سچا ہو تو گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔
جب تم نے سچ دل سے توبہ کر کے اپنے رب کو منانا چاہا تو اس نے تمہیں معاف کر کے اپنے پاس آنے کیلیئے چن لیا تھا۔۔۔
جبھی تو آج تم مجاز سے حقیقت تک کا سفر طے کر رہی ہو جو کہ اللہ تک پہنچنے کا واحد راستہ ہے۔
وہ قدرے یقینی اور دلجمعی سے جواب دے کر خاموش ہوئیں تو عالیہ کی آنکھوں میں سرشاری، چہرے پر اطمینان اور لبوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ تھی۔۔۔ جس دیکھ انکا چہرہ بھی کھل گیا، آنکھیں چمکنے لگیں اور دل مطمئن سا ہو گیا۔

~~~~~~~~~~~~

رقیہ ایدھی نے بغیر کسی مشکل کے بڑی تیز رفتاری سے عالیہ کی زندگی کی ناقص کتاب کے زرد پنوں پر لکھا ماضی یوں پڑھا کر سنایا کہ زوریز شاہ سب سن کر خود کی ہی نظروں میں اس زور گرا کہ ایک مضبوط مرد ہونے کے باوجود وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

(ماضی)←————

میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق۔۔۔۔۔ دیتا۔۔۔۔ ہوں۔
وہ ایک لمحہ غصے کی آگ جس نے عالیہ کا وجود جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ آج آتش فشاں بن کر زوریز شاہ کے اندر پھٹ گیا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ رو کیوں رہا ہے عالیہ کے ساتھ برا ہونے پر یا پھر اسکے ساتھ برا کر کے۔۔۔؟؟

خیر۔۔۔وہ سمجھنا بھی نہیں چاہتا تھا بس رونا چاہتا تھا۔

رقیہ ایدھی کا انکا ماضی کریدنے پر اس جو تکلیف ہو رہی تھی۔وہ آنسوؤں میں بہانا دینا چاہتا تھا مگر وہ رو کیوں رہا تھا۔۔؟؟ وہ تو ظالم تھا نہ۔۔۔۔۔۔!؟ ظلم کی انتہا کی تھی اسنے۔۔۔!! تو اب اسے تکلیف کیوں ہو رہی تھی۔۔۔۔؟؟ اسے رونا کیوں آ رہا تھا۔۔؟؟؟

وہ رو رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔۔۔حیدر علی اسکا رنج والم، اعتبار کا ساتھی، سچا اور کھرا، وفادار دوست وہی دوست جو اسکے گناہوں کا شریک، اچھے برے ہر کام میں تھپکی مار کے اسکی ہمت بڑھانے والا دوست آج کھڑا صرف آنسوں بہار ہا تھا۔۔ہاتھ بڑھا کر اسکے آنسوں صاف کیوں نہیں کر رہا تھا۔۔ تھپکی مار کر دلاسہ دیتے ہوئے اسکے ہاتھ کیوں کانپ رہے تھے۔۔؟؟ دل کیوں گھٹ رہا تھا۔؟؟ آخر دونوں ستمگروں کے اشک تھمنے کا نام کیوں نہیں لے رہے تھے۔۔؟؟؟؟

دل کا غبار زرا تھما تو زوریز نے متورم آنکھیں اٹھا کر رقیہ ایدھی کی سمت دیکھا جو ملامت بھری نظروں سے اسے ہی گھور رہی تھیں۔

عالیہ نے خودکشی نہیں کی تو پھر کیسے۔۔۔۔۔؟؟؟؟

زوریز نے اکھڑے سانس کے ساتھ تیز رفتاری سے سوال ادھورا رہنے دیا۔

کچھ لمحے خاموشی کے بعد رقیہ ایدھی پتھریلے تاثرات چہرے پر سرد لہجے میں بولی۔

عالیہ کیسے مری۔۔۔؟؟؟ اسکی قبر کہاں ہے۔۔۔؟؟ جاننا چاہتے ہو۔۔۔؟؟

زوریز نے کپکپاتے ہاتھوں کو آپس میں پیوست کر کے بمشکل سر کو اثبات میں جنبش دی۔

مر تو وہ تبھی گئی تھی جب تم نے اس سے آنکھیں پھریں تھیں۔

خیر۔۔۔!! اسکی قبر کہاں ہے۔۔۔۔۔یہ میں تمہیں ایک شرط پر بتاؤں گی۔

رقیہ نے ایک سرد نگاہ زوریز شاہ کے روئے روئے چہرے پر ڈال کر جواب دینے پر خواہش کا اظہار کیا۔جبکہ زوریز شاہ کی سرخ سوجی ہوئی آنکھیں ہر قسم کے سوال سے عاری ہو کر شرط سننے بغیر منظوری دے دینے پر بے تاب تھیں۔

~~~~~~~~~~~~~

نیہان اس وقت سب گھر والوں کے ساتھ بیٹھی اپنا ادھورا چھوڑا ناول پڑھ رہی تھی۔روبینہ اور ہاجرہ بی خوش گپیوں میں محو تھیں۔جبکہ حنظلہ پاس ہی بیٹھا اپنے آفس کا کام کر رہا تھا۔

نیہان کیا پڑھ رہی ہو۔۔۔۔؟؟؟ روبینہ نے نرمی سے پوچھا۔

نا۔۔۔ول۔۔۔ نہیں کچھ بھی نہیں۔۔۔۔!! نیہان کے ذہن میں ہاجرہ بی کی موجودگی کا خیال آتے ہی وہ ہڑبڑا سی گئی۔۔ مگر اپنے اس انداز پر وہ ہاجرہ بی کی نظر سے بچ نہ سکی۔
~~~~~~~~~~~~~

ہزار دفعہ منع کیا ہے کہ یہ افسانوی باتیں مت پڑھا کرو۔۔ یہ دماغ پر اچھا اثر نہیں کرتی۔۔۔ کوئی اسلامی یا مطالعے والی چیز پڑھ لیا کرو۔۔۔ جس سے تمہیں فائدہ ہو۔۔۔۔۔ لیکن نہیں تم نے تو قسم کھا رکھی ہے میری بات نہ ماننے کی۔ ہنہ۔۔۔!؟

میری پیاری سی بوا جی۔۔۔۔ بس کریں نہ۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔!!

ہاجرہ بی کے غصہ کرنے پر وہ چھوٹے بچوں کیطرح انتہائی لاڈ سے بولی۔

ہاجرہ بی نے رخ دوسری جانب موڑ کر ناراضگی ظاہر کی۔

اچھا نہ۔۔۔۔۔۔ آئندہ نہیں پڑھوں گی۔۔۔۔۔!!

نیہان اپنی جگہ سے اٹھی اور ہاجرہ بی کے گرد بازو حائل کر کے محبت سے بولی۔

لاؤ دو مجھے۔۔۔۔ ہاجرہ بی نے ہاتھ پھیلا کر ٹھنڈے لہجے میں اس سے ناول مانگا۔

کیا۔۔۔۔۔؟؟؟؟ نہیں۔۔۔۔!!!

نیہان نے بے ساختہ اپنے بازو کا حصار توڑ کر سوال کیا پھر نفی میں سر ہلایا جیسے وہ کچھ کچھ سمجھ گئی تھی۔

میں خود جاؤں گی اپنے ناول کو رکھنے آپ کہیں دور پھینک آئیں تو۔۔۔۔۔؟؟؟

ناول کو اپنے سے سینے سے لگا کر نیہان نے بدگمان ہو کر کہا تو سبھی کی ہنسی نکل گئی۔

سبھی کے ہنسی اڑانے پر نیہان نے ناول کو دیکھ کر منہ بسورا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

نیہان۔۔۔۔ اپنے عقب سے آتی آواز پر اسنے پلٹ کر دیکھا۔

تمھارا ہمسفر کیسا ہونا چاہئے۔۔۔؟؟ کیا سوچا تھا تم نے۔۔۔؟؟؟ حنظلہ کے اچانک سوال پر نیہان حیران و پریشان ہو کھڑی اسے گھورتی رہی۔

نیہان۔۔۔ اپنے آئڈیل کے بارے میں بتاؤ کچھ۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے نہایت سادہ انداز میں اپنی بات دوبارہ کہی۔

ہر لڑکی کا آئڈیل اسکا باپ ہوتا ہے۔۔ بالکل اسی طرح میرے بھی آئڈیل بابا جانی ہے۔

ہمیشہ میں نے انکی طرح عزت اور محبت دینے والے مخلص ساتھ کی خواہش کی ہے۔۔۔ تم جانتے ہو۔۔۔!! بابا جانی مما کے ساتھ اس قدر مخلص ہیں کہ انکے گزر جانے کے بعد بھی انہوں نے کسی دوسری عورت کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دی بلکہ اپنی ساری زندگی مما کی یادوں کی نظر کر دی۔

نیہان نے تفاخرانہ انداز میں سر اٹھا کر قدرے ٹھہراؤ سے کہا۔

ہمم۔۔۔ حنظلہ نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔

اب میں ایک سوال کروں گی۔ نیہان نے پرجوش لہجے میں کہا جس پر حنظلہ کی دلکش مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

کیا۔۔۔؟؟؟؟ اسے مسکراتا دیکھ نیہان نے چڑ کر کہا۔ تم بھی وہی سوال پوچھا گی جو میں نے تم سے پوچھا تھا۔ حنظلہ نے اپنی مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

نہیں نہیں میرا سوال تمھارے سوال کے بالکل برعکس ہو گا۔ نیہان نے سرعت سے کہہ کر ہاتھ میں پکڑے ناول کو دیکھا۔

کچھ لمحے دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی یونہی حنظلہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کرنے کی اجازت دی۔ نیہان نے اسکی سمت ایک قدم اٹھایا۔

اگر تم مصنف ہوتے اور میں کوئی افسانوی کردار۔۔۔۔ تو تمہاری کہانی میرے کردار کے گرد کیسے گھومتی۔۔۔۔۔ اور تو تم اس کہانی کا اختتام کیا کرتے۔۔۔۔؟؟؟

میں مصنف۔۔۔ مگر۔۔۔ کیسے۔۔۔؟؟؟ نیہان کے عجب سوال پر اسنے متعجب ہو کر کہا۔

کیوں نہیں۔۔۔ مختصر سی بات کو اتنا لمبا چوڑا، پھیلا بڑھا، کر کہتے ہو اور تو اور لفظوں کا چناؤ بھی کیا کمال کرتے ہو۔۔۔ تو تم مصنف کیوں نہیں ہو سکتا۔۔۔؟؟

چلو چھوڑو نہیں ہوتے تم مصنف لیکن فرض ہی کر لو کہ اگر تم ہوتے تو۔۔۔۔؟؟؟

نیہان نے معصومانہ انداز میں ضد کی انتہا ہی کر دی۔ جس پر حنظلہ نے محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔ حنظلہ کی اس حرکت پر وہ جھینپ سی گئی۔

ٹھیک ہے فرض کر لیتے ہیں۔۔۔۔ اگر میں مصنف ہوتا تو میری کہانی کا مرکز و محور صرف تم ہی ہوتی۔۔۔۔ مگر تم پر لکھی جانی والی کہانی کا اختتام میرے اختیار میں فرض کرنے سے بھی کبھی نہ ہوتا۔

ایسا کیوں۔۔۔۔؟؟؟ کیا تم میرے بارے کچھ نہیں جانتے۔

حنظلہ کے جواب پر نیہان نے متجسّسانہ انداز میں کہا۔

سب جانتا ہوں۔۔۔!! تم وہ لڑکی ہو جسے اللہ کی تمام مخلوق سے پیار ہے۔

جو چاند کی دیوانی ہے۔ کھلے آسمان تلے محویت سے تارے گنتی ہے۔ جو اکثر پرندوں سے ہمکلام رہتی ہے اور پھولوں سے رازداری کا تعلق رکھتی ہے۔ جو بارش کے زمین پر اترنے سے جھوم اٹھتی ہے۔۔۔۔ کتابوں، خیالوں میں گم رنگین دنیا کا خواب رکھتی ہے۔۔۔ پھر اپنے ہی خوابوں سے خوف زدہ ہو کر آدھی رات کی خاموشی سنا کرتی ہے۔۔۔ پھر یونہی رات کو دن میں بدلتا دیکھ اللہ کی قدرت کے حسین منظر کو اپنے دل میں محفوظ کر لیتی ہے۔

~~~~~

تم سمندر سی گہری لڑکی ہو اپنے سارے جذبات دل میں چھپائے رکھتی ہو۔

لہٰذا تمھارے جذبات سے انجان میں کہانی کے اختتام کا گمان ہی رکھ سکتا ہوں۔

اتنا کچھ جانتے ہو بارے میں۔۔۔۔ پھر میرے جذبات سے ناواقف کیوں ہو۔۔۔؟؟؟

حنظلہ مخمور آواز میں دیوانہ وار بول کر خاموش ہوا تو نیہان نے اپنی مخروطی انگلی میں اسکی دی ہوئی پہنی انگوٹھی کی خشمگیں نظروں سے دیکھتے اپنے دل میں ہلکی سی سرگوشی کی جو حنظلہ کو اسکے کانوں تک بخوبی سنائی دی۔

جبھی وہ مسکراتا ہوا اپنے ہاتھ میں پکڑے اسکے نرم و نازک شفاف ہاتھ کی پست پر اپنا انگوٹھا گڑتے ہوئے جیسے اسے ہوش کی دنیا میں واپس لایا۔

نجانے کیوں نیہان حنظلہ کی باتوں کے ساحر میں اسطرح جکڑ جاتی کہ اسے ارد گرد کی ہوش ہی نہیں رہتی تھی۔۔۔ اسکا دل کرتا حنظلہ بس بولتا جائے اور وہ کھڑی اسے سارا دن سنتی رہے۔

میں ہوں خاک افتادہ جس آزار کا
عشق بھی اُس کا ہے نام اک پیار کا
~~~~~

وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوبے بے اختیار مسکرا رہے تھے۔ محبت انکے گرد جھوم رہی تھی کہ نیہان کے فون کی بجتی گھنٹی نے انکا طلسم توڑا۔

انکل کا فون ہے۔۔۔!!

نیہان نے آہستگی سے حنظلہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر فون کی سکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھ کر کہا۔

السلام و علیکم انکل۔۔۔!! کیسے ہیں آپ۔۔۔۔؟؟؟ نیہان نے فون کان سے لگتے بے ساختہ خیریت پوچھی۔

کیا۔۔۔؟؟؟ واقعی میں۔۔۔۔؟؟؟؟ کل شام واپسی کی فلائٹ ہے آپ کی۔۔۔؟؟؟ نیہان نے پرجوش لہجے میں سوال کیا۔

تھوڑی ہی دیر میں فون بند ہونے کے بعد نیہان نے خوشی کے مارے اچھلنا شروع کر دیا۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ انکل نے میری بات اتنی جلدی پوری کر دی۔۔۔ انبلیوایبل، بابا جانی اور انکل کل شام واپس آرہے ہیں۔۔۔ انبلیوایبل، انبلیوایبل کہ بابا جانی کل واپس آرہے ہیں۔

نیہان نے جوش و خروش ہو کر حنظلہ کو بتایا جسکا روشن چہرہ امنگ اور چاؤ سے کھل گیا۔

زوریز شاہ کی کھوج اسے ایک بہت بڑے گھر میں کھینچ لائی تھی ایک ایسے گھر میں جہاں بہت ساری قبریں تھیں۔۔۔ اور اس گھر کی خوبی یہ تھی۔ کہ اس گھر میں دنیا کی ہر قوم کا مسلمان چاہے اسکا تعلق کسی بھی فرقے یا سلطنت سے ہو، وہ کسی بھی رنگ و نسل کا ہو، کسی بھی ملک و ملت کا ہو، وہ سب یہاں پر ایک دوسرے کیساتھ امن و سکون کیساتھ، سلامتی اور شانتی کے ساتھ رہ رہے ہیں۔

وہ اپنے بھاری قدم اٹھاتا ہوا قبرستان کے پھاٹک کے عین سامنے آکر ہاتھوں میں سفید پھولوں کا گلدستہ تھامے بے بسی کی تصویر بنے کھڑا تھا یونہی کچھ لمحوں بعد اسنے اپنی نگاہیں پھاٹک کے بائیں جانب گھمائیں جہاں (Five Pillars Farm INC) کا بورڈ دیکھ کر اسکے ساکت وجود میں ارتعاش پیدا ہوا۔۔۔ بمشکل اپنے وزنی قدم اٹھاتا ہوا وہ جیسے ہی قبرستان میں داخل ہوا تو اسکی کھوئی کھوئی نظروں نے ہزاروں ایک جیسی قبروں کا طواف کیا جو ساری کی ساری ایک برابر تھیں۔۔۔ یہاں ہر قبر کی چوڑائی لمبائی اور سب کا سائز ایک جتنا تھا۔

یعنی کہ یہاں پر امیر غریب، کالا گورا، چھوٹا بڑا اور دنیا کے کسی بھی رنگ و نسل کا مسلمان کسی بھی فرقے یا سلطنت سے تعلق رکھنے والا انسان سب کی قبریں ایک جیسی تھیں۔ کسی کی قبر اونچی کسی کی قبر نیچی نہیں تھی۔ سب کی قبریں جو تھیں۔۔۔ زمین کے برابر تھیں۔۔ جو کہ سنت طریقہ بھی ہے ہمارے حضور ﷺ کی سنت کے عین مطابق ہے۔

وہ سب قبریں دیکھ کر ایک پل کیلئے بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

شَاءَ اللّٰہُ بِکُم لَلَاحِقُونَ اَسْاَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ العَافِیَۃَ۔

اے مؤمنو! تم پر سلام ہو، ہم آپ کے پاس جلد آنے والے ہیں، اپنے لئے اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت و خیریت مانگتے ہیں۔

Peace be upon you O inhabitants of the abodes, believers and Muslims, we will join you if Allah wills, we ask Allah for our and your well being.

زوریز شاہ نے قدم آگے بڑھانے سے قبل قبرستان کے آداب کے مطابق اپنے دل میں وہاں سونے والوں کیلئے دعائے مغفرت کی پھر دیوانہ وار اِدھر سے اُدھر عالیہ کی آرام گاہ ڈھونڈنے لگا۔

یکلخت اسکی نگاہ عالیہ کی قبر پر جا کر ٹھہری یہاں اسکے نام تختی پر حافظہ لکھا ہوا تھا۔ جسے دیکھ زوریز شاہ کی آنکھیں خوشی و حیرانگی سے پھیل گئیں ہاتھ پہلو میں گر گئے چہرہ ندامت کے باعث بری طرح مرجھا سا گیا۔۔۔

گلے میں ایک گلٹی سی ابھر کر غائب ہوگئی دھندلی ہوتی آنکھوں سے اسنے قبر کو دیکھا اسکے ہونٹ پھڑ پھڑائے اور اسی محبوب بالذات کا نام نکلا۔

"ایلی_______________________!!!"

لمحے میں اسے اپنا کیا۔۔ سب یاد آنے لگا۔ جس پر ندامت نے اسکی بولنے کی طاقت سلب کر دی۔۔۔ زبان تالو سے چپکنے پر وہ اپنے گناہوں پر بے حد پشیمان اور تائب ہو کر بہت دیر تک آنسو بہتا رہا۔۔۔ اور پھر عالیہ کے پسندیدہ بے رنگ پھولوں کا گلدستہ بڑے آرام سے اسکی گور پر رکھ کر کنارِ قبر پر بیٹھا نام تختی پر اپنی پیشانی ٹکائے کثرت سے دوبارہ آنسو بہانے لگا۔

دل کا غبار زرا تھا تو وہ والہانہ انداز میں قبر پر اپنے ہاتھ پھیرنے لگا جس سے جسم میں قید اسکی روح سسکنے لگی۔

ایلی صرف ایک نقطے نے مجھے تمھارا محرم سے مجرم بنا دیا۔

اسنے خود رفتہ سا ہو کر کہا اور ایک دلخراش چیخ ماری جس سے گھنی خاموشی میں واویلا مچ گیا۔ شور صدیوں سے ٹھہری ہوئی چپ فضا میں دور تک سرایت کرتا گیا بعد ازاں تمام قبریں لرز اٹھیں۔

تم نے لوٹ آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی
چلو آؤ پاس بیٹھو فاتحہ تو پڑھتے جاؤ

حنظلہ لان میں چہل قدمی کر رہا تھا۔۔۔ اور نیہان اپنی بالکنی میں کھڑی میٹھی میٹھی نظروں سے اسے دیکھ رہی۔۔۔ ایکاایکی حنظلہ کی نگاہ اوپر کی سمت اٹھتے ہوئے سراپا حور پر پڑی۔۔۔ تم سوئی نہیں ابھی تک۔۔۔؟؟؟ چہرہ اوپر کی جانب اٹھائے ایڑھیوں کے بل پر اسکی سمت گھوم کر حنظلہ نے ذرا بلند آواز میں پوچھا۔

تم بھی تو نہیں سوئے۔۔۔!؟ نظریں چاند پر مرکوز کیے نیہان اسی کے انداز میں بولی۔ حنظلہ نے مسکراتے ہوئے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

نیند نہیں آرہی۔۔۔!!کچھ لمحے دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی پھر دونوں ہم آواز بولے اور یکلخت خاموش ہو گئے۔

مجھے بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر سے دونوں ہم آواز بولے مگر اس دفعہ اپنی ہنسی کا گلا نہ گھونٹ پائے۔۔۔دونوں ایک ساتھ دوسری بار فلک شگاف قہقے لگا رہے تھے مگر اس دفعہ نیہان ہنستے ہوئے بے ساختہ حنظلہ کو لطف و محبت سے دیکھ رہی تھی۔

ہمیں زمین سے چاند کا ایک ہی رخ دکھائی کیوں دیتا ہے۔۔؟؟؟

نیہان نے شائستگی سے پوچھا۔

چاند زمین کے گرد ساڑھے انتیس دونوں میں ایک چکر پورا کرتا ہے اور اتنا ہی وقت ایک بار اپنے محور کے گرد گھومنے میں لیتا ہے۔اسلئے ہم زمین سے چاند کا ایک ہی رخ دیکھ پاتے ہیں۔

حنظلہ نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا کر محویت سے چاند کو دیکھ رہا تھا۔اسطرح چاند اپنی دودھیا روشنی سے اسکا چہرہ منور کر رہا تھا اور نیہان کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ نور آفتاب سے نہیں حنظلہ کے سفید طباق چہرے سے نکل رہا ہے۔دراز قامت پر وجاہت سے بھرپور وہ پر نور چاند نیہان کے دل کے اس کونے میں اتر رہا تھا جہاں سے اسکی محبت کے میٹھے احساس نے جنم لیا تھا۔

اب چاند بھی لگا ہے تیرے سے جلوے کرنے
شبہائے ماہ چندے تجھ کو چھپا رکھیں گے

———✿———

اسے بنانا تو بہت آسان ہے دیکھنا ہم بنالیں گے۔۔۔

وہ گوگل پر جنجر چاکلیٹ چپ کوکیز کی ریسیپی سرچ کرنے کے بعد یوں بولی جیسے کوکیز بنانا اسکے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

یقیناً ہم بنالیں گے۔۔۔حنظلہ نے شیلف پر کہنی ٹکا کر بلاشبہ مسکرا کر کہا۔

ہمم۔۔۔۔۔بابا اور انکل کو ہمارے ہاتھ کی بنی کوکیز پسند بھی بہت آئے گئیں۔وہ پر امید لہجے میں بولتی ہوئی وال کیبنٹ کی جانب بڑھی۔

کاسٹر شوگر، جنجر پاوڈر، سیلف ریزن۔۔۔

وہ کیبنٹ کا دوڑپل پکڑے کھڑی فون سکرین پر دیکھتی ہوئی اپنی ہی دھن میں بول رہی تھی۔۔۔یونہی دروازہ کھول کر اسنے اپنا سر اٹھا کر کیبنٹ کی سمت دیکھا تو اسکے (جنجر چاکلیٹ چپ کوکیز) کے بقایا اجزاء منہ میں ہی رہ گئے۔کیونکہ اسکا قد کیبنٹ سے قدرے چھوٹا تھا ہاتھ بڑھتے ہوئے ایڑھیاں اٹھا کر اسنے کاسٹر شوگر پکڑنے کی دوسری دفعہ کوشش کی مگر بے سود۔

ہاتھ نہ پہنچنے پر انگور کھٹے ہیں دل میں کہہ کر وہ اپنا سا منہ بنائے کھڑی تھی۔جبھی پیچھے سے کسی دراز قامت کے شاندار مانس نے ہاتھ بڑھا کر کاسٹر شوگر کنسٹر (canister)اتار کر اسکے سامنے کیا۔

وہ خجل سی ہو کر حنظلہ کیطرف مڑی تو وہ شرارتی مسکراہٹ عنابی لبوں پر سجائے اسے گھور رہا تھا۔۔۔نیہان نے خجالت سے مسکراتے ہوئے اس سے شوگر کنسٹر تھاما اور ایک نظر دوبارہ اس پر ڈال کر نظریں چورائیں۔

تم فریج سے دودھ انڈے وغیرہ نکالو اور باقی کا سامان مجھے بتاؤ۔۔۔۔ میں نکال دیتا ہوں۔

ڈرائے فروٹ اور سیلف ریزنگ فلار نکالو پہلے۔۔۔۔

حنظلہ نے اسکی خفت مٹانے کیلئے بولا تو وہ سرعت سے فریج کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

اسکی تیزی دیکھ کر حنظلہ نے مسکراتے ہوئے سر کو نفی میں ہلایا اور کیبنٹ کی سمت رخ موڑ لیا۔

نیہان نے دودھ اور انڈے فریج سے نکال کر شیلف پر رکھے۔۔۔ حنظلہ نے بھی اسکے کہے کے مطابق سامان نکالا۔۔ اور شیلف پر رکھا۔۔۔۔

وہ فریج کی جانب دوبارہ بڑھی اور مکھن نکال کر اپنی جگہ واپس آکر کھڑی ہوگئی۔

آں۔۔۔۔ اب چاکلیٹ چپس، جنجر پاوڈر، کاسٹر شوگر اور۔۔۔۔۔۔ میدہ نکالو۔۔۔۔

وہ جتنی تیزی سے بول رہی تھی حنظلہ اتنی ہی پھرتی سے ہاتھ پاؤں چلاتا ہوا ایک سے دوسرے کیبنٹ کے دروازے کھولتا ہوا اجزاء مکمل کر رہا تھا۔۔ کہ بے دھیانی میں کیبنٹ کے دروازے کی نوک اسکے ماتھے پر اتنی زور سے لگی کہ وہ درد کی شدت سے کراہنے لگا۔

نیہان اسکی درد بھری آہ سن کر سرپٹ اسکی جانب لپکی اور اسکے ماتھے پر پڑا نیل دیکھ کر رونے والی ہوگئی۔

مگر بمشکل اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا کر اسنے اپنے دوپٹے کا پلو پکڑ کر اپنے احمریں لبوں سے لگایا اور اپنی سانسوں کی حرارت کا خوشگوار احساس اس پر اتار کر حنظلہ کی ماتھے پر پڑے نیل پر رکھا۔

وہ نیہان کے انداز پر متحیر کھڑا اسکی آنکھوں میں چمکتی نمی دیکھ کر کئی سوالوں میں جکڑ سا گیا۔

آہ بہت درد ہو رہا ہے۔۔۔!!!

نیل پر گرم نرم دوپٹہ لگنے سے حنظلہ کو زرا راحت محسوس ہوئی اسنے نیہان کو اپنے لئے فکر مند ہوتا دیکھ کر ڈرامائی انداز میں کہا۔

اتنے لمبوترے ہو تم ذرا سے چھوٹے نہیں ہو سکتے تھے کیا۔۔؟؟

نیہان نے رونی شکل بنائے نجانے کیا سوچتے ہوئے سوال کیا۔

تم نہ باز آنا لوگوں میں خوبیاں خامیاں ڈھونڈنے کی اپنی پرانی عادت سے۔۔۔۔!!

حنظلہ نے اسکی آنکھوں میں چمکتی نمی دیکھ کر مصنوعی خفگی سے کہہ جیسے اسکا دھیان بٹانا چاہا۔

کیا مطلب کس عادت سے۔۔۔؟؟ نیہان نے فوراً سوال حاضر کیا۔

یہی کہ میرا قد اگر چھوٹا ہوتا تو تم مجھے چھوٹے میاں چھوٹے میاں کہہ کر پکارتی۔۔۔ اب ذرا لمبا ہوں تو لمبو، لمبوترا کہتی ہو مجھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!؟

منگیتر ہوں یار تمھارا کچھ تو لحاظ کیا کرو۔

حنظلہ کا جواب سن کر وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔

اتنا غصّہ۔۔۔۔؟؟ لگتا ہے۔۔۔۔!! شوٹ اندرونی اور کافی گہری لگی ہے۔

نیہان نے مزے سے کہا تو حنظلہ نے افسوس سے سر کو نفی میں ہلایا۔

نیہان حنظلہ کے کندھے سے تھوڑا نیچے تک آتی تھی۔ اسلئے ایڑھیوں کے بل اونچا ہو کر اسکے ماتھے پر سیکائی کر رہی تھی۔

تمھارا قد اونچا ہونے کی وجہ سے کیبنٹ کا دوڑ تمھارے ماتھے پر اتنی زور سے لگا۔۔ کہ تمھارا سارا ماتھا لال اور نیلا پڑ گیا جسے دیکھ کر فکر مندی و پریشانی میں میرے منہ سے کچھ بھی نکلا گیا۔۔۔ ایم سو سوری اگر تمہیں برا لگا تو۔

نیہان حنظلہ کے چہرے پر ٹھنڈے تاثرات دیکھ کر مدھم لہجے میں بلا کی معصومیت سے بولی۔
نہیں اتنا بھی کوئی برا نہیں لگا مجھے۔۔بس۔۔۔درد زرا زیادہ ہونے کی وجہ سے تمھاری طرح میرے بھی منہ سے کچھ بھی نکالتا جارہا ہے۔حنظلہ نے اپنا سا منہ بنائے شرارتی و فنکاری انداز میں کہا۔
ابھی بھی درد ہو رہا ہے۔۔۔؟؟؟نیہان نے اسکے ماتھے پر نرمی سے ہاتھ لگاتے ہوئے قدرے بے چینی سے پوچھا۔
پریشانی کے عالم میں نیہان اسکے اتنے قریب کھڑی تھی کہ وہ حنظلہ کے سلگتے ہوئے جذبات کو زور زور سے ہوا دے رہی تھی۔
دونوں کی نظریں ایک دوسرے کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔اسلئے چند پل خاموشی کی نظر کیے گئے۔جس میں حنظلہ اس سوچ میں پڑھ گیا تھا۔کہ وہ نیہان کو اس قدر کیوں چاہتا ہے۔۔۔؟؟کیا چیز ہے جو اسے نیہان میں اتنی پسند ہے۔۔۔؟؟اسکی مسکراہٹ یا معصومیت بلاشبہ نیہان کی معصومیت ہی تھی۔۔کہ وہ خود کو ہزار دفعہ اس پر قربان کرنے کو تیار تھا۔
لگتا ہے بہت درد ہے۔۔نیہان نے افسردگی سے دوبارہ کہا تو حنظلہ کا طلسم ٹوٹا۔نہیں اب نہیں ہے اتنا۔۔۔۔!!حنظلہ نے اپنی سوچوں پر پہرے بیٹھا کر سر جھٹک کر قدرے ملائمت سے کہا۔۔۔کیونکہ وہ جانتا تھا۔۔۔کہ وہ ابھی اسکی نہیں ہوئی اور محبت کی اس سوچ کو وہ تکمیل تک اس وقت ہی پہنچا سکتا تھا۔۔جب تک وہ اسکی دسترس میں نہیں آجاتی۔مگر نیہان تو خود بے اختیار اسے دیکھتے ہوئے محبت کے جہاں میں کھو سی گئی تھی۔
ناچاہتے ہوئے بھی دونوں ایک دوسرے سے نظریں ہٹا کر کوکیز بنانے میں مشغول ہوگئے۔نیہان مکھن اور چینی ایک ساتھ باؤل میں ڈال کر پھینٹنے لگی جبھی حنظلہ نے باؤل کے کنارے پر احتیاط سے انڈے مار کر توڑا اور مکھن اور چینی میں ملایا۔۔۔۔
اب مکھن، چینی، انڈے اور دودھ کو اچھی طرح پھینٹ کر انہوں نے ٹرے میں ڈالا اور خشک اجزاء اس میں شامل کرکے 170 سینٹی گریڈ پر اوون میں 15 منٹ بیکنگ کیلئے لگا دیا۔
ان پندرہ منٹوں میں حنظلہ نے کئی دفعہ نیہان کی نگاہوں کی تپش خود پر محسوس کی مگر ایک نظر اٹھا کر اسکی سمت نہ دیکھا صرف اس لیے کہ وہ اسکے دیکھنے پر کہیں نظریں نہ چرالیں۔
نیہان اسے تکتے تھک نہیں رہی تھی اور حنظلہ بھی یہ پندرہ منٹ کبھی ختم نہ ہونے کی دعا کرنے میں مگن تھا۔جو بھی تھا وقت کا گزرنا قدرت کا قانون تھا۔یونہی ٹائم پورا ہوا اوون کی گھنٹی بجی حنظلہ نے فوراً آنکھیں اٹھا کر نیہان کی سمت اسکی محبت سے سرشار آنکھوں میں جھانکا تو ایک پل میں نیہان کی بڑی بڑی آنکھوں میں بسا محبت کا جہاں دیکھ کر حنظلہ کو بے تحاشہ خوشی ہوئی۔۔۔۔نیہان نے پل بھر کے بعد آنکھیں اوون کی جانب گھمائیں پھر گلوز پہن کر پر مزہ اور لذیذ (جنجر چاکلیٹ چپ کوکیز) باہر نکالے جسے نکالتے ہی اطراف میں شیریں خوشبوں کا ایک طوفان سا امڈ آیا۔
حنظلہ نے خود پر ضبط نہ پاتے ہوئے نیہان کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی ٹرے سے گرما گرم ایک بسکٹ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں اچھالتے ہوئے ٹھنڈا کیا اور پھر دو حصوں میں تقسیم کرکے بسکٹ کا ایک ٹکڑا اپنے منہ میں ڈالا اور دوسرے نیہان کے منہ میں ڈال دیا۔
حنظلہ کی اس بے تکلفی پر وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو مزید بڑا کیے قدرے بے یقینی سے یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے بسکٹ کو اپنے نوکیلے دانتوں تلے اسطرح کچل رہی تھی۔۔کہ پوری کی پوری کوئی کارٹون ہی لگ رہی تھی۔
اور یہی وہ لمحے تھا جب حنظلہ نے اپنا موبائل پینٹ کی جیب سے نکال کر اسکے معصوم چہرے پر جھلکتے کیوٹ سے تاثرات کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے کیمرے میں کیپچر کرلیا تھا۔ازاں بعد حنظلہ کی دلکش مسکراہٹ سے نیہان کے دل میں ایک مرتبہ پھر ارتعاش پیدا ہوا۔۔یونہی ہنستے مسکراتے رات آہستہ آہستہ اندھیرے میں ڈوب رہی تھی۔۔۔اور آگے اداس خوشیاں بے صبری سے انکا انتظار کر رہی تھیں۔۔۔۔!!!

لرز رہی ہے میری کائناتِ دل اب تک
یہ کیا کیا کہ مجھے مسکرا کے دیکھ لیا

حیدر علی نے لینڈنگ کا وقت حنظلہ کو ٹیکسٹ کر دیا تھا اور وہ پورے سات بجے انہیں ایئر پورٹ سے ریسیو کرنے کیلئے پہنچ چکا تھا۔
نیہان بے حد خوش تھی اور حد درجہ باپ کے سینے لگنے کیلئے بے تاب تھی۔روبینہ کو سرپرائز دینے کا حیدر علی سے کیا ہوا وعدہ اسے روکے ہوئے تھا۔۔ورنہ اسکا بس چلتا تو وہ حنظلہ کے ہمراہ ایئر پورٹ انہیں ریسیو کرنے کب کی پہنچ چکی ہوتی۔
بوا جی کھانا لگائے میں روبی آنٹی کو آواز لگاتی ہوں۔حنظلہ بھی بس آتا ہو گا۔
ٹھیک ہے میری شہزادی۔۔۔!!ہاجرہ بی نے رسم مسکرا کر نرمی و محبت سے کہا اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔
روبی آنٹی۔۔۔ آنٹی آجائیں کھانا لگ گیا ہے۔نیہان نے سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر قدرے بلند آواز میں آواز لگاتے ہوئے کہا۔
ہاجرہ بی نے اپنی تیزی دیکھتے ہوئے ایک منٹ میں ڈائننگ ٹیبل مختلف قسم کے کھانوں سے بھر دیا تھا۔روبینہ آہستگی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آرہی تھی کہ حنظلہ کی گاڑی کا سائرن بجا نیہان کے کانوں سے آواز ٹکرائی کہ وہ کسی چھوٹے بچے کیطرح خوشی کے مارے سرپٹ باہر کو بھاگی۔
اسکے اس انداز پر روبینہ اور ہاجرہ بی اپنی اپنی جگہ حیرانگی کی مورت بن گئیں۔
حنظلہ کے گھر آنے کی نیہان کو اس قدر خوشی۔۔۔؟؟؟روبینہ نے الجھے لہجے میں اپنی تشویشی نگاہوں سے نیہان کے اوجھل ہوتے وجود کا دور تک پیچھا کرتے ہوئے کہا۔نیہان باہر پہنچی تو آگے پیچھے دو کاریں پھاٹک سے داخل ہو کر پورچ میں رک گئیں۔
بابا۔۔بابا جانی۔۔۔،زوریز شاہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا ہی تھا۔کہ نیہان چیختی ہوئی انکی سکونتی باہوں کی جانب بھاگی جس سے دور رہنا۔۔۔اسکے بس میں اب بالکل بھی نہیں تھا۔دونوں باپ بیٹی کا ایک سا حال تھا۔نیہان کو کسی ننھی بچی کیطرح اپنے سینے سے لگائے زوریز شاہ کی روح کو تسکین مل رہی تھی۔
ایکا ایکی نیہان کو باقیوں کی موجودگی کا احساس ہوا جسے وہ خوشی کے مارے دھیان میں نہ لا سکی۔اب وہ اپنا سر زوریز شاہ کی سینے سے اٹھا کر ان سے الگ ہو کر حیدر علی سے بغل گیر ہوئی۔
آآ۔۔۔آپ کب واپس آئے۔۔؟؟؟ان سب سے تھوڑی دوری پر سخت حیرانگی چہرے پر سجائے روبینہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔
حیدر علی کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ روبینہ کو ایک پل کیلئے تو اپنی آنکھوں کی بصیرت پر شک محسوس ہوا۔
سرپرائز۔۔۔۔نیہان نے انتہائی تپاک محبت واختلاط سے کہا۔وہ اپنی پھول جیسی نرم ولطیف آواز میں آگے کچھ بولتی کسی کی نامانوس آواز اسکے سماعتوں میں پڑی۔

السلام و علیکم۔۔۔۔۔۔!!!حنظلہ نے آگے بڑھ کر احتراماً گاڑی کا دروازے کھولا تھا۔پھر وہ جو کوئی بھی تھی انہوں نے گاڑی سے اتر کر زمین پر قدم رکھتے ہی سلام لینے میں پہل کی تھی۔نیہان نے پلٹ کر ایک اچٹتی سی نگاہ حنظلہ پر ڈال کے اسکے ہمراہ کھڑی عمر رسیدہ عورت کو بغور دیکھا۔جسے دیکھ کے نیہان کے احمریں لبوں پر ان کا نام نکلا۔

رقیہ ایدھی۔۔۔۔۔۔!!!بیٹا تم انہیں جانتی ہو۔۔۔۔۔۔؟؟؟روبینہ کے پہلو میں کھڑے حیدر علی نے مضطربانہ انداز میں سوال کیا۔

انکل انہیں کون نہیں جانتا۔۔۔۔۔؟؟؟دنیا کے تقریباً ہر ایک کونے میں انکے چیرٹی سنٹر (Charity Centers) اور کئی فلاحی ادارے (welfare organization) ہیں۔یہ فلاحی و بہبود کیلئے کام کرتی ہیں چونکہ انہیں سوشل میڈیا پسند نہیں اسلیے انسٹا،ایف بی، پر انکی کوئی رئیل آئی ڈی بھی نہیں۔۔۔نیوز ،نیوز پیپر وغیرہ سے بمشکل انکے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔یونی میں اکثر ہی نامور شخصیات میں انکا بھی ذکر سننے کو ملتا ہے۔۔اسلئے حال ہی میں رامین اور میں نے انکے بارے میں ریسرچ کیا تھا۔

نیہان نے متواتر جملے بولتے ایک ہی سانس میں سب بتا کر زوریز شاہ کیلئے سانس لینا دشوار کر دیا تھا۔

انہوں نے نیہان کا نام اس قدر پیار اور آرام سے لیا کہ اسکے بولنے سے کہیں ٹوٹ نہ جائے۔نیہان۔۔۔۔!!

آپ جانتی ہیں میں نیہان ہوں۔۔۔۔۔؟؟نیہان نے تعجبانہ انداز میں قدرے پھرتی سے سوال کیا وہ جواباً مسکرائی۔یقیناً بابا نے بتایا ہو گا!؟نہیں۔۔۔آپکی مما نے۔۔۔!!نیہان نے پورے اعتماد سے مسکراتے ہوئے کہا تو انہیں قدرے نرمی و شگفتگی سے اسکی توقع کے برعکس جواب دیا۔

انکی بات سن کر وہ سخت حیرت میں ڈوب گئی۔۔پھر اس حیرانی ملی کیفیت سے پھر سے پوچھا۔

مما آپکو جانتی تھیں۔۔۔؟؟؟کیا رشتہ تھا آپکا اور مما کا۔۔۔۔؟؟؟

درد کا۔۔۔غمزدہ ہو کر جواب دیا گیا حالانکہ آنکھیں میں کرب کی داستان رقم تھی۔

درد کا۔۔۔؟؟وہ زیرِ لب بولی تو اسکے آفتابی چہرے پر مضطرب اور متجسس دل و دماغ کی کرب انگیز کیفیت جھلکیاں دینے لگی۔

نیہان بیٹا ہم طویل سفر طے کر آئے ہیں۔۔ہمیں اندر چلنے کا نہیں کہو گی آپ۔۔۔؟؟وہ سوچوں میں کہیں بھٹکتی۔رقیہ ایدھی نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھا اور ظریفانہ انداز میں کہہ کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

اوہ ایم ایکسٹریملی سوری۔۔۔۔میں آپ سے کہنا بھول گئی۔۔۔!!کوئی بات نہیں۔۔۔!!نیہان خجالت سے مسکراتے ہوئے معذرت خواہ ہوئی تو وہ لمحے کی تاخیر کیے بغیر بولی۔

آئیں اندر چلتے ہیں۔۔۔!!نیہان نے ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈال کر کہا۔

رقیہ ایدھی (ایک عظیم ہستی) کا انکے گھرانے سے کیا تعلق ہے۔۔اور وہ یہاں کس مقصد کے تحت تشریف لائی ہیں۔۔؟؟؟اندر کی جانب بڑھتے سبھی کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھا مگر اسکا جواب موقع کی مناسبت سے ہی سب کو معلوم پڑنا تھا۔کھانا ڈائننگ پر ابھی ابھی ہی لگایا گیا تھا۔۔۔اسلئے بالکل گرم تھا تھکاوٹ کافی تھی بھوک سے برا حال تھا۔۔اسی لیے کسی نے فرش ہونے کی زحمت نہیں کی اور سب کھانا کھانے بیٹھ گئے۔کھانے کے کچھ توقف کے بعد اب سب اپنے اپنے کمروں میں آرام کی غرض سے نیند پوری کرنے چلے آئے تھے۔

مگر نیند نیہان کے علاوہ ہر ایک کی آنکھوں سے روٹھی ہوئی تھی۔۔سوائے نیہان کے گھر کا ہر فرد بے چین تھا۔

زوریز شاہ اپنے کمرے میں مضطربانہ انداز میں ٹہل رہے تھے۔

حیدر علی بیڈ پر اپنی بیوی کے ہمراہ بیٹھا اس سے اپنی پریشانی بانٹنے کے ساتھ آنے والے وقت سے آگاہ بھی کر رہے تھے۔ امریکہ میں زوریز شاہ پر گزری سنگین صورتِ حال اور آنے والے وقت کا سوچ کر روبینہ کا دل اب کسی سوکھے پتے کیطرح لرز سا رہا تھا۔ عالیہ کی یادیں اور نیہان کا معصوم چہرہ تھا۔۔۔ کہ رقیہ ایدھی کی اداس آنکھوں میں بستا ہوا اونگھ کی گنجائش کو مات دے رہا تھا۔

حنظلہ کی نیند میں ڈوبی آنکھیں اسکی جان ہنستی، جسم وروح کی مکین کو دیکھنے کیلئے اصرار کر رہی تھیں۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اپنے کمرے سے نکل کر نیہان کے کمرے کی جانب بڑھا کمرے کے آدھ کھولے دروازے کے پاس پہنچ کر اسنے دیکھا کہ زوریز شاہ حسبِ عادت نیہان کے کمرے میں ابھی داخل ہی ہوئے تھے۔ وہ واپس جاتا دل نے کہا ذرا انتظار کر لو پہلے اپنی جانِ جان، دلنشین، دلربا کو دل بھر کر دیکھ تو لو۔۔۔!!

حنظلہ نے دھیرے سے سر دروازے سے اندر کیا تو زوریز شاہ کے مرجھائے ہوئے چہرے پر زبردستی ہی سہی مسکراہٹ بکھر ہوئی تھی۔

نیہان کو دیکھا تو وہ کل رات کی نہیں سوئی تھی۔۔ آج پورے وقت پر جوش وخروش سے خراٹے لے رہی تھی۔ وہ کروٹ پر لیٹی تھی۔ اسکی ایک ٹانگ اور بازو بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا۔۔۔ صراحی جیسی لمبی اور خوشنما گردن مڑی اور خمدار بالوں میں چہرے چھپا ہوا تھا جبکہ لحاف بیڈ پر پھیلا ہوا اس پر تھا ہی نہیں۔

مسکراہٹ برقرار رکھے زوریز شاہ نے آگے بڑھ کر اسکے نرم و نازک ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا ہاتھ اسکے شانے پر رکھ کر اسے سیدھا کیا پھر چہرے پر شفقت و محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسکے چہرے سے بال پیچھے ہٹائے اور گردن سیدھی کر کے سر کے نیچے تکیہ لگانے کے بعد لحاف پھیلا کر اچھی طرح سے اس پر اوڑھیا پیشانی پر پیار کیا پھر اسکے پاس بیڈ بیٹھ کر ہر جذبے سے عاری نظروں سے بغور اسکے معصومیت سے بھرپور چہرے کو تکنے نے لگے۔۔!! حنظلہ نے اپنا سر دروازہ سے باہر نکالا پھر جانے کیلئے اسنے چہرے کا رخ اپنے کمرے کی سمت پلٹا ہی تھا کہ اندر کمرے سے آتی نیہان کے بڑبڑانے کی آواز سن کر وہ ٹھٹھکا اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ اسی جگہ آ کھڑا ہوا یہاں وہ پہلے کھڑا تھا۔

بابا جانی آپ امریکہ سے واپس آ گئے۔۔۔۔؟؟؟ وہ نیند میں بھی اپنے باپ کی موجودگی کو محسوس کر سکتی تھی۔ پس اس نے خمار آلودہ آواز میں پوچھا اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں آپس میں ملا کر اپنے دائیں ہاتھ کی پست پر چہرہ رکھا اور پھر دوبارہ خراٹے لینے میں مستغرق ہو گئی۔

"میں وہی مر مٹ جاتا لیکن میری جان آپ وہ وجہ ہو جس نے مجھے زندہ واپس آنے پر مجبور کیا۔

جب آپ پر زندگی کی تلخ حقیقت کھولے گی تو میں بے بس ہو جاؤں گا لیکن آپکے بس میں سب ہو گا اسلئے ہو گا وہی جو آپ چاہو گی بیٹا"۔۔۔!!

زوریز شاہ نے نیہان کے دوسری رخسار پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر کثرت جذبات میں بہتے ہوئے اپنی بات مکمل کی پھر اپنی جگہ چھوڑ کر اسکے سرہانے کھڑے ہو گئے۔

کوشش کرنا کہ مجھے معاف کر دینا بیٹا مجھے معاف کر دینا۔"

وہ سخت بے چین ہو کر مجرمانہ انداز میں بول رہا تھے جبکہ نیہان ہر چیز سے انجان نہایت پر سکون بے فکری کی نیند سو رہی تھی۔

کچھ لمحے اطراف میں خاموشی کا راج رہا پھر کچھ توقف کے بعد حنظلہ کو چاپ سنائی دی، وہ دروازے سے ہٹ کر دیوار کے پیچھے سانس روکے کھڑا ہو گیا۔ زوریز شاہ اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے پھر انکا وجود برق رفتار سے نیم تاریک اندھیرے میں کہیں غائب ہو گیا۔۔۔ لیکن کوئی تھا جو اپنی سوالیہ نظریں انکے وجود پر مرکوز کیے حیران و پریشان پتھر کا ہوا کھڑا تھا۔

بیڈ پر پڑی سلوٹیں بتا رہی تھیں کہ حنظلہ کی پوری رات کیسے گزری تھی۔ رات سے صبح تک اسکے ذہن میں کئی سوالوں و سوچوں اور واقعات کا میلا لگ چکا تھا۔ آنکھوں دیکھا کانوں سنا پھر اسکا بڑھتا تجسّس۔۔۔ اسے زوریز شاہ کے سینے میں دفن راز کو کریدنے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ اپنے بیڈ پر لیٹے چھت کی خوبصورت سیلنگ کو دیکھ رہے تھے۔۔۔یکلخت دروازہ کھولا اور حنظلہ کمرے میں اندر داخل ہوا۔۔اتنی صبح صبح حنظلہ کو کمرے میں دیکھ کر وہ چونک اٹھے۔

سب خیر ہے۔۔۔؟؟؟زوریز شاہ نے حنظلہ کی سرد سنجیدہ نظروں کے حصار میں اضطرابی کیفیت میں پوچھا۔

جی وہ لاسٹ منتھ کی پینڈنگ فائلز چاہئے تھیں۔۔!؟

وہ جس مقصد کے لیے انکے پاس آیا تھا بتا نہیں سکتا تھا اسلیے سوچتے ہوئے اسنے قدرے ٹھہراؤ سے کہا۔

ہاں وہ۔۔۔وہاں ٹیبل پر پڑی ہیں۔بیڈ سے نیچے ٹانگیں لٹکا کر انہوں نے کھڑکی کے پاس پڑے سٹڈی ٹیبل کی سمت ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا۔

زوریز شاہ کو اس پر کوئی شک محسوس نہ ہو۔۔حنظلہ نے نیم مسکراہٹ کے ساتھ اپنے چہرے پر مثبت تاثرات سجائے ٹیبل سے فائلز اٹھائیں اور کمرے سے باہر نکلنے کی کی۔۔مگر پھر بھی انہوں نے حنظلہ کے رویے کو عجیب محسوس کیا تھا۔کمرے میں داخل ہو کر حنظلہ نے دروازہ زور سے بند کیا پھر ہاتھ میں پکڑی فائلز کو بیڈ پر پھینکا جو اچھل کر چند آدھ بیڈ پر اور کچھ زمین پر بکھر گئیں۔وہ اپنے کن پٹی کو دونوں ہاتھ سے دبا رہا تھا۔اسے ایسا محسوس کہ اسکا سر درد سے پھٹ جائے گا۔کچھ لمحوں بعد اسنے ایک سرسری نگاہ زمین پر بکھری فائلز پر ڈالی پھر نجانے کیا سوچتے ہوئے وہ بیڈ پر پھیلی فائلز کو سمیٹنے لگا۔۔۔اچانک اُسکی نظر کسی فائل میں پڑی عالیہ کی آدھی جلی تصویر پر ٹھہری۔وہ تصویر کو ہاتھ میں پکڑ کر بغور اسکا معائنہ کرنے لگا تصویر پر پڑیں سلوٹیں اور راکھ کسی کے تنفر و برہمی اور غیظ و غضب کی مہر ثابت کر رہی تھی۔قسمت لمحہ بہ لمحہ کس راز کو اس پر عیاں کر رہی ہے۔۔؟؟وہ ہاتھ میں پکڑی عالیہ کی تصویر کو گہری نظروں کے حصار میں لئے بیٹھا سوچ رہا تھا۔

نیہان،نیہان۔۔اٹھ جاؤ بیٹا۔۔ہاجرہ بی نے اسے ہلاتے ہوئے کہا۔

ہو ہنہ۔۔کر کے اسنے کروٹ بدلی۔شاہ جی اور باقی ناشتے پر تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔اٹھ جاؤ نیہان۔اس دفعہ ہاجرہ بی نے ہلکے سے لحاف کھینچی اور قدرے ملائمت سے کہا۔گڈ مارننگ بوا جی وہ نیند سے بیدار ہوئی اور اٹھ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔صبح بخیر میری شہزادی ہاجرہ بی نے اسکے صبیح چہرہ پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت و محبت سے کہا۔

بوا جی میرے کپڑے۔۔؟؟نکال دیے ہیں۔!ناشتہ تیار ہے فریش ہو کر جلدی سے نیچے آجاؤ سب انتظار کر رہے ہیں تمھارا۔ہاجرہ بی اسکے سوال کرنے پر دفعتہً جواب دیا اور تاکیداً اسے ناشتے پر جلدی آنے کا کہا۔

السلام وعلیکم۔۔۔تیار ہو کر نیچے ڈائننگ روم میں آتے ہی اسنے پیچھے سے زوریز شاہ کے گرد بازو حائل کیے اور سب کو سلام کہا۔نیہان کو دیکھتے زوریز شاہ کے لبوں پر ایک میٹھی مسکراہٹ اور چہرے پر خوشنما رنگ بکھر گئے۔

انہوں نے نیہان کا ماتھا چوما اور اسے بیٹھنے کا کہا۔نیہان نے انکے حکم پر اسنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور انکے ساتھ والی کرسی کھینچ کر اپنی نشست سنبھالی۔

ہماری مہمان نظر نہیں آرہیں۔۔۔؟؟؟کیا ابھی تک جاگی نہیں وہ۔۔۔؟؟

حنظلہ نے پراٹھا کا چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر نوالہ بناتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

وہ تو صبح فجر ٹائم ہی اٹھ گئی تھیں۔۔۔نماز اور قرآن کریم کی تلاوت کے بعد انہیں نے چائے پی۔۔۔پھر اپنے کسی کام کا کہہ کر وہ ڈرائیو کے ساتھ چلے گئیں۔

ہاجرہ بی نے نیہان کیلیئے کپ میں چائے نکلتے ہوئے بتایا۔

ماشاءاللہ وہ اپنے انداز سے ہی بہت اعلیٰ خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ اس دفعہ چائے کی چسکی لگا کر حنظلہ نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ سب خاموش تھے۔۔ سوائے حنظلہ کے کوئی نہیں بول رہا تھا روبینہ، حیدر علی اور زوریز شاہ کے چہروں کے تاثرات ایسے تھے۔۔ کہ وہ رقیہ ایدھی کے بارے میں بات کرنا سننا نہیں چاہتے تھے۔ ویسے رقیہ بی کا ہم سے کیا تعلق ہے۔۔۔ ؟؟؟ اس دفعہ نیہان نے پوچھا۔ زوریز شاہ کی آنکھوں میں تیرتا خوف حنظلہ کی عقابی نظر میں آگیا۔

نیہان۔۔۔۔ بیٹا بھا بھی جانتی تھیں انہیں۔۔۔ ہم سے تو اتفاقاً فلائٹ میں ملاقات ہوئی انکی۔۔۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ پاکستان اپنے کام کے سلسلے میں آرہی ہیں۔ ہم نے اصرار کیا کہ وہ ہمارے ہاں قیام کرے تو۔۔۔ ہمارے اصرار پر وہ ہمیں منع نہیں کر سکیں۔

حیدر علی نے قدرے ٹھہراؤ سے جواب دیا۔ حنظلہ اور نیہان نے ارمینہ کا اسکی شادی سے پہلے کے حالات ذہن میں رکھے مزید کوئی بات نہیں کہی۔

~~~~~~~~~~~~~

مجھے یہاں پاکستان میں کچھ وقت لگے گا میں ابھی واپس نہیں آسکتی۔ وہ گاڑی میں بیٹھی کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔

لیکن مم۔۔ چارلس میں نے کہا نہ۔۔۔!! اس دفعہ انہوں نے الفاظ کی ادائیگی پر زور دیا۔ آپکی موجودگی ان غریب عوام کیلئے بہت اہم ہے جنکی جانوں کا تحفظ آپ نے اپنے ذمے لئے ہے۔۔۔ یہاں ہسپتال میں انکا علاج رکا ہوا ہے۔ آپ جلدی کچھ کریں ورنہ کئی غریب لوگ موت کے گھاٹ اتر جائے گے۔ چارلس نے انکی غصیلی آواز سن کر قدرے سرعت سے اپنی بات رکھی۔

میں تمہیں اکاؤنٹ کا پن کوڈ سینڈ کرتی ہوں۔۔۔ تم وہاں کے معاملات درست کرو جو اپنے علاج کی رقم ادا نہیں کر سکتا۔۔۔ ایدھی فنڈ سے انکے علاج پر خرچ کرو۔ انہوں نے سپاٹ چہرہ بنا کر قدرے سنجیدگی سے کہا۔

مم فنڈ نہیں آپکی موجودگی درکار ہے۔ چارلس کی مؤدبانہ خواہش سن کر انہوں نے جواباً فون بند کر دیا۔

میں جس مقصد سے جہاں آئی ہوں مجھے جلد پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔۔ ورنہ میری غیر موجودگی سے بہت سے لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

وہ پتھریلے تاثرات چہرے پر سجائے سوچ رہی تھی کہ دن کے بارہ بجے کا وقت جب آفتاب نصف النہار پر تھا گاڑی شاہ ہاؤس میں آکر رکی۔

وہ گاڑی سے اتر کر اندر آئیں تو سبھی لاؤنج میں پرانے خوشگوار لمحوں کی بیاضِ تصاویر کھولے دائرہ کی شکل میں بیٹھے کھلکھلا رہے تھے۔

السلام وعلیکم۔۔۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سب پر سلامتی بھیج کر انکو اپنی جانب متوجہ کیا۔ وعلیکم اسلام نیہان نے انکے سلام کا جواب دیتے ہوئے انکے لیے اپنے پہلو میں جگہ بنائی۔۔۔ تو وہ مسکراتے ہوئے نیہان کے برابر میں آکر بیٹھ گئیں۔ کھانا لگوں آپکے لیے۔۔۔۔ ؟؟؟ ہاجرہ بی نے انہیں پانی کا گلاس پیش کرتے ہوئے پوچھا۔ نہیں۔۔۔ کھانا میں نے کھالیا تھا۔۔۔ آپ بس ایک کپ کافی بنا دے۔ جی بہتر۔۔!! انہوں نے پانی کے ایک دو گھونٹ پی کر گلاس ٹرے میں رکھ کر نرمی سے کہا تو ہاجرہ بی انکے کافی بنے چلے گئیں۔

بابا آپکو یہ تصویر یاد ہے۔۔۔ ؟؟؟ نیہان کے پوچھنے پر انہیں نے مسکراتے ہوئے جوش و خروش سے سر کو اثبات میں ہلایا تھا۔

تصویر میں نیہان نے دونوں ہاتھوں میں آئس کریم پکڑے کھاری تھی اور زوریز شاہ نے مسکراتے ہوئے یہ سیلفی بنائی تھی۔

دکھاؤ مجھے بھی۔۔۔ رقیہ ایدھی نے ملائمت سے کہا۔ آپکو پتہ ہے انکل آنٹی کا گھر۔۔۔ دو قدم پر ہے۔۔ اور ہم انکی طرف کبھی چل کر نہیں گے۔۔ صرف اسلئے کہ مجھے آئس کریم کھانی ہوتی تھی۔۔۔ بابا مجھے گاڑی پر لے کر جاتے تھے۔

نیہان نے انکی سمت البم بڑھ کر اُن سے کہا۔
~~~~~~~~~~~~~

آئس کریم سے حنظلہ نیہان دونوں کے ذہنوں میں دلکش، شیریں یادوں کا میلا لگ گیا وہ دونوں ایک دوسرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئیں۔

زندگی میں والدین سے ہی بہاریں ہوتی ہیں بیٹا۔ جی بالکل۔۔۔!!

رقیہ بی آپ اپنے بارے بتائیں آپکی فیملی میں کون کون ہے۔۔۔؟؟؟

نیہان نے انکی بات سے اتفاق کر کے انکے متعلق تصدیق چاہی۔ میری فیملی میں وہ سب لوگ ہیں۔۔ جنکا میرے جیسے دردمندوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا۔

انکی بات سن کر وہ ایک لمحے کو مکمل خاموش ہوگئی۔ میرا مطلب کہ آپکے والدین، بہن بھائی، شوہر بچے۔۔۔؟؟؟ اب کی بار اسنے واضح سوال کیا۔

میرے بہن بھائی نہیں۔۔۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔ چونکہ میرے والدین کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا اسلئے انکے گزرنے کے بعد انکا سب کچھ میرے نام ہوگیا۔ شوہر میرے آرمی میں تھے۔ انہوں نے حق پر اپنی جان قربان کر دی۔ ایسے میں زندگی نے مجھے ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا کہ میں دولت سے لوگ، لوگ کا ایمان تک خرید سکتی تھی مگر اپنے اپنوں

کو کبھی واپس نہیں لا سکتی تھی۔ اسلئے میں نے اپنی ساری دولت اُن لوگوں پر خرچ کی جو بے یار و مددگار، مجبور، بے بس تھے۔ درد میں مبتلا لوگوں کو میں اپنا سمجھ تھی کہ ایک رات ایک طلاق یافتہ اجڑی ہوئی عورت جو در در کی خاک چھانتی سڑکوں پر ماری ماری پھیر رہی تھی۔ مجھے ملی۔۔۔ وہ عالیہ تھی جس کا کوئی نہیں تھا۔۔ وہ تن تنہا خالی ہاتھ تھی۔ اسکے چہرے پر تاسف، پچھتاوا، اور جدائی کا کرب تھا۔ درد کی ماری عالیہ مجھے اتنی اپنی لگی۔۔ کہ وہ میرے دل کے اتنے قریب ہو گئی کہ ایک اچھی دوست، بہن، بیٹی۔۔۔ اسنے میری زندگی میں ہر رشتے کی کمی پوری کر تھی۔۔۔ پھر وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئی اور میں ایک بار پھر سے میں تنہا ان لوگوں کی ہو کر رہ گئی۔ جنکا ہم دردمندوں کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا۔

اس بار انہوں نے اتنی صاف گوئی اور تفصیل سے جواب دیا تھا۔ انکی آنکھیں عالیہ کے ذکر پر بھر آئیں۔ وہ خاموش ہوئی تو ہر طرف خاموشی پھیل گئی جسے ہاجرہ بی نے آکر توڑا۔ آپکی کافی۔۔۔ ہاجرہ بی نے ٹرے میں پڑے کافی کے کپ کو انکی بڑھا کر کہا۔

عالیہ کون تھی۔۔۔؟؟؟ انہیں طلاق کیوں ہوئی تھی۔۔۔؟؟؟

انہیں نے ہاجرہ بی سے کافی کا کپ پکڑا ہی تھا کہ نیہان نے متجسسانہ انداز میں سوال کیا۔ نیہان کے سوال پر زوریز شاہ کے چہرے کی ہوائیاں اُڑ گئیں، دھڑکنوں کی رفتار تیز ہوگئی، ہاتھوں کی لرزاہٹ پر بمشکل انہوں نے قابو پایا اور اپنے ماتھے پر آئیں پسینے کی ننھی ننھی بوندیں صاف کیں۔

ٹھہرو میں تصویر دکھاتی ہوں۔ رقیہ ایدھی نے موقع غنیمت جانتے ہوئے مضطرب بیٹھے زوریز کی سمت دیکھ کر سپاٹ آواز میں کہا اور فون میں عالیہ کی حجاب والی تصویر کھول کر اسے دیکھائی۔۔۔ جس دیکھ کر گھر کے سب لوگوں ششدر رہ گئے۔ جبکہ حنظلہ کو صحیح معنوں میں دھچکا لگا۔ صرف نیہان کی نظریں فون پر تھیں۔۔ جبکہ باقی سب کی نظریں زوریز شاہ کے پسینے سے تر چہرے پر مرکوز تھیں۔ ماشاءاللہ حجاب کتنا سوٹ کر رہا ہے ان پر، کتنی پیاری اور سادہ سی ہیں بالکل کسی حور کیطرح۔۔۔!! نیہان کے منہ سے عالیہ کی تعریف سن کر انہیں بے حد خوشی محسوس ہوئی۔ اگر آپ برا نہ مانے تو آپ بتائیں گی اتنی حسین و جمیل، نیک صورت عورت کو طلاق کیوں ہوئی۔۔۔؟؟؟

نیہان نے متجسس ہو کر پوچھا۔

قتل کیا تھا عالیہ نے۔۔۔ جو اسکا شوہر اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اسلئے بطورِ سزا اس پر طلاق کا دبہ لگ گیا۔ رقیہ ایدھی زوریز شاہ کی سمت دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولی۔ بات کے درمیان حنظلہ کی ساری توجہ زوریز شاہ کی لحہ بہ لحہ بڑھتی بے چینی پر تھی۔ کک۔۔۔ کک۔۔۔ کیا۔۔۔ قق۔۔۔ قا۔۔۔ قتل

۔۔۔۔مگر کسی کا۔۔۔؟؟؟؟؟نیہان نے قدرے بے یقینی سے سراسیمہ ہو کر سوال کیا۔اپنی سوتن کا۔۔۔!!!جواب سن کر نیہان حیران وپریشان اپنے اندازے کو غلط سمجھے لگی۔

تم سوچ رہی ہو عالیہ نے قتل محبت کے خاطر کیا تھا۔۔!!نیہان حیرانگی کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی کہ انہوں نے اسکے دل میں دبے سوال بے آواز سوال کو زبان دی تو نیہان نے سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دی۔نہیں ایسا نہیں تھا۔۔۔!!

یہ سچ ہے کہ وہ اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور اس محبت کے خاطر اسنے اپنے والدین،عیسائی مذہب کے عقاید وافکار اور معاشرے کی مخالفت تک کی اور یہاں تک کہ اس نے اپنی محبت کے خاطر اپنے شوہر سے جُڑی دوسری عورت کے رشتے کی بنیاد برداشت پر رکھ لی تھی۔

دھیرے دھیرے عالیہ اور اسکے شوہر کے درمیان دوریاں بڑھ رہی تھیں کہ اللہ نے انہیں خوش خبری سے نوازا۔۔دونوں بہت خوش ہوئے پھر قسمت کی کرنی ایسی ہوئی کہ تین ماہ بعد اسکے شوہر کی دوسری بیوی بھی حاملہ ہو گئی۔۔۔عالیہ کی خواہش پر اسکا اچھے ہسپتال میں چیک اپ ہو رہا تھا جبکہ دوسری بیوی کی پریگنینسی پیچیدہ ہونے کی وجہ سے اسکا شوہر اسکا چیک اپ سب سے بڑے اور مہنگے ہسپتال میں کروانا چاہتا ہے اتفاقاً دونوں بیویوں کا چیک اپ ایک ہی ہسپتال ہونے لگا۔چونکہ اسکی دوسری بیوی اسکی پہلی شادی سے انجان تھی۔۔اسے کوئی خوف نہیں تھا اور ویسے بھی اسے معلوم تھا عالیہ سے یہاں تک بن سکتا ہے وہ برداشت کرے گی۔

بات کے درمیان پہلی مرتبہ خاموش ہو کر انہوں نے سانس خراج کیا۔لیکن زوریز شاہ کی سانسیں حلق میں اٹکی ہوئی تھیں۔۔۔وہ اتنا مجبور ہو گیا تھا کہ بیٹی کے سامنے بیٹھا کر اسکے گناہوں کا کالا چٹھا کھول کر بیان کیا جا رہا تھا اور وہ نربل بیٹھا سب سن رہا تھا۔

نیہان اب ناسمجھی سے رقیہ ایدھی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

قسمت نے ایسا کھیل کھیلا کے دونوں گھر ایک ہی دن اولاد پیدا ہوئی۔عالیہ کے گھر بعافیت صحت مند ننھی سی نہایت خوبصورت شہزادی پیدا ہوئی۔۔۔اور دوسری عورت کے ہاں سات ماہ کا مرا ہوا لڑکا پیدا ہوا۔

ضبط سے زوریز شاہ کی آنکھیں لہو رنگ ہو گئیں اور کن پٹی کی رگیں تن گئیں۔جبکہ رقیہ ایدھی کی آواز اسے اپنے اعصاب پر ہتھوڑے برساتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔اس میں اپنا کیا سننے کی ہمت نہیں تھی۔۔اسلئے وہ اپنی نشست چھوڑ کر کھڑے ہوئے اور صوفے کی بیک کو مضبوطی سے پکڑ کر بولنے والے کی جانب پیٹھ پھیر کر لمبے لمبے سانس کھینچنے لگے۔

نیہان دنیا ومافیہا سے بیگانہ بس رقیہ ایدھی کی آواز سن رہی تھی۔۔اس لیے اپنے باپ کی آنکھوں میں شرمساری اور چہرے پر اُمڈ تا خوف وہ دھیان میں نہ لا سکی۔

عالیہ کے شوہر کو جب ڈاکٹروں سے معلوم ہوا کہ اسکی دوسری بیوی آئندہ ماں نہیں بن سکتی۔۔۔۔وہ اسکے لیے بے حد متفکر ہوا پھر اسکے آنسوؤں اور دکھ کا سوچا کر جیسے وہ پاگل ہی ہو گیا۔چونکہ وہ دولت مند تھا سب کچھ خرید کی طاقت رکھتا تھا۔۔سب کچھ۔۔۔یہاں تک کہ لوگوں کا ایمان بھی۔

پیسے کی آڑ میں ڈاکٹروں نے اسکے گناہ میں شریک ہو کر اسکی دونوں بیویوں کے بچے آپس میں بدل دیئے۔۔جب عالیہ بے ہوشی سے اٹھی تو اپنے بچے کو مرا ہوا پا کر اتنا پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ اس ظالم کو اس پر اتنا ہی ترس آیا کہ وہ اسکی قربت میں اسکے ہمراہ کسی دوسرے ملک شفٹ ہو گیا۔

اولاد کا نقصان عالیہ سے برداشت نہیں ہو پا رہا۔۔اس لیے وہ اپنے شوہر سے بات بات پر لڑتی تھی۔اب عالیہ کا شوہر اس سے بیزار ہو چکا تھا۔۔اسلئے ایک دن وہ اسے بن بتائے اپنی دوسری بیوی اور بچی کے پاس واپس آگیا۔جس سے دور رہ کر اسکا جی حرام ہو چکا تھا۔عالیہ اس بات پر بھی صبر کیے بیٹھی تھی۔کیونکہ وہ

اپنے شوہر سے بے حد محبت کرتی اسلئے اسے ہر حال بس خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر عالیہ اس دوسری عورت سے حسد کرنے لگی تھی۔ اب وہ اسے برباد کرنے کا مقصد باندھے پاکستان واپس آئی تو اسے ہسپتال سے معلوم پڑا کہ اسکے شوہر نے اسکے ساتھ دغا کیا ہے اس پر تو جیسے قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔

وہ صدمے کی حالت میں اپنی سوت کے گھر پہنچی اور وہاں اپنے شوہر کو دیکھ کر ٹوٹ کر چیخ پڑی وہ اتنا چیخی اتنا کہ اسکی آواز کے صدمے سے آسمان بھی نیچے آنے لگا۔ ایسے ہی اسکی سوتن کو اپنے شوہر کی پہلی شادی کا پتہ لگا تو دونوں عورتوں میں بچی کو لے کر جنگ چھڑ گئی۔ دونوں کا صدمے سے برا حال تھا۔۔ مگر اس شخص کو فکر تھی تو صرف اپنی دوسری بیوی کی تھی۔

وہ کتنا سنگدل انسان تھا۔ عالیہ کے سامنے اس دوسری عورت کو دلاسے دے رہا تھا۔۔ کہ عالیہ کی جنی ہوئی بیٹی۔۔۔اُسکی بیٹی کہہ رہا تھا۔ اس ظالم کہ الفاظ تھے کہ خنجر جس سے عالیہ گھائل ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ تو تھا۔۔۔ جو عالیہ کے اندر اتنی بری طرح سے ٹوٹا تھا۔۔ کہ اسکی روح تک چھلنی ہو گئی تھی۔ وہ دوسری عورت تڑپ کر معصوم بچی کے جانب لپکی تو عالیہ نے ایک منتقمانہ نگاہ اس پر ڈال کر اپنے ہاتھوں میں ریوالور کسا اور کثرت جذبات میں بہا کر گولی چلا دی۔۔ جو ریوالور سے نکل کر اسکے شوہر کے بازو کو چھو کر گزری اور سیدھا اس عورت کے سینے میں پیوست ہو گئی۔۔ جو بچی سے جدائی کا سوچ کر تڑپ اٹھی تھی۔۔۔ ریوالور سے نکلتی ایک ہی گولی نے اس بے قصور کی جان نکل دی اور عالیہ کے ہاتھ خون سے رنگ دیئے۔ یہ غیظ و غضب کا وہ لمحہ تھا جو عالیہ کے لیے بربادی کا سبب بن گیا۔

عالیہ کا تخیل ماضی کی دھندلکوں میں بڑی تیزی رفتاری سے پرواز کر رہا تھا اور باقی سب کی آنکھوں کے سامنے گزرے ہوئے لمحات کسی فلم کیطرح چل رہے تھے۔

عالیہ کی ادھوری کہانی سن کر ہی نیہان کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ اسکا سر چکرنے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا منڈلانے لگا تھا۔۔ اسے آتے بھیانک خواب جسکی نظر اسکی کئی راتوں کی پرسکون نیندیں ہوئی تھیں اسکے ذہن میں یوں گردش کرنے لگے جیسے کہ ان خوابوں کو تعبیر مل رہی ہو۔

جبکہ زوریز شاہ کی نظروں کے سامنے وہ ہولناک لمحے جیسے ٹھہر سے گئے تھے اور اسکے کانوں میں عالیہ کی دھمکیاں بازگشت تھیں۔

(ماضی)←———————

کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی۔۔۔سنا تم نے۔۔ کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی۔

کہانی تو اب شروع ہوئی ہے جاناں۔ وہ کہانی جو (بدلے کی آگ)، (پچھتاوے)، (اِنصاف) اور (سزا) پر ہو گی۔

~~~~~~

اسکے بعد عالیہ نے جو جو برداشت کیا اسے بتاتے ہوئے بھی میری جان نکلتی ہے۔ انہوں نے ایک سرد آہ بھری اور زوریز کی پشت کو گھورتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہا۔

نیہان انکی جملے پر بے آواز رونے لگی۔

عالیہ مجھے ملنے کے بعد اس گھر میں لے گئی جہاں وہ اور اسکا شوہر رہتا تھا۔
~~~~~~

پھر ایک عرصہ عمر قید کیطرح اسنے اس ویران گھر میں تنہارہ کر گزارا۔۔۔
وہاں ہر چیز میں اسے اس سنگدل کا چہرہ نظر آتا تھا۔اس ویرانے میں اس ستمگر کی یادیں اور خوشبو بسی تھی۔ جس کے خاطر وہ ہر زور جیتی مرتی اور آہیں بھرتی تھی۔۔۔کیونکہ اس نے اپنے دل میں حُب کا پوداکاٹ کر تنفر کا بیج بولیا تھا۔۔اور اسے اس وقت تک اس پودے کو پانی اور حرارت فراہم کرنے لیے زندہ رہنا تھا۔۔جب تک وہ ظلم کرنے،جوروجفاڈھانے والا بے رحم اپنے کمائے خسارے لے کر اسکے در پر اپنے آنسوؤں سے دھونے نہیں آجاتا تھا۔مگر وہ ویرانہ اسے نگلنے کیلیئے بے تاب تھا۔۔
وہ ابھی کہانی کے اختتام کو جارہی تھی۔۔کہ نیہان بے ہوش ہو کر انکی گود میں گر پڑی اور وہ سکتے میں آگئی۔جب سب پریشانی کے عالم میں نیہان کی جانب لپکے۔۔۔انہوں نے زوریز کی پشت سے نگاہِ قہر ہٹا کر گھر والوں کی سمت دیکھا۔جنکی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب تھیں
اور یہ آنسوؤں سے بھری آنکھیں عالیہ کی دردبھری کہانی کی دلیل دے رہی تھی۔رنج و غم درد و کرب اور خوف سے نکلی گھروالوں کی گھٹی چیخیں سن کر زوریز شاہ متوحش ساہو کر پلٹا تو نیہان کو بیہوش دیکھ کر حیرانگی کی تصویر بنے وہیں کھڑا شدت سے آنسوؤں بہانے لگا۔

~~~~~~~~~~~

آنکھوں سے میری بَرس رہاہے قتلِ خون میرا....

یار،......

گزشتہ شب خنجر چلائے گئے ہیں،....

یادوں کی بھینٹ چڑھائے گئے ہیں....

~~~~~~~~~~~

سب نیہان کے کمرے میں جمع تھے۔ڈاکٹر کرسی پر بیٹھا اسکا بلڈ پریشر چیک کر رہا تھا تبھی حنظلہ موقع دیکھ کر کمرے سے باہر نکلا۔۔۔۔۔وہ کسی گہری سوچ میں گم نظر آرہا تھا۔اسکے دماغ میں ضرور کچھ نہ کچھ چل رہا تھا۔مگر کیا۔۔۔؟؟؟وہ کچھ سوچتے سوچتے پریشانی کے عالم میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا کمروں کی جانب قدم اٹھاتا ہوا زوریز شاہ کے کمرے کے باہر آکر ٹھہر گیا۔۔۔اس نے دروازہ کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اوپر کی جانب چور نظروں سے دیکھا۔
میں انکل کے کمرے میں جب،جیسے چاہوں آجاسکتا ہوں۔مگر۔۔۔۔؟؟رقیہ بی کے کمرے میں آنے جانے پر میں جوابدہ ہوں گا۔اسلئے مجھے پہلے انکے کمرے کی تلاشی لینی چاہیے کیونکہ کوئی تو راز ضرور ہے جو ہم سے چھپایا جارہا ہے۔
وہ ہمکلام ہو کر گیسٹ روم کی سمت بڑھا جو سیڑھیوں سے دائیں ہاتھ باہر کو تھا۔
یہ ذراسا گھبرانے پر اثر بیہوش ہو جاتی ہیں اور یہ بات انکی صحت پر سخت مضر اثرات ڈالے۔۔آپ انکا ایک دفعہ سائیکالوجسٹ سے چیک اپ کروالیں۔
نیہان بیہوشی سے اٹھ چکی تھی کہ ڈاکٹر نے کمرے کے دروازے میں کھڑے ہو کر زوریز شاہ کو نیہان کی سمت ہاتھ کا اشارہ کرکے پیشہ وارانہ اور مدھم آواز میں کہا اور گھر کے ملازم (شبیر احمد) کے ہمراہ چل پڑے۔
نیہان بچے اب کیسی طبیعت ہے آپکی۔۔۔۔؟؟؟زوریز شاہ نے اسکے سرہانے بیٹھتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو پی کر پوچھا۔

رقیہ بی ایک بات پوچھوں۔۔۔ میرے خیال سے بیٹی آپکو آرام کرنے کی ضرورت آپ آرام کریں بعد میں جتنا آپکا جی چاہے گا آپ ہم سے باتیں پوچھ لیجئے گا۔

اسنے اپنے باپ کا ہاتھ زور سے پکڑ کر انکے روئے روئے چہرے کو تکتے ہوئے رقیہ ایدھی سے اجازت چاہی۔ مگر انہوں نے پہلی ہی فرصت میں انکار کر دیا شاید انہیں عالم تھا۔۔ کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی تھی۔

فی الحال صرف ایک ہی۔ نیہان ایک ہی بات پر بضد تھی اسلئے وہ خاموش رہیں۔

رقیہ بی کیا وہ اُس ویرانے میں تنہا سکون سے رہ رہی تھی۔۔۔ ؟؟؟

اب کی بار اسنے رقیہ ایدھی کے چہرے پر نظریں ٹھہرا کر سوال کیا۔

جواباً وہ استہزائیہ ہنسی تو نیہان کے ماتھے پر نا سمجھی کی کئی شکنیں ابھریں۔

"ویرانے اگر سکون بخشنے لگیں تو علم و شعور کی دہلیز پہ کھڑا آج کا انسان بھیڑ میں موجود زندگی کی تمام رعنائیوں اور سہولتوں کو چھوڑ کر ویرانوں میں آ کر کب کا خلوت گزیدہ ہو چکا ہوتا"

انہوں نے قدرے سنجیدگی سے جواب دے کر سب کو لاجواب کر دیا۔

ہو گیا حد سے زیادہ دل ویران آباد

بس غم و یاس والم خانہ احساں آباد

حنظلہ نے کمرے کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ ہر دراز، ہر چیز پوری الماری اچھے سے چیک کر لی تھی۔ مگر اسکے ہاتھ ابھی تک کچھ نہیں لگا تھا۔ وہ تھک ہار کر اپنے ارادے سے پھیرتا۔۔ اسکی نظر بیڈ کے نیچے پڑے کپڑوں کے بیگ پر گئی۔

اس نے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا وہ بیگ اٹھا کر بیڈ پر رکھا۔۔۔ اور ساری زنجیروں کو باری باری کھولا تو بیگ میں سے کچھ کپڑے اور ضرورت کے سامان کی علاوہ ایک لفافہ ملا جسے وہ بغور مشتبہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

~~~~~~~

آپکو عالیہ کا واسطہ ہماری پھول جیسی بچی پر رحم کھائیں۔ میرے کیے کا خمیازہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جو قصور کرتا ہے درحقیقت اپنی ذات ہی پر کرتا ہے۔۔۔ اور اس کا مواخذہ اسی سے ہوتا۔

لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ (سورۃ الأنعام:164)
~~~~~~~

ترجمہ:-

((کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا یعنی اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا پورا اہتمام فرمائے گا، اور جس نے اچھا یا برا جو کچھ کیا ہو گا، اس کے مطابق جزا و سزا دے گا، نیکی کا اچھا بدلہ اور برے کاموں پر سزا دے گا، اور ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالے گا۔))

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتی زوریز شاہ نے عالیہ کا واسطہ دے کر اسے پلٹنے پر مجبور کیا۔۔۔۔وہ اپنی بات مکمل کرتے رقیہ ایدھی نے حدیث کی روشنی سے اسے اُجاگر کیا۔

زوریز شاہ اب پست پر ہاتھ باندھے دم سادھے کھڑے تھے کہ رقیہ ایدھی نے انکی جانب ایک دو قدم اٹھائے اور ذرا قریب پہنچ کر ٹھہر گئیں۔

~~~~~~

لفافہ کھولتے کچھ تصاویر اور کاغذات ملے جنہیں دیکھ کر حنظلہ بے یقینی کی کیفیت میں ساکت و جامد آنکھوں کی پتلیاں زوریز اور عالیہ کو ایک تصویر میں اکٹھا دیکھنے کے بعد نکاح نامے سے ہٹنے سے انکاری ہو گئیں۔

نکاح نامے پر دولھا دلہن کے کوائف، نکاح کی شرائط، انعقاد کی تاریخ و مقام، مہر کی مقدار، گواہوں کے نام اور دیگر تفصیلات درج تھیں۔ جسے دیکھ پڑھ کر حنظلہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا پہلے حیرت پھر غصہ اور غصّہ اشتعال انگیزی میں بدلنے لگا۔ اسکے لرزتے ہاتھوں سے نکاح نامہ اور تصاویر چھوٹ کر زمین بوس ہو چکی تھیں۔

وہ شخص جس پر وہ آنکھ بند کر کے بھروسہ کرتا تھا۔ اس قدر منافق تھا۔ سوچ کر ہی اسکے دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں

~~~~~~

گناہوں کا گھڑا تمھارا بھرا ہے۔۔ پھوٹنے پر صرف تمھاری زندگی کو ہی سیاہ رنگ کریں گا۔۔۔ کسی اور کی کو بالکل بھی نہیں۔

ہاں تمھاری زندگی سے جوڑے لوگوں کی زندگیاں متاثر ضرور ہوں گئیں مگر وقت زخموں پر مرہم کا کام کرتا ہے۔۔۔۔ اسلئے بے فکر ہو جاؤ وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اب کی بار انہوں نے دوٹوک الفاظ میں نادم کھڑے شخص کے کیے گناہوں پر اسے خوفزدہ کیا یا تسلی دی وہ سمجھ نہ سکا۔

لیکن رقیہ ایدھی کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا جس دیکھ کر زوریز شاہ کے چہرے پر شکست و ریخت کے تاثرات بکھر گئے تھے۔

تلخ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ کر اب انہوں نے دروازہ کھولا تو پیشِ نظر حنظلہ لب بھینچے ساکت سا کھڑا خالی خالی نظروں سے زمین بوس ہوئیں تصاویر اور نکاح نامے کو دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے قدرے حیرت سے اپنے عقب میں کھڑے زوریز شاہ کی جانب رخ موڑ کر دیکھا تو وہ مجسمے کیطرح کھڑے سانس تک لینا بول چکے تھے۔

حنظلہ خشمگیں نظریں زوریز شاہ کے چہرے پر ڈال کر سرپٹ کمرے سے باہر نکل۔۔۔ اور لمحے میں انکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

~~~~~~~~~~~

کی۔۔۔کی۔۔۔کیوں۔۔۔۔کیا انکل آپ نے ایسا۔۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔۔؟؟؟؟

وہ مضطربانہ انداز میں اپنے گھر کے لاؤنج میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتا ہوا آخر میں چیخ اٹھا۔

حنظلہ کافی غصے میں گھر سے نکلا ہے کہاں گیا کچھ پتہ ہے تمہیں۔۔۔۔؟؟ حیدر علی نے فکر مندانہ انداز میں روبینہ سے مخاطب ہوئے۔میں تو ابھی نیہان کے کمرے سے آ رہی ہوں مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔۔۔؟؟؟

آپکو چاہئے تھا آپ اسے روکتے اور پوچھتے کہ کیا ہوا ہے اسے۔۔۔؟؟؟

روبینہ پریشانی کے عالم میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔

میں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہیں روکا۔۔۔لہٰذا وہ روکتا تو میں ضرور اس سے پوچھتا کے اسے کیا ہوا ہے۔

حیدر علی نے تلخ لہجے میں طنزیہ کہا۔

باتوں ہی باتوں میں طنزیہ تنقید کا پہلو غیر ارادی طور پر شامل ہوتا گھر کا لازم وہاں پہنچا۔

شبیر۔۔۔۔حنظلہ کہاں گیا ہے۔۔۔؟؟؟ صاحب جی وہ تو گھر کی طرف گئے ہیں۔

~~~~~~

وہ بار بار اپنے بائیں ہاتھ سے اپنا سینہ مسل رہا تھا۔جبکہ اسنے دائیں ہاتھ اپنی گردن کی پشت پر دھرا ہوا تھا۔جسے اسنے سختی سے پکڑ رکھا تھا۔نیہان کی تکلیف کا سوچ کر ہی وہ خود کو ٹکڑوں میں بٹتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

تبھی کوئی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس سے تھوڑی دوری میں آ کر ٹھہرا تھا۔

حنظلہ۔۔۔۔روبینہ کی آواز پر اسنے پلٹ کر دیکھا۔

اسکی لہورنگ آنکھیں دیکھ کر حیدر علی نے سوالیہ نظروں سے روبینہ کی سمت دیکھا۔حنظلہ تم ٹھیک ہو۔۔۔۔؟؟؟ روبینہ نے آگے بڑھ کر اسکے نرم و گرم چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

میں ٹھیک ہوں یا ٹھیک نہیں ہوں آپکو کوئی ضرورت نہیں میری فکر کرنے کی۔۔۔!! حنظلہ نے روبینہ کے ہاتھوں کو اپنے چہرے سے ہٹا کر روٹھے لہجے میں کہا۔حنظلہ۔۔۔۔۔

پلیز مما آپ جائے یہاں سے۔۔۔

روبینہ نے حیرانگی کے ساتھ زیرِلب اسکا نام لیا ہی تھا۔۔کہ اسنے دھیمی آواز مگر تلخ لہجے میں کہا۔

کیوں جائے ہم یہاں سے۔۔۔؟؟؟ اور اپنے اکلوتے بیٹے کی فکر کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں تو اور کیا چیز ہے جس کی پرواہ ہم پر لازم ہے یا جسکے لیے پریشان ہونے کی ہمیں ضرورت ہے۔۔۔۔؟؟ اعمال۔۔۔!!!

حیدر علی نے جس قدر رعب و جلال سے سوال کیا اتنا ہی جاہ و جلال سے پُر جواب ملنے پر چند لمحوں کیلئے اُنکی عقل دنگ رہ گئی۔

اپنے ان گناہوں کی فکر کریں جو عنقریب آپکی اولاد کی زندگی سے خوشیوں کے رنگ چھیننے والے ہیں۔۔۔ آنسوں زیادہ دیر حنظلہ کی آنکھوں کی قید میں نہ سکے اور بے مول ہوتے ہوئے ٹپ ٹپ اسکے کالر پر گرتے وہیں جذب ہونے لگے۔ حنظلہ کی بات سن کر حیدر علی کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔۔ جبکہ روبینہ اسکے انداز پر متحیر کھڑی اسکی حالت کا جائزہ لینے لگی۔

ایسا کیا کیا ہے تمھارے پاپا نے۔۔۔ جو تم ادب واحترام کی تمیز بھول کر انکے مقابل کھڑے۔۔۔ انکے اعمال کی دلیل دے کر انہیں اولاد کی تکلیف اٹھنے کی آگاہی دے رہے ہو۔۔۔ ؟؟؟

روبینہ نے ملامت بھری نظروں سے حنظلہ کو گھورتے ہوئے کہا۔۔۔۔ غصہ اسکے لہجے میں عیاں تھا۔ ماں کے سوال اٹھانے پر حنظلہ نے اپنے غصے پر قابو پانے کیلئے سختی سے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے آنکھیں میچ لیں تاکہ وہ صبر و سکون سے کام لے سکے۔ مگر روبینہ اسکی ادب واحترام بھولنے کی گستاخی پر غصّے میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ جبھی اسنے حنظلہ کا بازو دبوچ کر دوبارہ سوال کیا۔۔۔ بتاؤ کیا کیا ہے تمھارے پاپا نے۔۔۔۔۔ ؟؟؟؟؟ اعانتِ جُرم۔۔۔۔۔ !!!وہ اپنا بازو روبینہ کی گرفت سے آزاد کرواتا ہوا حلق کے بل چیخا۔۔۔ تو روبینہ نے گنگ ہوتے ہوئے پھٹی نظروں سے اسے دیکھا جبکہ حیدر علی جو سارے معاملے میں خاموش تماشائی بنے کھڑا تھا اسکے الفاظ سن اسے ایک زوردار جھٹکا لگا تھا۔ اب وہ کچھ بول نہ سکے۔

دو مظلوم عورتوں کی زندگیاں تباہ کرنے کی سازش میں شرکت، بارہ سالہ معصوم بچی کو ماں کے پیار سے محروم رکھنے میں۔۔۔ مجرم کی مدد کرنے کا گناہ۔۔۔ آپکے شوہر کے سر ہے۔

روبینہ نے سر اٹھا کر سراسیمگی سے حیدر علی کی سمت دیکھا۔ تبھی اسکے ذہن میں کچھ کلک ہوا حیدر علی سب جھٹلانا چاہتا تھا۔۔ کہ اسی لمحے حنظلہ قنوطی سا ہو کر اپنا توازن برقرار نہ رکھتا ہوا صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا اس دیکھ وہ زود پشیمان ہو گئے۔

عمر اک ایسی ہی ہوتی ہے کہ جس میں دل کو
اچھی لگتی ہے ہر اک بات حقیقت کے سوا

عالیہ کی کہانی نے نیہان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جسے سننے کے بعد ایک عجیب سا احساس تھا۔۔ جو اسے بار بار ستا رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں مضطربانہ انداز میں ٹہل رہی تھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے عالیہ کی کہانی کوئی خواب سا ہے۔۔ اور وہ خواب اسکے دل و دماغ میں کہیں منافقت کی خاک تلے زندہ دفن کیا گیا۔۔ جو ابھی تک چیخ رہا ہے۔۔۔ اور وہ جو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے وہ سچا تھا جسے وہ اپنا گمان قرار دے رہی تھی۔

جو بھی تھا وہ اب تھک چکی تھی۔۔ ان تمام سوچوں، بھیانک خوابوں اور پریشانیوں کا محور توڑ کر آزاد اور چاہتوں سے بھرپور زندگی جینا چاہتی تھی۔۔۔ مگر جب کبھی وہ محبت کی دنیا میں قدم رکھتی وہاں بسنے والے اہلِ محبت کو وفا کے لبادے بے وفا جان کر اکثر سہم جایا کرتی۔

اور آج بھی وہ بری طرح سہم چکی تھی۔ عالیہ کی کہانی سن کر تو اسے دنیا میں سب سے زیادہ ناقابلِ اعتماد ذات ہی مرد کی لگ رہی تھی۔۔۔ کہ تبھی ہلکی سی آہٹ کے ساتھ ہی دروازے پر کسی کا سایہ لہرایا وہ اپنی گردن کی پست پر ہاتھ دھرے دروازے پر نگاہیں ٹکائے اپنی جگہ ساکت سی کھڑی ہو گئی۔ لمحے بعد زوریز شاہ

کا چہرہ اسکی کھوجتی نظروں کے سامنے نمودار ہوا تو اسکی آنکھیں چمک اٹھیں حالانکہ سوچ نے تو جیسے ایک پل ہی لگایا تبدیل ہونے میں کہ دنیا کے تمام مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔۔!!

بابا جانی۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔؟؟ نیہان نے اپنے چہرے کی اداسی چھپا کر بظاہر خوش اخلاقی سے کہا مگر سامنے والا مکمل طور پر خاموش کسی اور ہی جہاں کا باسی معلوم ہو رہا تھا۔ بابا۔۔۔۔ آپ وہاں کیوں کھڑے ہیں۔۔۔؟؟؟ اندر آئے پلیز۔۔۔۔!!! نیہان نے انکی سمت بڑھ کے سوال کیا۔۔ پھر انکا ہاتھ پکڑ کر اندر آنے کا التجائیہ کہا۔

آپکو برے خواب آتے ہیں۔۔۔۔!؟ قدرے کم آواز میں ٹھہراؤ سے پوچھا گیا یا بتایا وہ سمجھ نہ سکی اور سوچ میں پڑھ گئی۔

بابا۔۔۔ نیند ٹوٹنے پر خواب بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہلکی سی مسکان اپنے گداز لبوں پر سجا کر وہ نرمی سے بولی۔

بند آنکھوں سے دیکھے جانے والے خواب آنکھ کھولنے پر ٹوٹ جاتے ہیں۔

مگر۔۔

کھلی آنکھوں سے دیکھے گے خواب۔۔۔ حقیقت ہوتے ہیں، ایک بھیانک حقیقت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!

نہیں بابا۔۔۔ وہ حقیقت نہیں۔۔۔۔ بلکہ ہماری اپنی ہی سوچوں کا عکس ہمارا وہم و گمان ہوتا ہے۔۔۔۔!!!

جو حقیقت نہیں ہو سکتا بابا۔۔ سچ نہیں ہو سکتا۔

نیہان کی رخسار پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر انہوں نے سپاٹ آواز میں ایسے کہا جیسے صداقت انکے اندر جوش مار رہی تھی۔۔۔ مگر نیہان نے اصلیت سے گھبراتے ہوئے نفی میں سر ہلا کر خود کو مطمئن کرتے بات ختم کرنی چاہی۔

لیکن اسکے آخر جملہ نے تو زوریز شاہ کا سینہ چیر کر اسکے اندر کا سارا خون نچوڑ لیا تھا۔ اسلئے انکی آنکھوں میں ہیبت اور چہرے پر ماہیت کے بکھرے رنگ دیکھ کر۔۔ نیہان نے اپنے عارض پر رکھے انکے ہاتھ کی پست پر اپنا ہاتھ رکھ کر انکی ہتھیلی کو چوما اور آہستگی سے اپنا سر انکے سینے سے لگا کر انہیں تسلی دی۔ بیٹی کی محبت دیکھ کر زوریز شاہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا چشمہ جاری ہو گیا۔ جسے دیکھ نیہان حد درجہ پریشان ہو گئی۔ بابا۔۔۔۔ بابا کیا ہوا آپکو۔۔۔؟؟؟ باپ کی سسکیاں کانوں میں پڑتے نیہان نے فوراً اپنا سر انکے سینے سے اٹھا کر افسردہ ہو کر سوال کیا۔

مجھے معاف کر دو بیٹا۔۔۔!! مجھے معاف کر دو۔ حواس باختہ ہو کر ہچکیوں سسکیوں کے درمیان وہ مشکل سے ایک جملہ مکمل کر سکے تھے۔ جبکہ نیہان حیران و پریشان ہو کے انکی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ وہ ان سے معافی کیوں مانگ رہے ہیں۔

میں نیہان کو دھوکے میں رکھنے میں ہر گز کسی کی کوئی مدد نہیں کرونگا۔

تمہیں ایسا کرنا ہو گا۔۔۔!! حنظلہ نے سپاٹ چہرہ بنائے جتنی سرد مہری سے کہا مقابل نے بھی اتنی پختگی اور لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

بابا آپ نے ایسا کچھ بھی نہیں۔۔۔ پھر کیوں۔۔۔ مجھ سے معافی مانگ رہے ہیں آپ۔۔۔؟؟ نیہان نے متعجب اور متفکر ہو کر پوچھا تو زوریز شاہ نے جیسے ہوش کے ناخن کیلیئے۔ آپ بے ہوش ہو گئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔ پہلے بھی ایک، دو دفعہ ہوئی تھیں جس کا مجھے علم نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔ میں کیسا باپ ہوں۔۔۔۔۔۔؟؟؟ جس نے اپنی اولاد کی تکلیف محسوس نہیں کی۔۔۔۔!!!!!؟

قدرے ٹھہراؤ سے جذبات میں بہتے ہوئے انہوں نے خود پر انگلی اٹھا کر کہا۔

باباجانی ذراسی بات پر آنسو۔۔۔۔۔۔نیہان کے بات مکمل کرنے سے پہلے زوریز شاہ دوبارہ اسے اپنے سینے سے لگا کر بغیر آواز کے یوں رونے لگے جیسے حقیقت سامنے آنے کا خوف انہیں اندر اندر کھا رہا تھا۔

باباجانی۔۔۔۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔؟؟نیہان چھوٹے بچوں کیطرح معصومانہ انداز میں کہہ کر مسکراتے ہوئے ان سے جدا ہوئی۔

آپ بے جا پریشان نہیں ہوں ورنہ آپکی طبیعت بگڑ جائے گی۔نیہان نے انکے آنسوں پونچھتے ہوئے پریشانی وفکرمندی کے عالم میں کہا۔

آپ چاہتے ہیں کہ آپکی طرح میں بھی نیہان جھوٹ بولوں۔۔۔۔۔ہرگز نہیں۔۔۔!!حنظلہ نے حیدر علی کی پشت پر سرد نگاہیں گاڑ کر سوال کے آخر پر از خود ٹکے کا جواب دیا۔۔۔ہم تمہیں جھوٹ بولنے کا نہیں صرف سچ چھپانے کا بول رہے ہیں۔روبینہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

سچ چھپانا جھوٹ بولنے کے مترادف ہوتا ہے اور میں نیہان کی نظر میں خطاوار ثابت نہیں ہو سکتا۔حنظلہ کی آنکھوں میں خودرفتگی دیکھ روبینہ کی آنکھیں جھک گئیں۔

بے حسی شرط ہے جینے کی

اور مجھے "احساس" کی بیماری ہے

~~~~~~

باباآپ جانتے ہیں آپ میری ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتے۔

نیہان نے اپنے سینے پر ہاتھ باندھ کر مصنوعی انداز میں کہا تو زوریز شاہ نے اپنی قمیص کی جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ اور آنکھیں اچھی طرح سے خشک کرنے کر بعد پوچھا کہ اب ٹھیک ہے۔۔۔۔۔؟؟؟؟ہاں اب ٹھیک ہے۔۔۔!!!نیہان نے ہنس کر جواب دیا۔

باباجانی آئندہ کبھی آپ کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ آپ کیسے باپ ہیں۔۔۔تو۔۔۔آپ میری یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھیے گا کہ آپ دنیا کے سب سے بہترین باپ ہیں۔

کاش یہ سچ ہوتا کہ میں دنیا کا سب بہترین باپ ہوں مگر افسوس کہ یہ سچ نہیں ہے۔۔۔اگر وقت میرے ہاتھ میں ہوتا تو یقیناً میں یہ وقت یہی روک لیتا چونکہ درحقیقت تمہاری ناراضگی مجھ سے برداشت نہیں ہو گی بیٹا اور مر جاؤں گا۔۔۔۔میں مر جاؤں گا بیٹا۔

نیہان کی بات سن کر بظاہر زوریز شاہ نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے اسکے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا تھا۔مگر اندر تک سلگتے ہوئے وہ دل ہی دل میں خود کو کوستے ہوئے اپنی بدبختی کا رونا رو رہے تھے۔

بابا کس سوچ میں پڑ گئے آپ۔۔۔؟؟نیہان نے اپنے سر پر رکھے انکے ہاتھ کا بازو پکڑ کر پوچھا تو زوریز شاہ نے سوچ سے نکل کر سر کو نفی میں ہلکی سی جنبش دی پھر کچھ ہی لمحوں میں وہ کمرے سے باہر نکل گئے جبکہ نیہان کی پرسوچ نگاہوں نے دور تک انکا تعاقب کیا۔

آنکھوں پہ کرو سورۂ توبہ کی تلاوت
~~~~~~

میں خواب اٹھانے کا گناہ گار ہوا ہوں

حقیقت بڑی تلخ ہے حنظلہ، نیہان کی زندگی دو بھر کر دے گی۔ روبینہ نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روہانسی ہو کر کہا۔

میں اگر حقیقت چھپانے پر آمادہ بھی ہو جاؤں تو وہ میرے لہجے، الفاظ، انداز سے جان جائے گی۔۔۔ کہ میں اس سے کچھ چھپا رہا ہوں۔ جبکہ اسے آنکھیں چرانا، نظریں پھیرنا یا دور رہنا میرے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

حنظلہ نے روبینہ کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

جب وہ حقیقت سے آشنا ہو گی تو اسکا دل۔۔۔۔۔ ملائمت، انسانیت، اپنائیت، محبت، شفقت، مصاحبت ہر جذبے سے عاری ہو جائے گا۔

اور صرف ایک بات جو اسکے ذہن پر گہرا اثر ڈالے گی۔۔۔ وہ یہ کہ دنیا میں سب سے زیادہ نا قابلِ اعتبار ذات مرد کی ہے۔____ پھر وہ اپنے باپ، دادا اور ہونے والے شوہر پر بھروسہ کرنے پر نادم ہو جائے گی۔

روبینہ کے وزنی الفاظ سے اسکا دل بیٹھنے لگا۔

ماما آپ مجھے ڈرا رہی ہیں۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟

کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ مجھ سے بدظن ہو جائے گی۔۔۔؟؟

آپ جانتی ہیں کہ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو عورتوں کے گہرے اور سچے دلی جذبات سے کھیلتے ہیں۔

میں نہایت مخلص ہوں نیہان کے ساتھ۔

سچائی پتہ لگنے پر تمھارا مخلص ہونا محض فریب لگے گا اسے۔

حنظلہ نے عجیب سی کیفیت کا شکار ہوتے ہوئے ہراساں ہو کر کہا تو روبینہ ذو معنی انداز میں کہہ کر اسے شبہے میں ڈال دیا۔

آپ۔۔۔۔۔ قصورواروں نے۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے اس چوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔۔۔۔ کہ میں۔۔۔۔۔ نیہان سے۔۔۔۔ نہ سچ چھپا سکتا ہوں، نہ اسے سچ بتا سکتا ہوں۔

میرا کیا قصور ہے۔۔۔۔؟؟ میں نے کیا کیا ہے۔۔۔؟؟؟ بب۔۔۔ بب۔۔۔ (بتائیں)۔۔۔ مم۔۔۔۔ (مجھے)۔۔،۔۔ (بتائیں)۔۔۔۔ مم۔۔ (میں)۔۔۔ (ایسا)۔۔۔ کک۔۔ کی۔۔ (کیا)۔۔۔۔ کک۔۔ کر۔۔ (کروں کہ)۔۔۔۔؟؟ (وہ)۔۔۔ (میری)۔۔۔ (دسترس)۔۔۔ (میں)۔۔۔ آآ۔۔۔ (آنے)۔۔۔ سس۔۔ (سے)۔۔۔ (پہلے)۔۔ ما۔۔ مم۔۔ (مجھ)۔۔ سس۔۔ (سے)۔۔۔ بب۔۔ (بد)۔۔ گگ۔۔ گم۔۔ (گمان ہو کر)۔۔۔ (دستبردار نہ ہو)۔۔۔؟؟؟

حنظلہ عجیب جنونی انداز میں کبھی اپنے سر کے بال پکڑتا کبھی روبینہ کے ہاتھوں کو پکڑ کر پاگلوں کیطرح بات کر رہا تھا۔

روبینہ سے اسکی یہ حالت دیکھی نہیں گئی اور وہ اسے گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ان پورے معاملے میں حیدر علی مجرموں کیطرح سر اور نظریں جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ انہیں حنظلہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ تھا وہ روبینہ سے لپٹ کر زار و قطار ایسے رو رہا تھا۔۔ جیسے وہ خود میں ہی نہ ہو۔ اسکی ایسی حالت حیدر علی زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے تھے۔

صبر اور برداشت کرو صحیح وقت آنے پر تم نیہان سے کچھ مت چھپنا، اسے سب سچ بتا دینا۔ وہ تم سے دستبردار ہو اس سے پہلے تمھاری دسترس میں ہو گی۔۔۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔۔۔۔!!! پھر یہ اونچ نیچ، دانائیاں، بدگمانیاں آخر کس رشتے میں نہیں ہو تیں۔۔۔۔؟؟؟ مجھے یقین ہے کہ تم سب سنبھال لو گے۔

حیدر علی نے سر اٹھا کر آنسوؤں سے تر نگاہوں سے اسکی حالت و کیفیت کا خوب اچھی طرح معائنہ کرتے ڈھئی آواز اور مشفقانہ مزاج میں کہہ کے اسے یقین دلایا۔ حیدر علی کی بات سن کر حنظلہ کچھ پر سکون ہوا پھر خاموشی سے بھاری قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ جبکہ حیدر علی انتہائی بے چینی سے روبینہ کی سمت دیکھنے لگائے جو کھڑی ابھی تک آنسو بہا رہی تھی۔

تکلیف دردِ دل کی عبث نے لی!

دردِ سُخن نے میرے سبھوں کو رُلا دیا!

~~~~~

حنظلہ کدھر ہے۔۔۔؟؟؟ کل رات سے نظر نہیں آیا۔۔۔ آج صبح ناشتے کے ٹیبل پر بھی نہیں تھا۔۔۔ اکثر بگڑتی میری حالت کو لے کر پریشان۔۔۔ نہیں شاید اپنے کسی کام میں مصروف ہو گا۔ مگر میری خیریت معلوم کیے بنا اسکا کسی کام میں دل کیسے لگ سکتا ہے۔ اسکے لیے میرے علاوہ کچھ ضروری نہیں ہونا چاہیے۔ کہیں مجھ سے ناراض تو نہیں وہ۔۔۔۔؟؟؟

وہ اپنے کمرے کی بالکنی میں اپنی مخروطی انگلیوں کو مختلف زاویوں میں مروڑتے ہوئے چکی کیطرح جلد جلد چکر لگاتی ہوئی سرگرداں تھی۔

معاًاسکی نگاہ یکدم ایک منظر پر ٹھہری اور وہ خاموش ہو گئی۔ اسنے دیکھا رقیہ ایدھی جھک کر لان میں گرے پھول اکھٹے کر رہی تھیں۔

نیہان بغور انہیں دیکھتی ہوئی بے اختیار مسکرانے لگی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ کمرے میں داخل ہوئی۔۔ بیڈ پر پڑا فون اور اپنا دوپٹہ اٹھا کر اپنے شانوں پر پھیلاتی ہوئی اب وہ کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آنے لگی۔ گھر کے ملازم کو حنظلہ کے کمرے سے نکلتے دیکھا جس نے اپنے دائیں ہاتھ میں سوٹ کیس اٹھا رکھا تھا۔ تیسری سیڑھی پر رک گئی۔

رکے۔۔۔۔ یہ سوٹ کیس کس کا ہے۔۔۔؟؟ نیہان نے ملازم کو آواز لگا کر روکا پھر وہ مکمل سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آئی۔

بی بی جی یہ بیگ حنظلہ صاحب کے کپڑوں کا ہے۔ دراصل وہ کل رات سے گھر واپس چلیں گے ہیں۔۔۔ ابھی انہوں نے اپنے کسی کام سے باہر جانا تھا اسلئے انہیں اپنے سامان کی ضرورت تھی۔

ملازم کے بتانے پر نیہان کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ مفقود ہو گئی۔
~~~~~

حنظلہ ابھی گھر ہے۔۔۔؟؟؟جی بی بی جی گھر ہی ہیں۔۔!!نیہان نے اچنبھے میں آکر سوال کیا جس پر وہ فوری تصدیق پا کر قدرے حیرانگی سے سرپٹ گھر کے بیرونی دروازے کی سمت بڑھی۔ جبکہ پیچھے کھڑے ملازم نے بے شعوری میں اسکا تعاقب کیا۔ لان میں پھول اکھٹے کرتی رقیہ ادھی نیہان کو یوں بھاگتا دیکھ متحیر ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگیں۔ وہ نیہان کو روک کر کچھ پوچھتی اس سے پہلے وہ ملازم کے ہمراہ گھر کا بیرونی دروازہ عبور کر چکی تھی۔ باہر نکلتے ہی اسنے حنظلہ کو گاڑی کا لوک کھولتے دیکھا۔۔۔۔یکلخت دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ حنظلہ نے فوراً نظریں چرا کر بلا تاخیر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ حنظلہ۔۔۔۔۔۔۔۔نیہان نے اسکی سمت بڑھتے ہوئے اسے زوردار آواز لگائی جسے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے گاڑی میں بیٹھ کر ترت گاڑی سٹارٹ کی۔۔۔اور پھر لمحوں میں گاڑی نیہان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

یگانہ ان کا بیگانہ ہے بیگانہ یگانہ ہے
خدائی سے نرالا ان بتوں کا کارخانہ ہے

شاید آپکی آواز ان تک پہنچی نہیں۔۔۔!!ہمم۔۔۔!!تذلیل کے احساسات سے نیہان کا اترتا چہرہ دیکھ کر ملازم نے باآدب ہو کر کہا تو وہ ناک سے آواز نکالتے پیچھے کو مڑی۔

جلدی میں نظر آرہے تھے۔۔۔اسلئے کپڑے تبدیل کیے بغیر وہ ویسے ہی چلے گے۔ ملازم نے نیہان کو بے چین دیکھ کر مطمئن کرنا چاہا۔ مگر اس بار وہ خاموش رہی اور گھر کی جانب واپس آتی ہوئی فون پر حنظلہ کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ملازم نے ایک اچٹتی نگاہ نیہان پر ڈالی پھر سر جھٹک کر سوٹ کیس کیطرف دیکھا اور خان ہاؤس میں داخل ہو گیا۔

وہ اضطرابی کیفیت میں گاڑی چلارہا تھا۔ اسکا فون بار بار بج رہا تھا۔ یہ کوئی تیسری مرتبہ تھا کہ اسکا فون بجا اور یکلخت گاڑی نے بریک ماری تو وہ ہچکولا کھا کر سیٹ سے سر ٹکائے ڈیش بورڈ پر پڑے اپنے فون کی سکرین پر نیہان کے جگمگاتے نام کو قدرے عاجزی سے دیکھنے لگا۔ جبکہ ساتھ بجتی فون کی گھنٹی سے حنظلہ کی دھڑکنوں کی رفتار خطرناک حد تک تیز ہو گئی۔۔۔۔!!

مجھے یقین ہے کہ اس نے مجھے دیکھا اور میری آواز بھی سنی تھی۔۔ لیکن میری بات سننے کیلئے وہ رکا نہیں۔۔۔ ضرور وہ کسی بات کو لے کر مجھ سے ناراض ہے۔ مگر۔۔۔ کس بات کو لے کر۔۔۔؟؟؟

تیسری دفعہ کال نہ اٹھانے پر وہ اسی شش و پنج میں مبتلا رہ گئی اور فون کو تکتی رہی۔ نیہان بیٹا۔۔۔۔!؟؟ رقیہ ایدھی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

کچھ سوچ رہی ہو۔۔۔۔؟؟؟ نیہان کو اپنی جانب متوجہ کر کے انہوں نے پوچھا۔ ہاں۔۔۔۔ مطلب نہیں۔ نیہان نے ہڑبڑا کر جواب دیا۔ تو دھیرے سے مسکرانے لگی۔ نیہان دوبارہ سوچوں میں گم انکے ہاتھوں میں نہایت عمدہ رنگ برنگ پھولوں کے گچھے کو تکنے لگی۔

پھول اچھے لگتے ہیں آپکو۔۔۔۔؟؟؟ بہت۔۔۔!! نیہان سے بغل گیر ہو کر رقیہ ایدھی نے نرمی سے سوال کیا۔ جس پر نیہان نے مسکراتے ہوئے یک حرفی جواب دیا۔ مگر پھول توڑنے والے مجھے بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔ بہت برے لگتے ہیں۔

ہاہاہاہا۔۔۔ میں نے پھول نہیں توڑے بلکہ جو گارڈن میں گرے تھے۔۔ انہیں اکٹھا کر کے ایک خوبصورت گلدستہ بنانے کا عمل کیا ہے۔۔ صرف اسلئے کہ صفائی کرنے پر یہ کچرے کے ڈھیر میں جانے سے بہتر۔۔۔ ہمیں کسی گلدان میں سجے ہوئے نظر آئیں۔

انہوں نے نیہان کے سادہ سے جملے پر زوردار قہقہہ لگایا پھر ملائمت سے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد عمدہ خوشبو رکھنے والے رنگ برنگ پھولوں کا گچھا اسکے ہاتھوں میں تھما دیا۔ انکی بات سن کر نیہان بہت متاثر ہوئی۔

آپ پھولوں کی قدر جانتی ہیں۔۔!؟ یعنی۔۔۔۔۔۔ پھولوں آپکو بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔ نیہان نے پھولوں کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

پھولوں کے ساتھ میں کانٹوں کی قدر بھی جانتی ہوں۔ یعنی مجھے پھولوں کے ساتھ کانٹے بہت اچھے لگتے ہیں۔۔۔!!

کانٹے ہمارے کس کام کے۔۔۔؟؟؟ رقیہ ایدھی کی عجب جواب پر نیہان نے متعجب ہو کر دوبارہ سوال کیا۔

"کانٹے کسی کام نہیں آتے۔۔۔ اور ایک طرح سے یہ پھولوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔۔۔ کیونکہ۔۔۔۔ یہ خود کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ کانٹے پھولوں کو خطرے سے بچاتے ہیں۔۔ جبکہ پھول انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں پتہ جو ہوتا ہے کہ کانٹے انکی حفاظت کر رہے ہیں۔"

رقیہ ایدھی نے اپنی بات مکمل کر کے نیہان کی سمت دیکھا۔ وہ پرسوچ نگاہوں سے انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

"ایسے ہی پھول جیسی ہماری زندگیوں میں کچھ لوگوں کانٹوں کیطرح ہوتے ہیں۔ جو باوجود اپنی خامیوں کے ہمیں فائدہ پہنچاتے ہیں۔

انکی موجودگی سے ہمیں دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انکے ہونے سے ہم ہر خطرے سے محفوظ ہیں۔"

رقیہ ایدھی کی قدرے مؤثر بات نے نیہان کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ جس سے نیہان کی پرسوچ نگاہوں میں اب تفکر بھی اتر آیا۔ دوسری طرف حنظلہ نیہان کی تکلیف کا اندازہ ہنوز اسی حالت و کیفیت میں بیٹھا خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ جبکہ آنسو ہر قسم کی بندش سے آزاد اسکا چہرہ بھگو رہے تھے۔

دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے آنسو سارے خون ہوئے
لوہو پانی ایک کرے یہ عشق لالہ عذاراں ہے

دوپہر ڈھلنے پر حیدر علی اور زوریز شاہ دفتر سے واپس آئے اور چائے کی فرمائش کر کے فریش ہونے کی زحمت کرے بغیر وہی لاؤنج میں لگے صوفوں پر بیٹھ گے۔

روبینہ کے کہنے پر ہاجرہ بی نے لڈو، برفی، حلوا، پیڑے، جلیبیاں اور گلاب جامن کے ساتھ خستہ مٹھائی پلیٹوں میں نکال کر چائے کے ساتھ پیش کی۔ ارے واہ یہ اتنی ساری مٹھائیاں۔۔۔ مگر کس خوشی میں۔۔؟؟

نیہان چائے کے ساتھ نیز میٹھی چیز دیکھ کر پل بھر کو کچھ سوچ کر بولی۔

بتاتی ہوں بیٹا۔ہاجرہ بی۔۔۔ رقیہ بی کو چائے پر بُلائے چونکہ وہ ہماری خاص مہمان ہے۔۔ انکی موجودگی ہم پر لازم ہے۔

بہت شکریہ مجھے اتنی عزت اور اہمیت دینے کیلئے۔ رقیہ ایدھی نے گیسٹ روم سے نکالتے اتفاقاً انکی بات سن کر تشکر آمیز انداز میں کہا۔

نیہان یہ کچھ کارڈز ہیں۔ انکے ڈیزائنز چیک کر لو۔۔۔ جو تمہیں بہتر لگے گا۔۔ ہم وہ فائنل کر لیں گے۔ ہاجرہ بی نے سبھی کو باری باری چائے ڈال کر دی بعد ازاں روبینہ نے اپنی بات شروع کی۔

یہ کارڈ سیمپلز کس تقریب کیلئے ہیں آنٹی۔۔۔؟؟ نیہان نے ہاتھ آگے بڑھا کر کارڈز تھامتے ہوئے نادانستگی اور لاعلمی میں پوچھا۔

تمھاری حنظلہ کی شادی کے۔۔۔۔!! روبینہ نے جواباً اسکے سماعتوں پر دھماکا کیا۔ نیہان نے گنگ ہوتے سوالیہ نظروں سے زوریز شاہ کی سمت دیکھا۔

شادی کی کون سے تاریخ طے کی آپ نے۔۔۔؟؟؟ حنظلہ کی خواہش پر اسی ہفتے جمعے کو نکاح ہو گا۔ رقیہ ایدھی نے پر جوش لہجے میں سوال کیا۔ جواباً حیدر علی نے انکی خوشی دوبالا کر دی۔ ماشاءاللہ خوب زیرکی سے بابرکت دن کا انتخاب کیا ہے بچے نے۔ انہیں نے چائے کی چُسکی لگا کر مزے سے کہا۔

لیکن بابا۔۔۔ میری سٹڈیز۔۔۔ می۔۔ مم۔۔ میرا لاسٹ سمیسٹر چل رہا ہے۔

پھر ایک ہفتے میں کیسے۔۔۔؟؟

شادی کے نام پر تو اسکے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ بے ربط الفاظ استعمال کرتے کپکپاتے لہجے میں بولی۔ بے فکر رہو بیٹا۔۔ ہم نے ساری تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ اور رہی بات شادی کے بعد تمھاری پڑھائی کی تو اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ تمہیں تو مفت میں ٹیوٹر مل جائے گا۔

روبینہ نے مزاحیہ انداز میں کہہ کے سب ہنس پڑے۔

روبینہ اور حیدر علی نے بہت مشکلوں سے حنظلہ کو قابو کیا تھا پھر کیسے ممکن تھا۔۔ کہ وہ اپنا وعدہ نہ نبھاتے؟؟؟

اب سب گھر والے خوش تھے۔ جبکہ نیہان بے حد حیران۔۔۔ کہ ہفتہ پہلے تو بات پکی ہوئی تھی۔ اور اب ہفتے کے اندر اندر نکاح۔۔۔۔۔!

پھر کچھ سوچ کر خوشی نہ کریدتے وہ خاموش رہی۔

تاشے نہ شادیانے کے بجتے کہیں نہ ڈھول

مخبوط بدحواس پریشان گول مول

———

باب نمبر 22

وہ کمرے میں نیم اندھیرا کر کے بیڈ پر لیٹا اپنے موبائل پر قدرے محویت سے نیہان کی تصاویر دیکھ رہا تھا۔نیہان بغیر اجازت یکدم کمرے میں داخل ہوئی تو وہ ایکا ایکی حربے پر بجلی کی تیزی سے بیڈ پر سے چھلانگ لگا کر اسکے مقابل آ کر کھڑا ہوا۔لیمپ کی کثیف روشنی میں انکے چہروں کے نقوش واضح نہیں تھے مگر وہ نیہان کے انداز سے جان چکا تھا کہ وہ غصے میں ہے۔جبکہ نیہان کو اسکی موجودگی کے احساس نے دھیرے سے اپنے سحر میں لیا تھا۔

تم یہاں۔۔۔؟؟؟کیوں میں یہاں نہیں آسکتی۔۔۔؟؟سوال کے بدلے سوال کیا گیا۔

ممّا پاپا تمھاری طرف ہماری شادی کے موضوع پر بات کرنے گئے تھے تمہیں وہاں ہونا چاہیئے تھا۔

ہونا تو تمہیں بھی وہاں چاہیئے تھا۔

حنظلہ کی بات سن کر اسنے طنزیہ انداز میں تاسف سے کہا۔

مجھے ایک ضروری کام تھا۔

ایسا کیا کام ہے جو مجھ سے بھی زیادہ ضروری ہے تمھارے لیے۔۔۔۔؟؟؟

حنظلہ نے سراسری انداز میں بولتے ہوئے کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔۔مگر نیہان نے اسکا بازو پکڑ کر اسے پیچھے کی جانب کھینچا اور دروازہ زور سے پٹک کے اسے سے پشت ٹکائے کھڑے ہو کر غصیلے انداز میں سوال کیا۔

حنظلہ اسکے اس انداز پر ششدر سامنہ کھولے کثیف روشنی میں اسکے چہرے کے تاثرات پرکھنے کی کوشش میں لگ گیا۔

خاموش کیوں کھڑے ہو۔۔۔؟؟بتاؤ مجھے کہ ایسا کون سا کام ہے۔۔۔جو مجھ سے زیادہ ضروری ہے تمھارے لیے۔۔۔؟؟؟

حنظلہ کے خاموش رہنے پر نیہان کو تو مانو تپ ہی چڑھ گئی تھی۔

میں جانتی ہوں۔۔کوئی کام نہیں ہے تمہیں۔تم جان بوجھ کر میرے ساتھ ایسا کرتے ہو۔مجھے تنگ کرنے، پریشان کرنے میں تمہیں مزہ آتا ہے۔

تم مجھے نظر انداز کرتے ہو۔۔۔مجھے برا لگتا ہے، تکلیف بھی بہت ہوتی ہے۔لیکن۔۔۔؟؟ تمہیں سمجھ نہیں آتی۔شاید تمہیں میری بے چینی دکھائی ہی نہیں دیتی۔نیہان حنظلہ سے بولنے کا اختیار چھین کر دھر ادھر ایک پے ایک بہ شدت جملے کہتی ہوئی آخر پر اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بنا آواز کے رونے لگی۔

نیہان۔۔۔۔۔ایسی با۔۔۔۔۔ت۔۔۔

نیہان کے خاموش ہونے پر حنظلہ نے پریشانی کے عالم میں ہاتھ بڑھ کر لائٹس آن کی پھر نیہان پر نظر پڑتے ہی اسکے الفاظ حروف میں بنٹ گئے۔

نیہان تم فضول میں رو رہی ہو۔جیسا تم سوچ رہی ہو ویسا بالکل نہیں ہے۔

حنظلہ نے اسے شانوں سے تھام کر قدرے بے چینی سے کہا۔

میں فضول میں نہیں رو رہی اچھا۔اور جیسا میں سوچ رہی ہوں ویسا نہیں ہے تو بتاؤ پھر کیسا ہے۔۔۔؟؟؟ اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کرنا چاہتے ہوئے بھی نیہان کے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

میں نے آج تمہیں نظر انداز کیا میں مانتا ہوں۔کیونکہ شادی سے پہلے لڑکا لڑکی کا ملنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔میں واپس اپنے گھر چلا آیا تاکہ ہمارے ایک ہونے پر کسی بھی طرح کی کوئی بات رکاوٹ نہ بنے۔

حنظلہ نے انگلیوں کے پوروں سے اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے قدرے مہارت اور نہایت تحمل مزاجی سے کہا۔

تم مجھ سے ایسا کچھ چھپا رہے ہو جو تمہیں بہت بے چین کر رہا ہے۔مگر جو بھی ہو۔وقت اور حالات جیسے بھی ہوں مجھے ہر حال میں تم چاہیئے ہو۔اپنے آس پاس ہمیشہ نظروں کے سامنے چاہیئے ہو۔کیونکہ جب تم مجھے نظر نہیں آتے تو پتہ نہیں کیوں میری جان پر بن جاتی ہے۔تم میری عادت بن گئے ہو یا شاید محبت۔۔ میں نہیں جانتی۔بس تمہیں اپنے پاس چاہتی ہوں۔

نیہان روتے ہوئے بے دھیانی میں کیا بولی جا رہی تھی اسے پتہ نہیں چلا کہ وہ ڈھکے چھپے الفاظوں میں محبت کا اعتراف کر چکی ہے۔

حنظلہ دنگ کھڑا بے یقین چہرہ لئے نم آنکھوں سے نیہان کو دیکھ رہا تھا۔اسنے جو کہا تھا۔۔۔وہ سب سچ میں کہا ہے یا وہ کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔

روتے ہوئے نیہان نے ہچکی لے کے اسکا طلسم توڑا۔

میں وعدہ کرتا ہوں میں ہر حال میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ہمیشہ تمہارے پاس ہوں گا۔تمہاری نظروں کی زد میں رہوں گا۔بس چپ ہو جاؤ۔

حنظلہ نے اسکے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر انتہائی نرمی و محبت سے کہا۔نیہان نے روتے ہوئے مسکرا کر سر کو اثبات میں ہلایا۔

جانے انجانے میں جو تکلیف میں نے تمہیں دی۔تم اس تکلیف کا بدلہ لے رہی ہو مجھ سے۔۔!؟ ناسمجھی سے نیہان کے ماتھے پر دو بل ابھرے۔

تم اچھے سے جانتی ہو تمہارے آنسو کتنی تکلیف دیتے ہے مجھے۔۔۔پھر بھی تم رو رہی ہو۔۔۔!؟

تو ایسا سلوک مت کیا کرو میرے ساتھ جس سے مجھے رونا آئے اور میرے رونے سے تمہیں تکلیف ہو۔حنظلہ کے ساتھ نیہان بھی نے لگے ہاتھ شکوہ کرنے کے بعد وہ اور بھی آنسو بہانے لگی۔

ایم سوری نیہان۔آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔حنظلہ نے اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے کمزور پڑ کر کہا۔اب اسکے گال کو انگوٹھے سے سہلاتے ہوئے حنظلہ خود کو اسکی رونے کے باعث سرخ سوجی آنکھوں میں ڈوبا ہوا محسوس کر رہا تھا۔پھر کتنے ہی پل ایسے ہی ایک دوسرے کو تکنے میں نظر ہو گئے۔

رہتا نہیں ہے آنکھ سے آنسو ترے لیے

دیکھی جو اچھی شے تو یہ لڑکا مچل پڑا

باب نمبر 23

آج کا دن خوشگوار ماحول لے کر بیدار ہوا تھا۔ ہر کوئی تیاریوں میں مگن تھا۔

پورے گھر میں افراتفری کا سماں تھا۔ ہر کوئی اِدھر اُدھر کو دوڑ رہا تھا۔

نوکر چاکر کچن اور باہر گارڈن میں کچھ سٹر پٹر کر رہے تھے۔

ارینجمینٹ کی دیکھ ریکھ زوریز شاہ نے خود اپنے کندھوں پر لے رکھی تھی۔ کیونکہ اسکی اکلوتی لاڈلی بیٹی کی آج مہندی جو تھی۔

ہر کوئی پورے وقت پر فارغ ہو گیا تھا۔ اسلئے لمحے کی تاخیر کیے بغیر رسمیں شروع کر دی گئی تھیں۔

ہر طرف رنگ و بو کا سیلاب اُمڈ ہوا تھا۔ تیز روشنیوں سے پورا لان جگمگا رہا تھا۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی۔

پیلے رنگ کی پاؤں کو چھوتی ہوئی فراک کے ساتھ گلابی رنگ کا کامدار دوپٹہ اوڑھے، خمدار بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی بنا کر نیہان نے آگے کو دائیں کندھے پر پھینکی تھی۔۔ جس میں سے کچھ آوارہ لٹیں نکل کر اسکے صبیح چہرے کے اطراف میں پھیلی ہوئی تھیں۔۔۔ اور پھولوں کا زیور پہنے وہ بے حد خوبصورت لگتی ہوئی اس خوشگوار ماحول میں آفت ڈھا رہی تھی۔

جبکہ سفید رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس حنظلہ نے سوٹ پر پیلے رنگ کی واسکٹ پہنی تھی۔ بالوں کو ترتیب سے سنوارے۔۔۔ عنابی لبوں پر مخصوص مسکراہٹ۔۔۔ اسکی تیاری کو پورا کر رہی تھی۔

حنظلہ کی ڈارک براؤن آنکھوں میں بلا کی کشش تھی۔اور چہرے پر ہلکے سے بالوں کی داڑھی۔۔۔بلاشبہ مردانہ وجاہت پہ مکمل تھی۔۔جو ہر آنکھ کو اسکی سمت دیکھنے پر مجبور کررہی تھی۔

حنظلہ تم بھی ساتھ آکر بیٹھو۔۔۔وہ سٹیج کے قریب کھڑا اشعر کے ساتھ بات کرنے میں مصروف نظر آرہا تھا۔۔کہ روبینہ اسکی جانب بڑھ کر اب اسے رسم کرنے کیلئے بلایا تھا۔اشعر نے اسکی پست پر تھپکی دیتے ہوئے آنکھوں کے اشارے سے اسے اوپر جانے کا کہا۔اب وہ سر کے پیچھے خارش کرتا ہوا نیہان کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا۔

تم نے بتایا نہیں میں کیسی لگ رہی ہوں۔۔۔؟؟؟

بہت زیادہ خوبصورت لگا رہی ہوں۔

اچھا۔۔ کتنی زیادہ۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟

نظر لگ جانے کی حد تک۔۔۔۔۔!!

نیہان نے اِدھر اُدھر دیکھتے آہستگی سے حنظلہ سے سوال کررہی تھی۔کہ حنظلہ کے آخری جواب پر مسکراہٹ دباتے ہوئے اسکے دل کے تار بجا گئی تھی۔

کچھ دیر بعد تقریب کا اختتام ہو گیا تھا۔تو سب نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔

رامین مجھے اپنے کمرے میں جانا ہے۔نیہان نے سخت عاجز آکر کہا۔ٹھیک ہے۔رامین نے اسے کا پاؤں میں آتی فراک کو ٹھیک کرتے ہوئی شائستگی سے کہا۔

رامین کے ہمراہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے نیہان کی نظر رقیہ ایدھی پر پڑی جو سخت پریشانی کے عالم میں کسی سے فون پر بات کررہی تھی۔

اچھا نیہان میں چلتی ہوں۔میرا ڈرائیو آگیا ہے۔فون پر ہوتی ٹون ٹون کی آواز پر رامین نے اسے گلے لگا کر اجازت چاہی۔

رامین کے جانے کے بعد نیہان کو رقیہ ایدھی کا خیال تنگ کرنے لگا۔

مجبوراًوہ نیچے آئی۔تو رقیہ ایدھی کے کمرے سے آتی حنظلہ کی آواز پر وہ دروازے پر ہی ٹھہر گئی۔

ارتکاب جرم۔۔۔۔۔میں سمجھی نہیں بیٹا۔۔۔!!!

ارتکاب اس جرم کا جس کی وجہ ثبوت کو غائب کرانے کا الزام وہ مجھے دے گی۔آپکا واپس جانا ضروری ہے۔۔میں سمجھتا ہوں۔مگر آپ بھی سمجھیں کہ میں ان ثبوتوں کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہوں۔

یہ ثبوت نہیں میرے پاس عالیہ کی امانت ہے۔جو مجھے نیہان کو صحیح وقت پر دینی ہے۔مگر مجھے ڈر ہے۔۔کہ کہیں۔۔اس سے پہلے میری عمر دنیا سے روانگی کا تقاضا نہ کرلے۔

مجھے معاف کر دیں۔میرے ہاتھ بندھے ہیں۔میں آپکی مدد نہیں کرسکتا۔

کیونکہ جب نیہان کا اپنے باپ پر سے اعتبار اٹھے گا۔۔تو۔۔۔اسے دنیا کے تمام مرد ناقابل اعتبار نظر آنے لگے گے۔جبکہ محبت کے رشتے میں چاہت سے کئی زیادہ ضروری اعتبار ہوتا ہے۔۔۔اور میں نہیں چاہتا کہ محبت کی بنیاد پر بننے والے ہمارے رشتے میں بے اعتباری کی کوئی بھی دیوار کھڑی ہو۔

حنظلہ نے قدرے ٹھہراؤ سے اپنی بات مکمل کی اور جانے لگا مگر زوریز شاہ کی مغموم آواز سن کر دروازے کا ہینڈل پکڑ کر رکا مگر پلٹا نہیں۔

میں اپنے لیے رحم کی توقع نہیں کر سکتا۔لیکن اپنی بیٹی لیے رحم کی بھیک مانگ سکتا ہوں۔وہ مجرموں کیطرح کھڑے کھسیانی آواز میں بولے۔

میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔۔۔جس کی غلطی ہو خمیا۔۔۔۔۔

خدارا بس کر دیں آپ۔۔۔۔

سخت عاجز آ کر زوریز نے چیختے ہوئے انکی بات کاٹی۔

اگر ایسا ہوتا تو نیہان کو وہ خواب نہ آتے۔ وہ کئی راتیں جاگ کر نہ کاٹتی۔ گناہ صرف گنہگار پر بھاری ہوتے تو اسکے اپنے کبھی ستائے نہ جاتے۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔ کہیں تو پیر میں بھی پکڑ لیتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میری بچی بہت کمزور ہے۔ اتنی کمزور کے وہ عالیہ کی ادھوری کہانی سن کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ سوچیں۔۔۔جب اسے پتہ چلے گا کہ عالیہ اُسکی ماں ہے تو اس پر کیا گزرے گی۔ میں اسکی تکلیف کا اندازہ نہیں کر سکتا، نہیں کر سکتا۔۔۔میں نہیں جانتا اسے کتنی تکلیف ہو گی جب اسے پتہ چلے گا اسکا باپ اُسکی ماں کا مجرم ہے۔

عاجزی وانکساری کے انداز میں بے اختیار بولتے ہوئے زوریز شاہ جیسا مضبوط مرد سب کی موجودگی میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اسکی حالت دیکھ کر سب کا دل بھر آیا۔۔رقیہ ایدھی کا دل بھی اب موم ہو گیا۔ جبکہ حنظلہ دروازے کا ہینڈل پکڑ کر ویسے ہی کھڑا تھا جیسا اس پر زوریز شاہ کے آنسوؤں کا کوئی اثر نہ ہوا ہو۔ کمرے میں موجود سب گھر والے اس بات سے بیگانہ تھے کہ کوئی اور بھی ہے جو انکی ساری باتیں بد قسمتی سے سن چکی تھی۔ نیہان آندھیوں کی زد میں اپنا سر چکراتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

نیہان بیٹا یہاں ایسے کیوں کھڑی ہو۔ اپنے عقب سے آتی ہاجرہ بی کی آواز پر نیہان بے سُود کھڑی تھی۔۔۔مگر اندر سے دروازے کے پاس کھڑے شخص نے وسوسوں کی زد میں ہینڈل کو ہلکا سا گھمایا تو دروازہ بناء آواز کے کھلتا چلا گیا۔ غیر متوقع طور پر نیہان کو نظر کے سامنے پا کر حنظلہ پتھر کا ہو گیا۔

جبکہ اس دیکھ کر نیہان کے وجود میں ارتعاش پیدا آنسو آنکھوں سے ابل پڑے۔۔۔نیہان کو لگ رہا تھا۔ جیسے کسی نے اسکے پیروں کے نیچے گرم دھکتے ہوئے کوئلے رکھ دیے ہو۔۔۔اسے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا محال لگنے لگا۔ وہ لڑکھڑائی تو حنظلہ کا سکتا ٹوٹا اس سے پہلے اسکا وجود سوکھے پتے کیطرح زمین کو چومتا حنظلہ نے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں بھر لیا۔

نیہان نے حیرت ورطہ حیرت میں ڈوبے اسکا لمس محسوس کیا تو پلکیں جھپکا کر حنظلہ کی ضبط کی شدت سے لہو رنگ ہوئی آنکھوں میں جانکا۔

اسکی آنکھوں میں ایسا کچھ دیکھ کر نیہان نے اپنے گرد حائل اسکی بانہوں سے خود کو آزاد کروایا اور رقیہ ایدھی کی سمت بڑھی جو ششدر سی ہاتھوں میں عالیہ کی امانت لیے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

نیہان نے ایک جھٹکے سے انکے ہاتھوں سے تصاویر اور کاغذات پکڑے۔

روبینہ اسکی جانب بڑھی۔۔۔آنٹی۔۔۔۔یہ۔۔۔۔

روبینہ نے اسکے ہاتھوں سے عالیہ کے لکھے خطوط، نکاح نامہ اور تصاویر پکڑیں۔

می۔۔۔مم۔۔۔۔میں۔۔۔میں یقیناً کوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔برا خواب دیکھ رہی ہوں۔ کی۔۔۔۔کک۔۔۔کیوں۔۔۔۔کہ۔۔۔۔میرے بابا ایسا نہیں کر سکتے۔

نیہان نے آنسوؤں سے دھندلی ہوتی نگاہیں اطراف میں دوڑتی ہوئی زوریز شاہ پر جا کر ٹھہر تھیں۔

بابا۔۔وہ سرسراتی آواز میں اپنے باپ کو پکار کر اسکی جانب لپکی۔ بابا۔۔۔بابا جانی۔۔۔۔یہ جھوٹ ہے، بولے نہ بابا۔۔۔۔بابا بتائیں مجھے یہ جھوٹ ہے۔۔۔۔جو میں نے دیکھا سن سب جھوٹ ہے۔ میں سب جھٹلا دونگی بابا۔۔ صرف ایک بار، ایک بار کہہ دے یہ جھوٹ ہے۔ انکل۔۔۔۔آپ بتائیں یہ سچ نہیں ہے نہ۔۔۔یہ جھوٹ ہے۔ آنٹی۔۔۔رقیہ بی۔۔۔حنظلہ۔۔۔۔۔۔کوئی تو کچھ تو بولو۔

نیہان دیوانہ وار بولتے ہوئے سرگرداں سبھی کو حقیقت جھٹلانے کا کہہ تھی۔ گڑگڑاتے ہوئے انکی منتیں کر رہی تھی۔۔۔مگر سب گونگے بہرے بنے سر گرائے کھڑے تھے۔ اب وہ تھک ہار کر ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔۔۔کیونکہ حقیقت ماننے سے انکاری جو تھی۔

کیوں۔۔۔ کیوں کیا آپ نے میرے ساتھ ایسا۔۔۔؟؟؟ آپ تو بہت پیار کرتے تھے نہ مجھے۔۔۔ پھر مجھے میری ماں، انکے پیار سے محروم کیوں کیا آپ نے۔۔؟؟ بتائیے بابا۔۔۔ کیوں کیا آپ نے ایسا۔۔۔؟؟

اب کی بار چیختے ہوئے نادم کھڑے شخص کو بولنے پر اکسایا گیا۔

آپ جانتے ہیں جب آپ حصارِ جُدائی میں تھے۔۔ تب میں بہت چھوٹی سی تھی اکثر راتوں کو ڈر کر اٹھ جاتی تھی۔۔۔ کیونکہ میری ماں میرے ساتھ میرے بستر پر نہیں ہوتی تھی۔ اور سکول میں جب جب کوئی فنکشن ہوتا۔۔۔ تو۔۔۔

نیہان میرا بیٹا مجھے معاف کر دو۔۔۔ وقت اور حالات مجبوری بن کر میرے آڑے آ گئے تھے۔ پہلے ہی بہت اذیتیں برداشت کی تھیں ارمینہ نے۔۔۔ اگر بے اولاد ہوتی تو وہ مر جاتی۔

اولاد ہونے پر بھی تو وہ مر گئی تھی۔

نیہان تکلیف میں لپٹے الفاظ استعمال کرتی ہوئی زوریز شاہ کو مجروح کر رہی تھی۔ کہ یکدم زوریز شاہ مجرمانہ انداز بولے کہ وہ مکمل خاموش ہو کر انہیں سننے لگائی۔ مگر انکی مجبوری جان کر نیہان نے ایک ایسا جملہ کہا جس میں نہ صرف حقیقت بلکہ تضحیک اور تاسف کا عنصر بھی عیاں تھا۔

"اس دنیا میں اتری ہوئی ہر شاہ اللہ کی ہمارے پاس امانت ہے۔ وہ جب چاہے، جیسے چاہے اپنی امانت واپس لینے کا مستحق ہے۔" مگر ایک انسان کو یہ حق کسی نے نہیں دیا۔۔۔ کہ جب اللہ اپنے کسی بندے سے اپنی امانت واپس لے۔۔۔ تو کوئی انسان اپنے اُس پیارے کی خاطر کسی دوسرے انسان سے اسکے پیٹ کی بوٹی چھین کر کسی اپنے کے آغوش کو اُس سے بھرے۔

نیہان کربناک لہجے میں نہایت تحمل سے بات کر رہی تھی۔

مجھے معاف کر دو بیٹا۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔ زوریز شاہ نے ہاتھ جوڑ کر بے اختیار روتے ہوئے معافی طلب کی۔

کیا کچھ برداشت کیا میری ماں نے آپکے لیے۔ انہوں نے آپکی محبت میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا بدلے میں انکو کیا ملا۔۔۔۔؟؟؟ بے قدری، خواری، ذلالت، رسوائی۔۔۔ کیا یہ سب ہوتا ہے محبت میں۔۔۔؟؟؟

نیہان بیٹا جذبات میں بہہ کر تم زوریز کے ساتھ کچھ زیادہ ہی ناانصافی اور زیادتی کر رہی ہو اب۔ حیدر علی نے زوریز شاہ کے جوڑے ہاتھ دیکھ کر متاسفانہ انداز میں کہا۔ بلا آخر آپ بول ہی پڑے اپنے دوست کی حمایت میں۔ کیسے بھول گئی میں کہ آپ انکے ساتھ جرم میں شریک تھے۔ آپ انکے ہم مجرم ہے۔ کیسے دوست ہے آپ۔۔۔؟؟ یہ جانتے ہوئے کے ایسا کرنا غلط ہے آپ نے انہیں روکا نہیں۔ کاش آپ انہیں یہ گناہ کرنے اسے روک لیتے تو میری دونوں ماؤں نے آج میرے ساتھ ہونا تھا۔ حیدر علی کی التماس پر جیسے اُسنے اکتفا کی۔

آپکی سب کی وجہ سے میں نے جتنی اذیتیں جھیلی ہیں۔ میں آپ میں سے کس کو معاف نہیں کروں گی۔ کسی کو بھی نہیں۔

نیہان نے روتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ اور اپنا رخ دروازے کی جانب مڑا جہاں حنظلہ کو اسکی دھمکیاں اپنے اطراف میں بجلیاں گراتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ حنظلہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے کچھ کہنا چاہا مگر وہ اپنی تکلیف میں اسے نظر انداز کرتی ہوئی قدرے بے دردی سے ہاتھ کی پست سے اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کر اپنی فراک سنبھالتی ہوئی وہاں سے دوڑ لگا گئی۔

ہاجرہ بی نے اسے روکنا چاہا مگر اپنی جگہ سے ملنے کا سوچ بھی نہ سکی۔ سوائے حنظلہ کے کسی نے اسکے پیچھے جانے کی زحمت نہ کی۔

نیہان۔۔۔۔ نیہان۔۔۔۔ رک جاؤ بات سنو میری۔۔۔ نیہان۔ وہ بھاگتا ہوا اسکے پیچھے سے آواز لگا رہا تقریباً التجاء ہی کر رہا تھا۔ نیہان نے پلٹ کر نہیں دیکھا اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اسکی خود رفتگی دیکھ کر حنظلہ کی رفتار تیز ہو گئی۔۔۔ وہ دو پل میں اسکے قریب پہنچ گیا اور مسلسل اسے پکار رہا تھا۔

نیہان اپنے کمرے کے نزدیک پہنچی تو حنظلہ کی آواز بھی قریب تر ہو گئی۔

نیہا۔۔۔۔۔۔ بالکل قریب آکر حنظلہ نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑ لیا تھا۔ خدا کا واسطہ رک جاؤ۔۔ حنظلہ نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ التجا کی تھی۔ چھوڑو مجھے۔۔۔۔۔ نیہان نے اپنا بازو چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے۔۔۔ درد کی شدت سے چیخ کر کہا۔ نیہان ایک بار پلیز میری بات سن لو۔ حنظلہ نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا جو رو رہی تھی۔

کیا اب بھی کچھ سن کو باقی رہ ہے۔ نیہان نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ نیہان۔۔۔۔ تم نے بھی سب کے ساتھ مل کر مجھے دھوکہ میں رکھا ہے۔ مجھ سے سچائی چھپائی ہے۔ نیہان نے مری ہوئی آواز مگر سختی سے کہا اور اپنا بازو تیزی سے اسکی مضبوط گرفت سے آزاد کروایا۔

اسکا بازو گرفت سے آزاد ہوا تھا کہ اسکا دایاں ہاتھ حنظلہ نے اپنے دونوں ہاتھ کے درمیان کس کر پکڑ لیا۔ میں تمہیں سب بتانا چاہتا تھا۔ مگر۔۔۔۔ صحیح وقت کا اور انتظار کر رہا تھا۔۔۔ مم۔۔ می۔۔۔ میرا ہاتھ۔۔۔۔ چ۔۔۔ چھ۔۔ چچھ۔۔ چھوڑو مجھے کوئی وضاحت نہیں سننی مجھے۔ نیہان نے ہچکیوں اور سسکیوں کے دروان ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

میں ان مردوں میں سے بالکل نہیں ہوں جو ہاتھ پکڑ کر چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔ تم بھی ایسے مت کرو مجھ سے اپنا ہاتھ مت چھڑاؤ۔۔ آخر میرا قصور ہی کیا ہے۔۔۔؟؟

اور میرا کیا قصور ہے۔ میرا بھی تو کوئی قصور نہیں تھا۔ پھر کیوں مجھے اندھیروں میں رکھا گیا۔ بتاؤ۔۔۔۔ ہے کوئی جواب۔۔۔؟؟ نہیں نہ۔۔۔!!!

اکثر بے قصوروار ہی خمیازہ بھگتتے ہیں۔

نیہان نے درد کی شدت سے نڈھال ہوتے ہوئی اپنا ہاتھ چھڑوانا کی مقدور بھر کوشش کی یکلخت حنظلہ کی اسکی کلائیوں پر گرفت سخت ہو گئی۔

نیہان نے ہاتھوں میں پھولوں کے خوبصورت گجرے پہنے ہوئے جن سے پھولوں کی نازک پتیاں بے رحمی کی زد میں ٹوٹتی ہوئی زمین پر بکھر رہی تھیں۔ اب حنظلہ نے جارحانہ انداز میں اسے اپنی طرف کھینچ کر اسے اپنے غصے سے قابو کرنا چاہا مگر وہ حواس باختہ تھی۔ وہ متغیظ اور نیہان سرکشی میں۔۔۔ دونوں اپنا ہی نقصان کر رہے تھے۔ ٹوٹتی پتیوں کے ساتھ اب کانچ کی چوڑیاں بھی ٹوٹ کر نیہان کی کلائی اور حنظلہ کی ہتھیلی کو زخمی کرتی ہوئی۔۔۔ زخم سے نکلتی خون کی بوندوں کے ساتھ زمین پر گرنے لگیں۔

نیہان نے حنظلہ کی ملتجی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے ایک کی جست میں اسکی گرفت سے اپنی کلائیاں آزاد کروائیں۔۔۔ کیونکہ وہ ایسا نہ کرتی تو اُسکا دل درد کی شدت سے پھٹ جاتا۔

نیہان نے کمرے میں گھستے ساتھ ہی قدرے بے رخی سے دروازہ اسکے منہ پر زور سے بند کیا۔۔ وہ اسکی بے مروّتی پر بے حس و حرکت جامد ایسے لگ رہا تھا۔۔۔ جیسے کسی نے دروازے کے باہر سفید برف کا حسین مجسمہ کھڑا کر دیا ہو۔

وہ دروازے سے پست ٹکائے کھڑی رو رہی تھی۔ یکا یک حنظلہ کی آنکھیں میں ایک عجیب سی چمک ابھری۔۔۔ ایک ہولناک بھسم کر دینے والی چمک۔ تم مجھے اس قصور کی سزا ہرگز نہیں دو گی جو میں نے کیا نہیں۔ حنظلہ نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر قدرے اضطرابیت سے کہا۔

سنا تم نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟ اس بار جنونیت سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اُسنے چیخ کر تصدیق چاہی جواباً دروازے کی دوسری جانب سے بہت سے ہچکیاں سنائی دی۔ جسے سن کر وہ کئی ٹکڑوں میں بنٹ گیا۔

نیہان نے ناشائستگی سے گجرے اتر کر زمین پر کہیں دوں بے دردی سے پھینکے۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔۔۔ کل ہمارا نکاح ہو گا اور میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ حنظلہ نے مجنونیت سے کہا تو نیہان نے اپنی آنکھیں اس سختی سے بھینچ لیں جیسے اس میں مکمل جہاں قید کر لیا ہو۔ اسطرح نظروں کے سامنے

چھائے اندھیرے میں اسکی سسکیاں کہیں زائل ہونے لگیں۔اب وہ دونوں دروازے سے پشت لگائے کثرت سے آنسو بہتے ایک ساتھ زمین پر بیٹھے چلے گے۔۔دروازے کی دونوں جانب خطرناک خاموشی اور آنسوؤں کا طوفان ساأمڈ آیا تھا۔نیہان جتنی خوشدلی سے تیار ہوئی تھی اتنی ہی سنگدلی اسنے اپنا برا حال بھی کر لیا تھا۔

گل فروشوں کی دکاں تک جاکے بلبل مر گئی
یوں نکالا اوس نے فصل گل میں ارمان بہار

~~~~~~~

(خیال)←—————

ہر لڑکی کا آئیڈیل اسکا باپ ہوتا ہے۔۔بالکل اسی طرح میرے بھی آئیڈیل بابا جانی ہے۔
ہمیشہ میں نے انکی طرح عزت اور محبت دینے والے مخلص ساتھ کی خواہش کی ہے۔۔۔تم جانتے ہو۔۔۔!!بابا جانی مما کے ساتھ اس قدر مخلص ہیں کہ انکے گزر جانے کے بعد بھی انہوں نے کسی دوسری عورت کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دی بلکہ اپنی ساری زندگی مما کی یادوں کی نظر کر دی۔

تذلیل، دھوکہ، جھوٹ، فریب سازش
خطا کا پُتلا کسی بھی حد تک گر سکتا ہے

~~~~~~

صبح کے اجالا اطراف میں پھیل چکا تھا مگر سب گھر والوں کے لیے رات کے لمحات جیسے تھم سے گئے تھے۔انکے ذہنوں میں ماضی کی کالی گھنگھور گھٹاؤں نے ڈیرہ جمار کھا تھا۔بظاہر گھر میں ایک پر سکون فضا پھیلی تھی مگر اندر ایک طوفان برپا تھا۔۔۔جو سب کچھ بہہ لے جانے کی طاقت رکھتا تھا۔
رات انکی آنکھوں میں کٹی تھی۔۔ہنوز دروازے سے ٹیک لگائے وہ سوچوں میں گم ایسے بیٹھے تھے جیسے انکے اندر ہر قسم کا احساس ختم ہو چکا ہو۔
دوسری طرف رقیہ ایدھی شادی کے دن کو قضا کا دن بنانے پر بے حد خجلت اٹھا رہی تھی۔ہاتھ کے اشارے سے ملازم کو اپنا سوٹ کیس گاڑی میں رکھنے کا کہہ کر وہ لاؤنج میں آئیں تو زوریز شاہ کی حالت دیکھ کر افسوس کرتی ہوئی گھر والوں کی ملامت بری نظروں کے حصار میں خاموشی سے نیہان کی کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔
قدموں کی آہٹ سن کر اُسنے بخوبی رقیہ ایدھی کی نگاہِ التفاف خود پر محسوس کی۔وہ تیزی سے زمین پر سے اٹھا اور انکے مقابل کھڑا ہوا۔

"میں کھونا نہیں چاہتا نیہان کو۔" حنظلہ کا دل کسی ننھے بچے کیطرح ضد کرنے لگا۔ وہ ایڑیاں رگڑنے کے جیسے اپنی پسندیدہ چیز مانگ رہا ہو۔ اسکا دل با قاعدہ بلک رہا تھا۔

رقیہ ایدھی کی موجودگی کا اندازہ لگاتے نیہان نے چپ چاپ اٹھ کر دروازہ کھولا۔ تو پیشِ نظر حنظلہ کو رقیہ ایدھی کے سامنے کسی سوالی کیطرح ہاتھ پھیلائے کھڑے پایا۔

رقیہ بی آپ جا رہی ہیں۔۔۔؟؟؟ مجھے بھی ساتھ لے جائیے میں اس گھر۔۔ ان دھوکے باز لوگ میں رہنا نہیں چاہتی۔ ملتجیانہ انداز میں کہا۔

حنظلہ کا ہاتھ تھم کر وہ نیہان کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ نیہان کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ وہ حیرت اور بے یقینی کی کیفیت میں گھری رقیہ ایدھی کو دیکھ رہی تھی۔

حنظلہ نے کوئی دھوکہ نہیں دیا آپکو۔۔۔؟؟؟ جانتی ہوں مگر میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔ کیوں کسی اور کو پسند کرتی ہیں آپ۔۔۔؟؟؟؟

انکے سوال پر حنظلہ نے تڑپ کر نیہان کو دیکھا جبکہ وہ منہ کھولے ششدر سی کھڑی تھی۔ میں کسی اور کو پسند نہیں کرتی۔۔۔ اور کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ کیوں نہیں کسی شادی کرنی آپکو۔۔۔۔؟؟؟؟ کیونکہ یہ سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔۔۔۔ انکی فطرت میں دھوکہ دینا ہوتا ہے۔ بڑے طریقے جانتے ہیں یہ برباد کرنے کے۔ کمال مہارت سے وہ جس بھی عورت کا چاہے اسکا دل جیت لیتے ہیں۔ ایسے ہی پہلے پیچھے بھاگتے ہیں محبت کے دعوے کرتے ہیں۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔۔۔

خدا کیلئے میرے مرد ہونے پر مجھے نادم مت کرو۔

وہ اپنی زبان سے مرد ذات کے لیے زہر اُگل رہی تھی۔ کہ حنظلہ بات کے درمیان پہلی بار شکست خوا ہو کر بولا۔

"نیہان بیٹا۔۔۔ وفا اور محبت کا تعلق مرد یا عورت سے مشروط نہیں ہے۔ اس کا تعلق انسان سے ہے۔ پھر وفا اتنا حقیر جذبہ بھی نہیں کے بغیر کسی مشکل کے ہر انسان کے پاس دستیاب ہو۔۔۔!!"

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں وفا کی بات مرد اور عورت سے ہٹا کر محض انسان پر لے آئی تھی۔

بارہا گورِ دل جھنکا لایا!!!

اب کے شرطِ وفا بجا لایا

وہ قلب مطمئنہ مسکراتے ہوئے روبینہ اور زوریز شاہ کے ہمراہ باہر تک آئیں اور انہیں الوداع کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

جبکہ حیدر علی ابھی تک غصے سے تلملا رہے تھے۔ حیدر۔۔۔۔ بہت شکریہ۔۔۔ یار بڑا۔۔۔ ساتھ دیا توں نے۔۔!!

زوریز شاہ مضمحل قدم اٹھاتے ہوئے اسکے قریب آکر جھر جھری آواز میں بولے۔ ایک جملہ کہہ تھا کہ مقابل کھڑے انسان کے سینے پر پتھر رکھا گیا تھا۔۔۔ کہ بے اختیار ہو کر دونوں دوست ایک دوسرے گلے لگے رو دیے۔

باب نمبر 24

درازسے فرسٹ ایڈ باکس نکال کر حنظلہ نے نیہان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پر بیٹھایا۔ اور خود۔۔۔ فرسٹ ایڈ باکس لے کر اسکے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اب اسکا بازو پکڑ کر وہ اسکی کلائی کا زخم صاف کر رہا تھا۔ جبکہ نیہان اسے اپنے لیے اس قدر فکر مند دیکھ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو رہی تھی۔۔۔ یہ سوچ کے یہ وہی شخص ہے۔۔ جسے وہ اسکے مرد ہونے پر شرمندہ کر چکی تھی۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں کیا تمہیں مجھ پر ذرا بھروسہ نہیں۔۔۔؟؟؟؟

حنظلہ نے اسکی متورم آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

اسکی خاموشی کو انکار سمجھ کر حنظلہ نے سر گرا لیا۔

"محبت کے رشتے میں زبردستی حائل نہیں ہوتی۔۔۔ اگر تمھارا دل مطمئن نہیں۔ تو ہم شادی نہیں کریں گے۔"

حنظلہ نے مدھم لہجے میں کہا تو باہر کھڑی روبینہ تک آواز گئی جو اپنے ہاتھوں میں نیہان کیلئے سرخ جوڑا پکڑے کھڑی تھی۔ جبکہ حیدر علی اور زوریز شاہ ایک دوسرے کی سمت حیران و پریشان ہو کر دیکھ رہے تھے۔

حنظلہ نے ہلکے ہاتھ رکھے قدرے احتیاط سے زخم پر پاوڈیں لگائی۔۔۔ تو اسکی ہلکی سی سسکی نکلی۔

میں تم سے شادی کرنے لیے تیار ہوں لیکن ایک شرط پر۔۔۔۔!!

اسکی بات سن کر وہ پٹی کرتے ہوئے رکا اور جانچتی نظروں سے دیکھنے لگا۔

نیہان کی بات سن کر باہر کھڑے وہ لوگ ایک پل کو خوش ہوئے تھے۔۔ کہ پھر انکے کانوں پر ایک بڑا دھماکہ ہوا۔

وہ میرے نکاح میں میرے شریک نہیں ہوں گے۔

کس کی بات کر رہی ہو۔۔۔؟؟ اپنے بابا کی۔۔۔؟؟؟؟

وہ میرے بابا نہیں ہیں۔۔۔۔۔!!!

وہ غصے سے بے ضبط ہوتی ہوئی چیخ کر بولی۔۔۔ آنکھوں سے آنسو ہنوز اسکے رخسار پر بہہ رہے تھے۔ آنکھیں اور ناک رونے کے باعث ہلکی گلابی رنگ کی ہو چکی تھیں۔ اُسکی تکلیف زوریز شاہ کی تکلیف پر غالب آچکی تھی۔

نیہان وہ تمھارے بابا ہیں۔۔۔ تم انہیں ان کے حق سے محروم نہیں کر سکتی۔ حنظلہ پٹی باندھ کر حنظلہ نے اسکے مزید قریب ہو کر ملائمت سے کہا۔

وہ کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔!!میں کیوں نہیں کر سکتی۔۔۔۔؟؟؟

نیہان کے الفاظ زوریز شاہ کے دل پر چھریاں چلا رہے تھے۔انکا دل چاہ رہا تھاز مین پھٹ جائے وہ اس میں سما جائے۔

کیسا لگے گا نیہان۔۔؟؟کہ بیٹی کی شادی میں اسکا بابا شامل نہیں ہو گا۔

ایکدم روبینہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

وہ میرے بابا نہیں ہیں۔

اور اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیجئے گا۔۔انکی طبیعت خراب ہے۔ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔نیہان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر روبینہ سے لہنگا پکڑتے ہوئے قدرے مضبوطی اور سرد مہری سے کہا۔

نیہان ایسے کڑوے الفاظ استعمال کر کے باہر کھڑے بے بس شخص کی روح پر ایسی گہری کڑی ضربیں لگیں تھی کہ وہ بری طرح ٹوٹ کر بکھر چکا تھا۔

حنظلہ اگر وہ میرے نکاح میں آئے تو میں اس نکاح سے انکار کر دوں گی۔

اسنے حنظلہ کی آنکھیں میں آنکھیں گاڑ کر پختگی سے کہا۔تو زوریز شاہ کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا محال لگنے لگا۔

تم بالکل بھی فکر نہیں کرو۔میں اسے سمجھاؤ گا۔۔اسے بتاؤ گا کہ اسے کہانی کا صرف ایک رخ دیکھایا گیا ہے۔جس میں ایلی بھابھی کی محبت،تڑپ،برداشت اور تکلیف ہی بتائی گی ہے۔۔تمہاری جسمانی تکلیف وذہنی کوفت،بے چینی،بے کلی،بے بسی و مجبوری نہیں بتائی گئی اسے۔جب اسے میں حرف بہ حرف ساری سچائی بتاؤ گا تو خود بخود اسکی ساری ناراضگی ختم ہو جائے گی۔

حیدر علی نے آگے بڑھ کے اسے سہارا اور حوصلہ دیا۔

نہیں۔۔۔۔۔ناراض رہنے دو اسے۔۔۔۔۔۔۔۔میں اپنی بیٹی کی رخصتی پر کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں چاہتا۔اُس۔۔۔اُسے بتا دینا میں وہاں نہیں آوں گا۔

زوریز شاہ نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے آنسو کو پیتے ہوئے۔۔اپنی مکمل کی اور وہاں سے جانے لگے۔

کہ حیدر علی نے قدرے ہلکی آواز میں انہیں پکار کر پر امید نگاہوں میں انہیں اشارۃً تسلی دی۔

شاید واپسی کا وقت ہے۔۔۔جیسا نیہان نے کہا۔بالکل ایسے ہی سب کو سمجھا دینا میں کیوں نہیں آیا۔

میں اپنی بیٹی کے نکاح میں شریک نہیں ہو سکا تو کیا ہوا۔۔۔اسے اپنی دعاؤں میں شریک تو کے سکتا ہوں نہ۔

وہ پلٹے اور شکستہ ہو کر آنسو بہتا ہوئے رنجیدگی سے بولے۔۔پھر ایک نظر نیہان کے کمرے کی جانب ڈال کر وہ اپنے کمرے کی جانب مضمحل قدم اٹھانے لگے۔۔جبکہ حیدر علی کی نظروں قدرے غمگینی سے بوجھل ہوتے اسکے وجود کا دور تک پیچھا کیا۔

ضبطِ لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

نیہان اتنی بے رحمی مت برتو انکل کے ساتھ۔ مانا وہ گنہگار ہیں۔۔ مگر انکے گناہ کی کتنی بڑی سزا مت دو انہیں۔

اس دن۔۔۔۔ جب تم۔۔۔۔ بیڈ پر بیہوش پڑی تھی۔۔ میں نے انکل کی حالت دیکھی تھی۔ کس تکلیف میں تھے وہ۔ کتنا پریشان تھے تمہارے لیے۔

نیہان۔۔۔۔ ایک منٹ کے لیے بھی انہیں نے اپنی پلک نہیں جھپکائی تھی۔ دعاہی کر رہے تھے تمہارے لیے۔۔۔ انکی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

آنسو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟ جو شخص دوسروں کو آنسوؤں میں ڈبوتا ہے۔ اسے آنسوؤں کا کیا پتہ۔۔۔۔؟؟ پوری زندگی انہوں نے آنسوں دیے ہیں۔۔۔۔ میری ماں کو۔۔۔۔ اور ساتھ مجھے بھی۔ بیشک وہ میرے لئے کچھ بھی کر سکتے تھے۔۔ لیکن کبھی بھی ایک ماں کی کمی پوری نہیں کر سکتے تھے۔

حنظلہ نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے سمجھانا چاہا مگر وہ جیسے کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

اپنی ماں کیلئے۔۔۔۔ زوریز کو اتنی مشکل سزا مت سناؤ کہ۔۔۔۔۔ وہ اس معافی کی آرزو میں قبر میں نہ چلے جائے۔

اس بار حیدر علی کمرے میں داخل ہوتے ہی عاجزی وانکساری کی آواز اور تضرع لہجہ میں بولے۔ انکے اس ایک جملے پر نیہان کا دل بے اختیار دھڑکا تھا۔ بظاہر وہ کتنی ہی کٹھور نظر آرہی تھی۔۔ لیکن اپنے دل میں ابھی بھی اپنے باپ کے لئے تھوڑی بہت نرمی رکھتی تھی۔

نیہان جو ہوا بھول جاؤ۔۔ تمھارا باپ ہے وہ۔ ساری زندگی اس نے تم سے اتنی محبت کی ہے۔۔

انہیں نے مجھے اس لیے محبت دی کیونکہ انہیں میری حقیقت پتہ تھی۔ اسی گلٹ میں انہیں مجھے ساری زندگی محبت دی۔

گلٹ۔۔۔۔۔۔؟؟

بیٹا۔۔ تمھارا باپ ہے وہ۔۔۔۔ تم سے بے لوث محبت کرتا ہے۔ اور تم ایک باپ کی محبت پر شک کر رہی ہو۔۔۔۔؟؟؟ گلٹ کہہ رہی ہو اسے۔۔۔؟؟؟؟

حیدر علی نادانستہ طور پر ذرا تلخ لہجے میں سوال کیا۔

آپ یہاں وکالت کرنے آئے ہیں انکی۔۔۔؟؟؟ انہوں نے بھیجا ہے نہ آپکو۔۔۔؟؟؟؟ نہ میں اُسکی وکالت کر رہا ہوں اور نہ اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔۔۔۔!!! حیدر علی نے متاسف ہو کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

نیہان جس تکلیف سے وہ گزر رہا ہے نہ مجھ سے نہیں دیکھا جا رہا۔

حیدر علی نے سر گرا کر ڈھیروں آنسو گلے میں اتارتے ہوئے مغموم لہجے میں کہا۔

لیکن اب انہیں برداشت کرنا ہوگا۔ کیونکہ جو گناہ اُنہوں نے کیا ہے۔۔ ناقابلِ معافی ہے۔ رخ موڑ کر وہ افسردہ ہو کر بولی۔

یعنی تم معاف نہیں کروگی زوریز کو۔۔۔۔۔؟؟؟؟ آخری سانس تک نہیں۔۔۔!! کس کی آخری سانس۔۔۔۔؟؟؟ دونوں میں سے کسی کی بھی۔۔۔!! سوال حاضر جواب حاضر ہوتے جا رہے تھے۔۔ کہ نیہان کا آخری جملہ سن کر سب ششدر رہ گئے۔

بیٹا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جائیں یہاں سے۔۔۔۔ مجھے تیار ہونا ہے۔۔۔۔!!

وہ مزید کچھ کہنے لگے کہ نیہان ناچاہتے ہوئے بھی تلخ ہوگئی۔ حیدر علی اسکے آگے ہار کر کندھے جھکائے چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئے۔

"نیہان تم واپس (ماضی میں) جاکر شروعات کو تبدیل نہیں کر سکتی؛ لیکن جہاں تم ہو وہیں سے آغاز کر کے انجام کو ضرور تبدیل کر سکتی ہو"

اس دفعہ روبینہ نے بول کر اسے سوچنے پر مجبور کر دیا۔
روبینہ اپنی بات کہہ کر حنظلہ کے ہمراہ حیدر علی پیروی کرتے ہوئے خاموشی سے کمرے سے نکل رہے تھے۔۔ کہ اچانک نیہان کی نگاہ حنظلہ کی زخمی ہتھیلی پر پڑی تو بے ساختہ وہ اسکی طرف بڑھی۔۔ پھر کچھ سوچ کر ٹھہر گئی۔۔ اور اپنی کلائی پر بندھی پٹی کو دیکھنے لگی۔

دلِ مضطرب سے گزر گئے، شبِ وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا، نہ شکیب تھا نہ قرار تھا

——————⊱✿⊰——————

وہ شیشے کے سامنے بیٹھی سرخ عروسی جوڑا زیب تن کیے نک سک سے تیار ہوئی بہت زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ اسکی معصومیت اور بیقراری اسکی خوبصورتی پر چار چاند لگا رہے تھے۔ مگر وہ انگلیاں مڑوڑتی ہوئی سخت مضطرب اور افسردہ نظر آ رہی تھی۔ اسے رقیہ ایدھی کی ایک بات نہایت پریشان کر رہی تھی۔ اب وہ لہنگا سنبھالتے ہوئے اٹھی اور بیڈ پر آ کر گرنے والے انداز میں بیٹھی گئی۔
مگر رقیہ ایدھی کے کچھ دیر پہلے بولے گئے وہ الفاظ تھے کہ اسکے ذہن سے نکل ہی نہیں رہے تھے۔

(خیال)⊱——————

عالیہ۔۔۔ زوریز کو معاف کر چکی تھی۔ رقیہ ایدھی نے اسکے جانب بڑھ کر کہا۔ اتنا صبر اور برداشت کیسے تھی اُن میں۔۔۔ ؟؟؟ کہاں سے لائیں تھیں وہ اتنا حوصلہ۔۔ اس شخص کو معاف کرنے کا۔۔۔ جس نے انکا مان اور بھروسے کو توڑا تھا۔ آنسوؤں اور اذیتوں بھری زندگی کر ڈالی تھی انکی۔۔۔ ؟؟ کیسے۔۔۔ ؟؟ کیسے معاف کر سکتی ہیں وہ۔۔ ؟؟
نیہان نے قدرے حیرانگی کے عالم پوچھا۔
وہ اتنی صابر اسی لئے تھی کہ وہ قرآن حافظہ تھی۔ اور پھر گناہ اسنے بھی کیا تھا۔ چونکہ وہ معافی کی طلب جانتی تھی اسلئے معاف کا کرنے کا حوصلہ بھی رکھتی تھی۔
دروازے پر ہلکی دستک نے اسکی سوچوں میں بڑا خلل پیدا کیا تھا۔
رامین چند لڑکیوں کہ ہمراہ اسے سٹیج پر لے جانے کیلئے آئی تھیں۔
آج شاہ ہاؤس روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ بڑے بڑے فانوس۔۔۔ فواروں سے نکلتا پانی۔۔۔۔ رات کی روشنی میں ہیرے کی مانند چمک رہا تھا۔
مہمان جوق در جوق آ رہے تھے۔ حنظلہ خان نے آج کالے رنگ کی شیروانی پہن کر ہر ایک کو مات دے دی تھی۔ قد آور سراپا، مضبوط ہاتھ، بازو پر بندھی گولڈن گھڑی۔۔۔ خوشبوؤں سے لبریز تھا۔ ہر ایک کی آنکھ رشک اسے دیکھ رہی تھی۔
لڑکیاں نیہان کا لہنگا سنبھالتے ہوئے اسے سٹیج کی جانب لا رہی تھی۔۔ مگر وہ چلتے ہوئی حقیقت اور خیالوں کے بیچ میں کہیں کھڑی تھی۔

(خیال)ــ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آپکی ماں نے عشق مجازی سے عشق حقیقی کو حاصل کر لیا تھا۔ پھر آپ اپنے باپ کی محبت کو برا بھلا کیسے کہہ سکتی ہیں۔ جس نے اسے توڑ کر اللہ سے جوڑا تھا۔

(خیال)ــ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"ایسے ہی پھول جیسی ہماری زندگیوں میں کچھ لوگوں کانٹوں کیطرح ہوتے ہیں۔ جو باوجود اپنی خامیوں کے ہمیں فائدہ پہنچاتے ہیں۔
انکی موجودگی سے ہمیں دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انکے ہونے سے ہی تو ہم ہر خطرے سے محفوظ ہوتے ہیں۔"

(خیال)ــ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حقیقت سے فرار کی بجائے، حقیقت کا ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے سامنا کرنا ہی آپکو نڈر اور بہادر بناتا ہے۔

ایک کے بعد ایک خیال نیہان کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

(خیال)ــ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نیہان میرا بیٹا مجھے معاف کر دو۔۔۔ وقت اور حالات مجبوری بن کر میرے آڑے آ گئے تھے۔
مجھے معاف کر دو بیٹا۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔ زوریز شاہ نے ہاتھ جوڑ کر بے اختیار روتے ہوئے معافی طلب کی۔
کیا کچھ برداشت کیا میری ماں نے آپکے لیے۔ انہوں نے آپکی محبت میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا بدلے میں انکو کیا ملا۔۔۔۔؟؟؟ بے قدری، خواری، ذلالت، رسوائی۔۔۔ کیا یہ سب ہوتا ہے محبت میں۔۔۔؟؟؟

~~~~~~~

جب نیہان شاہ، حنظلہ حیدر علی کی ہمراہی میں آ کر بیٹھی تو واقعی وہ دونوں مکمل لگ رہے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نے انکو پورا کر دیا تھا۔
~~~~~~~

اب نیہان کی نظروں کے سامنے زوریز شاہ کے ساتھ گزرے خوشگوار لمحات کسی فلم کیطرح چلنے لگے۔
دوسری طرف زوریز شاہ اپنے کمرے میں بیڈ کے قریب بچھے ہوئے مصلحے پر بیٹھا اپنی سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان عاجزی وانکساری سے اپنے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگ رہا تھا۔
نکاح نامے پر سائن کرتے نیہان کو ایک پل کیلئے ہی اپنے باپ کی غیر موجودگی کا احساس تو ہوا تھا۔اب بچپن کی یادیں اور خوبصورت باتیں نیہان کی نظروں کے سامنے ناچ کرتی گزریں۔
اب وہ سجدہ ریز تھا اور اپنے گناہوں پر نہایت پشیمان اور تائب ہو کر کثرت سے آنسو بہتے ہوئے اپنے ملک حقیقی سے گڑ گڑا کر معافی مانگ رہا تھا۔

کر دے میرے گناہوں کو معاف اے خدا
سنا ہے سونے کے بعد کچھ لوگوں کی صبح نہیں ہوتی

~~~~~~~~~

رخصتی کے وقت وہ بارات اور خاندان کے جھرمٹ میں۔۔۔ضبط کے بہت سے آنسو اپنے اندر اتارتی ہوئی حنظلہ کے شانہ بہ شانہ سہج سہج کر چلتی ہوئی گھر کے بیرونی دروازے تک آئی۔
ہاجرہ بی نے نیہان کو اپنے ساتھ لپٹا کر اپنا ضبط کھو دیا۔نیہان نے اب سب سے ملتے ہوئے شدت سے اپنے باپ کی کمی محسوس کی تھی۔وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔۔۔کہ وہ اس قدر سنگدل ہو جائے گی۔۔۔کہ اپنے باپ کو اپنی خوشی سے محروم کر دے گی۔محبت و شفقت بھری یادوں کی قدرے مضبوط اور وزنی زنجیروں سے اُسے اپنے قدم اس قدر بھاری ہوتے محسوس ہو رہے تھے کہ اب وہ ایک بھی قدم اٹھا نہیں پا رہی تھی۔

(خیال)<————

"نیہان تم واپس (ماضی میں) جا کر شروعات کو تبدیل نہیں کر سکتی؛ لیکن جہاں تم ہو وہیں سے آغاز کر کے انجام کو ضرور تبدیل کر سکتی ہو"

~~~~~~

بمشکل اسنے ایک قدم اٹھا ہی تھا کہ۔۔۔اسے اپنے باپ کی پکار اپنے سماعتوں سے بار بار ٹکراتی ہوئی محسوس ہوئی۔
نیہان۔۔۔۔۔۔نیہان بیٹا۔۔۔۔!!
اس بار کمزور پڑھ کر نیہان نے اپنا قدم واپس لیا اور آنسوؤں سے لبالب آنکھوں سے قدرے بے بس ہو کر حنظلہ کی سمت دیکھا۔
کچھ لمحے اطراف میں خاموشی گنگنانے لگی۔حنظلہ کی آنکھ سے ایک ننھا سا آنسو ٹوٹ کر اسکی گال پر لٹکا۔۔۔کہ۔۔۔ساتھ ہی اسکے عنابی لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔اس نے نیہان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں واپس پلٹنے کا کہا۔

نیہان نے پیچھے مڑ کر کچھ لمحوں بعد دوبارہ مضمحل نگاہوں سے اسے دیکھا تو اچانک اسے اپنے ہاتھ پر مانوس سا لمس محسوس ہوا یونہی اسنے اپنی نظریں جھکا کر اپنے ہاتھ کی سمت دیکھ تو حنظلہ نے اسکا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ جسے دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا اور وہ لہنگا سنبھالتی ہوئی حنظلہ کے ساتھ قدم بہ قدم اٹھاتے ہوئے اپنے باپ کے کمرے تک آئی۔

دروازہ کھولا تھا کمرے میں داخل ہوتے ہی آنکھیں کے سامنے کا منظر دیکھ کر اسے اپنے پیروں تلے زمین سر کتی محسوس ہوئی۔ حنظلہ کی نرمی گرفت سے اپنا ہاتھ با آسانی آزاد کر وا کر وہ بے ساختہ اپنے باپ کی جانب لپکی جو مصلحے پر گھٹنے پیٹ سے ملائے سجدے کی حالت میں گرا پڑا ہوا تھا۔ بابا۔۔۔۔۔ نیہان کا سکتہ ٹوٹا۔

اسنے سرعت سے زمین پر اپنے باپ کے پاس بیٹھتے اسے بازو سے متوحش سی ہو کر ہلایا۔

بابا۔۔۔ بابا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پہلی ہلکی پھر قدرے اونچی آواز میں زوریز شاہ کو ہلاتے ہوئے اسنے چیخ کر پکارا تھا۔

بابا کیا ہوا آپکو۔۔۔۔۔۔!! بابا۔۔۔۔ بابا جانی۔۔۔۔ اٹھیں بابا۔۔۔!!

وہ اپنے باپ پر جھکی انکا چہرہ تھپتھپاتے مسلسل انہیں جگانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"اس پتہ تھا وہ اُسکی ناراضگی برداشت نہیں کر سکا اسلئے وہ مر گیا تھا۔"

حنظلہ آڑے ترشے وجود کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کہ یکدم وہ ہوش کی دنیا میں واپس لوٹا اور دوڑ کر نیہان کے پاس پہنچا۔ جو اپنے باپ سے بچوں کی طرح لپٹی ہوئی زار و قطار رو رہی تھی۔

نیہان کی ناراضگی ختم ہونے پر سبھی خوشی سے جھومتے ہوئے اندر آئے کہ سامنے کا دلخراش منظر دیکھ کر دنگ ہی رہ گئے۔ حنظلہ نیہان کو اپنے بازوں کے گھیرے میں لے بے تحاشا آنسو بہہ رہا تھا جبکہ نیہان زمین پر پڑے بے سود وجود کو ہلاتے ہوئے کسی ننھے بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

(خیال)←———

شاید واپسی کا وقت ہے۔۔۔ جیسا نیہان نے کہا۔ بالکل ایسے ہی سب کو سمجھا دینا میں کیوں نہیں آیا۔

~~~~~~~

زوریز شاہ کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز میٹھی نیند سوتے دیکھ حیدر علی سکتہ ور سہارے کیلئے دروازے کا بازو پکڑے کھڑے اپنی آنکھ سے بہنے والے اس واحد آنسو کو جو شاید بہت کڑوا تھا روک ہی نہیں پائے۔۔۔ اور وہ ایک ننھا سا آنسو زوریز شاہ کے خیال کو اپنے ساتھ ہی بہا لے گیا۔

عجب نہیں تری رحمت کی حد نہ ہو کوئی
گناہ گار ازل ہوں مری سزا میں یہ ڈھیل
~~~~~~~

اسکے کمرے میں سامنے ہی دیوار کے ساتھ عالیہ، زوریز اور ارمینہ کی ہنستی مسکراتی بڑی بڑی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ جیسے وہ احساس محرومی میں گھیری آنسو بہاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ نیہان کے چہرے پر نظریں مرکوز کیے حنظلہ بوجھل قدموں سے اسکی ہمراہی میں تصاویر کے عین سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔

~~~~~

اوڑھ کر مٹی کی چادر بے نشاں ہو جائیں گے
ایک دن ہم بھی داستاں ہو جائیں گے

~~~~~

کچھ لمحوں بعد حنظلہ نے کمرے میں چھائی خاموشی کو توڑا تھا۔

"کتنا اچھا ہوتا۔۔۔۔اگر ہم۔۔۔لوگوں کے گناہوں کی معافی۔۔۔انہیں اسی دنیا میں دیتے۔"

کربناک الفاظ کو باقاعدہ طور پر ترتیب دے کر وہ چپ ہوا تو ایک بار پھر پورے کمرے میں پھیلی خاموشی میں نیہان کی سسکیاں سنائی دینے لگیں۔

نیہان۔۔۔۔۔۔۔۔انسان خطاؤں کا پُتلا ہوتا ہے۔۔۔صبح سے رات اللہ کی نافرمانیوں میں لگا رہتا ہے۔ اسکے باوجود اللہ اسے ایک نئ صبح دیکھتا ہے۔ کہ شاید۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہ شاید وہ اس سے معافی مانگ لے۔

لیکن ہم انسان ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟

وہ دانستہ طور پر اپنی بات ادھوری کر چھوڑتا ہوا بہت کچھ جتا گیا تھا۔

اب میں ان سے کیسے معافی منگوں گی۔۔۔۔۔؟؟؟؟ میں بخوبی اچھے سے جانتی تھی کہ وہ میرے کمرے کے باہر کھڑے میری ساری باتیں سن رہے۔ میں کتنی سخت دلی سے انہیں باتیں سنا رہی تھی۔۔۔۔!؟

مجھے انہیں معافی مانگنے کا ایک موقع تو دینا ہی چاہیے تھا۔۔۔۔!!مگر۔۔۔؟؟ کتنی سنگدل ہو گئی تھی نہ میں۔۔۔۔۔؟؟؟ سسکتے ہوئے جیسے اسنے حنظلہ سے پوچھا تھا۔

ساری غلطی اس سنگ دل کی تو ہے۔ وہ بے تاثر سامنہ بنائے جواباً افسردہ لہجے میں بولا۔

اسکا جواب سن کر اب اسنے باقاعدگی سے رونا شروع کر دیا دیا۔

کاش۔۔۔۔۔۔کاش۔۔۔۔۔میں نے انہیں اپنی اس خوشی سے محروم نہ کیا ہوتا۔ نیہان روتے ہوئے کہا۔ پھر اپنے باپ کی تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے۔۔۔وہ اپنے اندر کا سارا دکھ آنکھیں سے نکالتے آنسوؤں کے سیلاب میں بہنے لگی۔

روتے نہیں ہیں نیہان۔ حنظلہ نے اسے شانوں سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی جانب موڑ کر شائستگی سے کہا۔

اب ہم صرف انکے لیے دعائیں ہی کر سکتے ہیں۔ حنظلہ نے اسکا آنسو سے تر چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر کر ملائمت سے کہا۔ بابا مجھ سے اتنی محبت کرتے تھے اور میں نے انہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ ششششش۔۔۔۔بس چپ ہو جاؤ۔

وہ پچھتاوے کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی حنظلہ نے اسے چپ ہونے کی تاکید کی۔

حنظلہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نیہان کے احمرین پر اب اسکا نام پھڑپھڑایا کہ ساتھ ہی اسکی آنکھوں میں مخفی کرب آنسو میں بہنے لگا۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کبھی اسکی نوبت نہ آئے۔۔۔۔؟؟؟؟

حنظلہ نے اپنی قمیض کی جیب سے رومال نکالا اور اسکی جانب بڑھا کر سوالیہ انداز میں کہا۔

حنظلہ۔۔۔۔۔۔اب خود تم۔۔۔۔۔مجھے سہارا دے رہے ہو۔۔۔۔۔۔!!

نیہان نے بہت سے آنسوؤں اپنے اندر اتار کر قدرے نرم اور معصومانہ انداز میں کہا۔ اسکے اسطرح بولنے پر حنظلہ نے اسکا سر پیچھے سے پکڑ کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور کسی چھوٹے بچے کی طرح سہلانے لگا۔

اب کوئی بھی غم کا بادل ہم پر نہیں آئے گا۔۔۔اور اگر آیا بھی تو ہم مل کر اسکا سامنا کریں گے۔ حنظلہ نے اپنے مخصوص انداز میں محبت سے کہا۔

نیہان نے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو صاف کر پلکیں جھپکائیں اور ساتھ ہی سر کو ہلکی سی اثبات میں جنبش دی۔ حنظلہ اسے اپنے ساتھ لگائے اسکی ریشمی بالوں کو سہلاتا اس پر نظریں مرکوز کیے ہوئے تھا۔ ایسے کرتے نیہان کی پلکیں اسکے رخسار کو چھو رہی تھی۔

نیچے چلیں۔۔۔۔۔۔انکل آنٹی کھانے پر انتظار کر رہے ہو گئے۔۔۔۔!!

نیہان نے قدرے ہلکی آواز میں خجالت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

حنظلہ نے اسکے سر پر بوسہ دیا۔۔۔پھر مسکراتے ہوئے اسکے کندھوں پر اپنا دایاں بازو پھیلا لیا۔

اب دونوں قدم بہ قدم ساتھ اٹھاتے ہوئے کمرے سے باہر کی جانب بڑھ گئے۔ جہاں خوشیاں خوشیاں انکی منتظر تھیں۔

تنہا جاں کو ملی جانِ کُل کائنات ہو تم....

فراق کی خزاں میں آئی پہلی بھری بہار ہو تم.....

پھر کیوں نہ کہوں، محورِ محبت کی آبشار ہو تم......

شورِ زندگی میں بھی پہچان لی جائے ایسی آواز ہو تم..

ہجرت زدہ دل کے لیے مسلسل رہائشی مقام ہو تم...

پھر کیوں نہ کہوں، محورِ محبت کی آبشار ہو تم....

پھر کیوں نہ کہوں، محورِ محبت کی آبشار ہو تم....

خاموش گفتگو کی اک مکمل داستاں ہو تم......

نظریں کرے مدہوش تیری ایسی شراب ہو تم.....

پھر کیوں نہ کہوں، محورِ محبت کی آبشار ہو تم...

ختم شد

Share your feedback on our social media pages.It really means a lot for us.